اطلبوا العلم ولو كان بالصين

LYTTON LIBRARY

MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH.

Class No.........................

Book No........................

CHECKED-2002

U 21260

19-12 [illegible]

Title - MAKARUMUL AKHLAQ.

Creation - Mohd. Zaka ullah.

Publisher - Matba Murtaza (Delhi).

Date — 1891

Pages — 344

Subject — Islam - ~~Akhal~~ Akhlaqiyaat.

مکارم الاخلاق

مولفہ

خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ فیلو الہ آباد یونی ورسٹی

اس کتاب میں اہل اسلام کی اعلیٰ درجہ کے علم اخلاق کی عربی فارسی کتابوں سے

دوسو چھتیس ۲۳۶ مضامین اخلاق اور دس مضامین مختلف لکھے گئے

ہیں

سنہ ۱۸۹۱ عیسوی

مطبع مرتضوی میں باہتمام حافظ محمد عزیز الدین منتظم طبع ہوئی

قیمت فی جلد ۱۲ر

اشتہار

اُردو انشاپردازی کی تحصیل کا

ممالک مغربی و پنجاب و اودھ میں روز بروز انگریزی علم ادب کی تقلید پر اُردو زبان کی انشاپردازی کا رواج ہوتا جا
اور آئندہ اور زیادہ ہوگا۔ پس اُس کے واسطے اپنی استعداد کے موافق اسباب و مصالح تیار کرنے کا ارادہ کیا ہے
ابتدا اُس کی اِس طرح کی ہے کہ علم انشاپردازی کے قواعد بالترتیب بلحاظ آسان و مشکل بکار آمد و سود مند
ہونے کے چار حصوں میں لکھے ہیں جنہیں سے دو چھپ گئے ہیں اُن کا نام مبادی الانشا حصہ اول و دوم ہے۔ اُن کی
کیفیت اشتہار ذیل سے معلوم ہوگی۔ اور آریا و ہند و اہل اسلام و اہل فرنگ کی سیکڑوں کتابوں کو مطالعہ کر
اُن میں سے نو دس قسم کے مضامین ڈھائی تین ہزار کے قریب انتخاب کئے۔ اُن میں سے مضامین اخلاق
اول اس لئے چھاپے ہیں کہ آج کل مدرسوں میں علم اخلاق کی تعلیم کا بڑا چرچا ہو رہا ہے
اِن میں سے دو حصے چھپ گئے اور تیسرا حصہ چھپ رہا ہے۔ باقی اور قسم کے مضامین بھی آ
ترتیب سے چھاپے جائیں گے۔ اب جو کتابیں چھپ کر تیار ہو گئی ہیں اُن کا اشتہار جدا جدا
چھاپا جاتا ہے + محمد ذکاء اللہ

محصول ۱/	اشتہار مکارم الاخلاق	قیمت ۱۲/

نہایت مستند و معتبر اعلیٰ درجہ کی علم اخلاق کی بیس عربی فارسی کتابوں سے انتخاب کر کے
۱۰۳۲ مضامین اخلاق گیارہ بابوں میں لکھے ہیں اور ایک باب میں دس مضامین متفرق لکھے
باب اول سے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ اور اُس کا فضل و کرم جو انسان
ہے معلوم ہوتا ہے۔ باب دوم سے تہذیب اخلاق کے اصول۔ باب سوم سے علم و عمل و عقل
کیفیت۔ باب چہارم سے کہنے سننے کا حال۔ باب پنجم سے عشق و محبت کی۔ باب ششم سے گ
توبہ کا حال۔ باب ہفتم سے دنیا اور محبت دنیا کی کیفیات۔ باب ہشتم سے معاملات و
کے حالات۔ باب نہم سے رذائل و فضائل اخلاق۔ باب دہم سے وقت۔ عمر۔ موت
حال۔ باب یازدہم سے حکایات۔ کل اس کتاب کے ۵۰۳ صفحے ہیں قیمت ۱۲/ محصول

محمد عطاء اللہ
دہلی چیلوں کا کوچہ

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U21260

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible] ذکاء اللہ ملقب بہ شمس العلماء خان بہادر ارباب علم کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ دنیا [illegible] نیک خیالات کا مجموعہ ایسا ہے کہ جسنے بنی آدم کو تاریکی جہالت سے نکال کر [illegible] سی اور سچے خیالات کے اثر کا مخالف و مزاحم نہیں ہے بلکہ [illegible] خیالات کی اصل [illegible] ہے اور وہ باہم موافقت اور اتحاد رکھتے ہیں اور آپس میں [illegible] بوندیوں کا سا ہے کہ گو وہ جدا جدا برستی ہیں مگر سب آپس میں [illegible] کے چلانے میں مدد کرتی ہیں اسی طرح یہ خیالات گو مختلف [illegible] انسان کی تہذیب نفس و تکمیل عقل کے لیے یکساں اثر رکھتے [illegible] مقصود علیحدہ ہیں تفصیل اس اجمال کی انکے پڑھنے سے معلوم ہو گی کہ ہر انسان [illegible] ہو ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے

[illegible] عقل و ہوش و نامور و صاحب کمال گذرے ہیں کہ انھوں نے [illegible] ت کا سرمایہ بڑھایا ہے اس طرح خیالات کا مخزن ہمیشہ بڑھتا [illegible] پانی کے بخارات اوپر جانے میں اپنی تلخی اور کھاری پن [illegible] صاف پانی کی جھڑی برسا کر ہم کو نہال کرتے ہیں ایسے [illegible] ہوتے ہیں تو وہ تمام خباثتوں کی کدورتوں سے الگ [illegible] دل و دماغ پر اپنی جھڑی برسا کے ان میں [illegible] دنیا [illegible] آتشی شیشہ کے نقطہ ماسکہ پہ حرارت اور روشنی کے جمع [illegible] بنے میں ان نیک خیالات کا اثر ہوتا ہے جب تک انسان کا دماغ [illegible]

کے خیالات کا مختصر مجموعہ نہیں بنتا وہ روشن دماغ اور روشن ضمیر نہیں ہو سکتا۔ نیک سچے خیالات کیا ہیں
سچی دولت کے خزانے۔ آبِ حیات کے چشمے۔ نور کے فرشتے۔ جواہر کے حقے جنکی چمک کبھی ماند نہیں ہوتی
خوشنما و معطر پھولوں کے گلدستے جنپر کبھی پژمردگی نہیں آتی۔ خصائل و عادات انسانی کی سیر
ساری قوموں کے حصن حصین۔ دل و دماغ کے زیور۔ علم و عمل کے بیجوں کی اصل۔ تہذیب اخلاق کے
سانچے۔ انسان کو اشرف المخلوقات کے تخت پہ بٹھانے والے۔ سیرت و طینت و نیت کو پاک بنانے والے
اُن سے زیادہ عمدہ کوئی ورثہ زمانہ کے ہاتھ سے انسان کو ابتک نہیں ملا۔ نیک ور حق خیالات پر سیاہی
کے قطرے بھی اعجاز کرتے ہیں جب وہ الفاظ کا لباس زیب تن کرکے ہوا میں اُڑتے ہیں تو یہ قطرے
اُن کی طرح پڑکر اُن کی صورت کو ایسا پائدار کردیتے ہیں کہ وہ ایسی امنٹ ہوجاتی ہے کہ جن کی مدتوں
تک زمانہ زیارت کیا کرے اور ارباب خیال اپنے ذہن کو اُن سے پر کیا کریں۔

جب میں نے دیکھا کہ انسان کی تعلیم و تہذیب کی تکمیل جب تک نہیں ہوتی کہ اُس کا دماغ سچے حق
خیالات کا مخزن نہ ہو تو میں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی زبان میں ان خیالات کو بیان کروں۔ اِس آ
مطلب کے واسطے میں نے اُن مشہور کتابوں کا باغ اپنے ذہن کی آنکھوں کے روبرو لگایا کہ جنکے
اندر ایسے خیالات بلند موجود تھے کہ جنکو زمانہ دراز سے بے شمار آدمی پڑھتے چلے آتے ہیں اور
معلوم نہیں کب تک پڑھتے چلے جائینگے۔ جب یہ باغ مرتب ہوگیا تو میں نے اول اپنے ذہن سے
کہا کہ تو اس باغ میں باغبان بنکے جا اور جو پھول تجھکو پسند آئیں اُن کو مع شاخ اور پتوں کے
قلم کرکے اپنے تاگے سے باندھ کے اُن کا گلدستہ بنا دے (یعنی اصلی خیالات کو انتخاب کرکے اپنی زبان
میں نقل کردے) پھر میں نے اُس سے کہا کہ اب تو گلفروش بن کر اُس باغ میں جا اور اپنے پسند کے پھول توڑ
اور اُنکا گہنا۔ بدھی۔ سہرا۔ ہار۔ گجرا بنا (یعنی خیالات کی کچھ صورت بدل) بعدازاں میں نے کہا کہ تو شہد
کی مکھی بن کے جا اور خوب گلگشت کرکے پھولوں کا رس چوس اور اپنے معدہ میں شہد بنا۔ (یعنی خیالات
کی ایسی نئی صورت بنا دے کہ کوئی پہچانے نہیں کہ پہلے اُن کی کیا صورت تھی) مگر مجھے معلوم نہیں کہ
میرے [illegible]م۔ اہل مذاق اسکو اُنگلی لگا کے زبان پر رکھیں۔ اگر اُنکو لذیذ معلوم ہو تو اُس سے

لذت اُٹھائیں نہیں تھوک دیں۔ ذہن نے مجھسے یہ بھی فرمائش کی کہ اب مجھے مکڑی بن کے جانے کی اجازت دیجئے کہ میں اپنے معدے سے مادہ نکال کر جال پھیلاؤں میں نے اُسے منع کیا کہ جو جالا تو خود تنے گا وہ ہوا کے جھونکوں میں اُڑ جائیگا۔ خود اُس میں پھنس کر مُردہ کی طرح لٹکے گا۔ مکھیاں بھی علوم نہیں اُس میں پھنسا سکے گا یا نہیں (کوئی خیال بنا اصلی میں نے نہیں لکھا) ہاں میں نے ان خیالات کے باغ میں مضامین کی قلمیں تراشیں (یعنی پڑھا) پھر اُنکو ہضم کیا (دل بہلایا) اُن کا ذخیرہ اپنے حافظہ میں ایک بلند مقام پر جمع کیا اور اُسکی شیرینی کے ایسے مزے اُڑائے کہ جس سے میری زندگانی کی تلخیاں کم ہوگئیں پس یہ ثمرہ مجھے اپنی ریاضت کا مل گیا۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ کچھ اور زیادہ طمع نہیں کرتا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے ان خیالات کے بیج بتا دیے ہیں کہ جن سے اہل خیال نئے خیالات کے کھیت کے کھیت ہرے بھرے پھولے پھلے جتنے بڑے اور زرخیز چاہیں لگائیں۔

میں نے اس کتاب میں مشرقی و مغربی خیالات کی دو تصویریں ایسی بنائی ہیں کہ پیٹھ سے پیٹھ لگائے بیٹھی ہیں ایک مشرق کی طرف دیکھ رہی ہے یعنی پیچھے کی طرف اور دوسری مغرب کی طرف یعنی آگے یوں وہ دونو اپنی صورتوں سے اگلے پچھلے خیالات کو بیان کر رہی ہیں۔ گو خیالات بہت سے اقسام کے ہو سکتے ہیں مگر میں اپنی کتاب کا آغاز ان خیالات سے شروع کرتا ہوں جو اخلاق کی تہذیب سے متعلق ہیں اور اُن کے وہ اصول بیان کرتا ہوں کہ جنہیں قانون قدرت اور سُنت الٰہی کی طرح تبدیل اور تحویل نہیں نہ کبھی زمانہ اُنکو بدل سکا نہ بدل سکے گا۔ تہذیب اخلاق کے خیالات بداخلاقی پر لعنت کرتے ہیں اور خوش اخلاقی کی نخوت پر ملامت کرتے ہیں اسلئے انسان کو بالطبع وہ ایسے ناگوار معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ عیب بتلانے والے آدمی۔ مگر جب تک انسان اپنے بچپنے کی بیوقوفیوں کی جوانی میں اور جوانی کی شہوت پرستیوں کی بڑھاپے میں اصلاح نہیں کرتا وہ پیرانہ سالی میں لڑکوں کا سا احمق اور جوانوں کا سا شہوت پرست رہتا ہے۔ اسلئے تہذیب نفس اور تزکیہ قلب کے لئے ان خیالات کی تقدیم ضرور ہے۔ تہذیب اخلاق میں مذہب کو بڑا دخل ہے۔ ہر قوم کا اخلاق اسکے مذہب کا نتیجہ ہوتا ہے جس نے مذہب کو چھوڑ دیا اور نتیجہ کو لے لیا۔ آم کھائے اور پیڑ نہیں گنے۔ اصل درخت اُنکو چھوڑ دیا پھلوں

لے لیا یعنی احکام و عقاید مذہبی بیان کرکے دوزخ و بہشت کی راہ نہیں بتلائی کہ کسی کو جنت میں پہنچا دے کسی کو
دوزخ میں ڈالا - بلکہ بدیوں کی برائیاں و نیکیوں کی خوبیاں بیان کیں اور یہ بتلایا کہ اُن کی [illegible] دور
ہونے سے اس سنسار میں آدمی کو کیا ہاتھ لگتا ہے - اس کتاب کے پہلے حصہ کا نام تہذیب الاخلاق آریا ہند ہے
اُس میں آریا ہند یعنی ہنود کی مقدس و معتبر و مستند کتابوں سے ایک سو اڑتیس مضمون انتخاب کرکے لکھے ہیں
دوسرے حصہ کا نام مکارم الاخلاق ہے - اُسمیں مضامین مسلمانوں کی کتابوں سے انتخاب کرکے لکھے ہیں -
تیسرے حصہ کا نام محاسن الاخلاق ہے - اُس میں مضامین اہل فرنگ کی کتابوں سے اخذ کرکے لکھے ہیں
ہر حصہ کے آخر میں ضمیمے لکھے ہیں جسمیں متفرق مضامین ہیں - یہ حصے علیحدہ علیحدہ ہیں کچھ ایک دوسرے
پر موقوف نہیں اور وہ ایک مجموعہ میں بھی شامل ہیں - مضامین کے بزرگ مصنفوں کا نام بھی میں نے
اول لکھدیا ہے جس سے مضامین کی عظمت ہو - جب تک لوگ مضمون کے مصنف کو نہیں جانتے اسکی
قدر و منزلت نہیں کرتے - اسمیں تو شبہ نہیں کہ خیالات ایسے مقدس بزرگوں کے ہیں کہ وہ لوگوں کے
دلوں پر تاثیر ضرور کرینگے - مگر کلام اسمیں ہے کہ میں نے بھی اُن کا حق اپنی زبان میں ادا کیا یا نہیں -
میں نے خواہ حق ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر طالب العلموں کو اُن مضامین کے پڑھنے سے یہ ایک نئی طرح کی بصیرت
حاصل ہوگی کہ ہزاروں تشبیہات و استعارات و تمثیلات و محاورات مشرقی و مغربی زبانوں کے
ایسے معلوم ہونگے جو پہلے کبھی اُن کے کانوں نے نہ سُنے ہونگے - اور مشرقی و مغربی خیالات کے
ادا پر علم ہوگا - وہ اُن کے ازدواج سے عمدہ اولاد مضامین کی پیدا کرسکتے ہیں کیونکہ قاعدہ
ہے کہ مختلف نسلوں کے اختلاط سے اچھی اولاد پیدا ہوتی ہے فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکارم الاخلاق

باب اول خداتعالیٰ

(۱) خدا کی تعریف

خدا تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے کوئی اُس کا شریک نہیں یکتا ہے کوئی اُس جیسا نہیں۔ صمد ہے کوئی اُس کا مقابل نہیں۔ قدیم ازلی ہے جسکی اول وابتدا نہیں ابدی ہے جسکی آخر وانتہا نہیں قیوم ہے جسکا انقطاع نہیں دائم ہے جسکو کبھی فنا نہیں ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہی مبدا ہے۔ وہی معاد ہے۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔

خدا کی نہ صورت ہے نہ جسم ہے۔ نہ اجسام کے مشابہ ہے۔ نہ وہ کسی موجود کے مشابہ ہے نہ کوئی موجود اسکے مشابہ ہے۔ وہ ہر موجود چیز کے قریب ہے۔ وہ مکان وزمان بننے سے پیشتر موجود تھا۔ وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ بدلنے اور انتقال سے پاک ہے۔ فنا اور زوال سے اسکی ذات منزہ ہے۔ اپنی صفات کے کمال میں کامل ہونے کے لیے کسی زیادتی کی اسکو حاجت نہیں۔ خدا تعالیٰ زندہ قادر جبار قہار ہے نہ اسکو ماندگی عارض ہو نہ قصور نہ غفلت ہو نہ نیند نہ فنا اسپر آوے مخلوقات ساری اسکی مٹھی میں ہے۔ پیدا کرنے اور اختراع میں منفرد ہے ایجاد وابداع میں

خلق کو اور اُسکے اعمال و اقوال کو پیدا کیا۔ کوئی قدرت کی چیز اُسکے قبضے سے جدا
قدرت اور اُسکی معلومات بے انتہا ہے۔ خدا تعالی سب معلومات کو جانتا ہے۔ زمین کی انتہا و
آسمانوں کے اوپر تک جو کچھ ہوتا ہے سب پر اُسکا علم موجود ہے۔ آسمان و زمین میں ایک ذرہ
علم سے چھپ نہیں سکتا۔ کالی رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے رینگنے کو اور ہوا کے
چلنے کو جانتا ہے چھپی اور کھلی بات کو معلوم کر لیتا ہے۔ دلوں کے وسوسوں اور خیال
کو اور باطن کے پوشیدہ اسرار پر مطلع ہوتا ہے اُس کا علم قدیم ازلی ہے

خدا تعالی نے کائنات کو اپنے ارادہ سے بنایا جس چیز کو چاہا وہ ہو
جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے کوئی اُسکے حکم کا روکنے والا نہیں کوئی اسکی قضا کا پھیرنے
جن وقتوں میں جن چیزوں کے ہونے کو اپنے ارادہ ازلی میں مقرر فرمایا۔ وہ انہیں و
تقدیم و تاخیر کے موجود ہوئیں اللہ تعالی سمیع و بصیر ہے سُنتا ہے دیکھتا ہے کوئی سننے
خفیہ ہو اور دیکھنے کی چیز کیسی ہے باریک ہے اُسکے سُننے اور دیکھنے سے بچ نہیں سکتی۔ نہ دور
سننے کو مانع ہو نہ تاریکی اُسکے دیکھنے کو مزاحم۔ دیکھتا ہے مگر حدقہ چشم اور پلک سے منزہ ہے
مگر کانوں اور اُن کے سوراخ سے مبرا ہے۔ خدا کی ذات اور صفات ہماری سی نہیں کہ
دل و دماغ ہو۔ گرفت کے واسطے اعضا ہوں۔ پیدا کرنے کے لئے آلات و اسباب ہوں
جو چیز سواء اُسکے موجود ہے وہ اُسی کے فعل سے حادث ہے اور اُسی کے عدل سے فیضیاب ہے
اور اکمل اور اتم اور اعدل طور پر اسی کا ظہور ہوا ہے اور وہ اپنے افعال میں حکیم اور اپنے احکام
عادل ہے۔ اُسنے اپنی قدرت سے انسان۔ حیوان۔ زمین آسمان۔ جمادات۔ نباتات۔ جو
مدرک محسوس۔ سب عدم سے اختراع کئے۔ پردہ نیستی سے نکال کر ہست فرمایا۔ کیونکہ ازل
میں وجود تھا۔ دوسرا کوئی اُسکے ساتھ نہ تھا۔ اسنے اپنے فضل سے خلق کو موجود کیا۔ اُسکو
کوئی حاجت نہیں تھی۔ نہ اُسپر یہ کام کرنے واجب تھے۔ انعام اور اصلاح میں وہ صرف اپنی جود
اس طور سے کہ اُسکے ذمہ لازم ہو فضل و احسان نعمت و منت سب اُسی کے لئے سزا ہے

(۲) خدا کی رحمت

خدا تعالی نے ہمارے ہی لئے ساری چیزیں بنائی ہیں وہی ہماری حفاظت کرتا ہے وہی ہمکو روزی دیتا ہے۔ دشمنوں سے بچاتا ہے۔ موذیوں سے پناہ میں رکھتا ہے۔ مصیبت کے وقت کام آتا ہے۔ درد کی حالت میں ہم پر رحمت بھیجتا ہے۔ جو کچھہ ہمکو ضرورت ہوتی ہے پیش از سوال اُسکو رفع کر دیتا ہے دھہ پیچ کو ٹال دیتا ہے۔ انسان اپنے تئیں اشرف المخلوقات کہتا ہے۔ اور دعوی کرتا ہے۔ کہ میں خدا کی اخلاق کی پیروی کرتا ہوں۔ مگر وہ بڑا ہی ظلم کرتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض وخفا ہوتا ہے۔ اور ونکو تکلیف پہنچاتا ہے۔ اوروں کی خطاؤں اور قصوروں کے معاف کرنے میں دریغ کرتا ہے۔ مگر خدا ہماری نافرمانیوں اور گناہوں سے چشم پوشی کرتا ہے ہر وقت ہمارے اوپر نظر رحم رکھتا ہے۔ ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفقت کرتا ہے۔

(۳) خدا کی عظمت

اگر تم خدا کی عظمت کا دیدار دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے آئینہ دل کو نفاق کے زنگ و زنگ سے صیقل کرو۔ صیقل کرنا یہی ہے کہ خدا کا یقین دل میں کرو۔ اگر تم اس آئینہ دل کو کثر کروگے یا رو تیرہ کروگے تو تمہارا حال نور آفتاب اور بوم و خفاش کا سا ہوگا کہ اپنے ضعف چشم کے سبب سے وہ اس نور کو نہیں دیکھہ سکتے۔ گو آفتاب ایسا روشن ہے۔ لیکن سحاب کے حجاب ہونے سے وہ شیشہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ ایسے ہی دل پر بری عادتوں اور خو ؤں کا پردہ پڑا ہوا ہے جسنے اُسکی روشنی کو روک دیا ہے۔ کبھی حق باطل سے معائنہ نہیں ہوتا جنجر کو آئینہ بنا کے۔ اگر فرشتے یا یوسف نہ دیکھے تو دلو معلوم ہو۔ پس آئینہ دل ہی کی جلا تم کو خدا کی عظمت دکھائے گی۔ اس عظمت کے دیکھنے کے واسطے ایک زینہ پر چڑھنا پڑتا ہے جسکے پائے علم و عمل ہیں۔ پھر علم کے ساتھہ حلم ضرور ہے کیونکہ علم بے حلم شمع بے نور ہے۔ لیکن آدمی نے تو کاہلی اختیار کر رکھی ہے۔ کاہلی کی برابر کوئی بری چیز نہیں۔ وہ تو رستم کو بھی حیز بنا دیتی ہے۔ جو ونکو بیکار رہتا ہے اور رات کو تن آسانی کرتا ہے اُسکو کچھہ نہیں حاصل ہوتا۔ بادشاہوں کو ملکوں کے لینے کے لئے تو دستہ گرز اور قبضہ شمشیر

کی ضرورت ہی وہ بے حلم و محنت کب حاصل ہو سکتی ہیں - ایسے ہی جبتک آدمی علم کو حلم و محنت کے ساتھ کام میں نہیں لائیگا خدا کی عظمت و تنزیہ و تقدیس کے دیدار سے محروم رہے گا - لوہا جو تیرہ ہوتا ہی وہ صیقل کرنے سے آئینہ بن جاتا ہی اور عیب و صواب دکھاتا ہی دل کیوں صیقل کرنے سے منور نہوگا اور خدا کی عظمت کا دیدار نہ دکھلائے گا -

(۴) خدا کا لطف و قہر

دیندار خدا کے لطف کے شاکر ہوتے ہیں کفار اُسکے قہر کے شاکی - اُسی کے لطف سے جانوں کو آرام پہنچتا ہی - اُسی کے قہر سے جانوں میں آگ لگتی ہی - اُسی کے لطف سے بندہ کو سرو حال ہوتا ہی - اُسی کے قہر سے مرد کو غرور ہوتا ہی - اُسی کے قہر سے نازنین مردہ ہوجاتے ہیں اُسکے لطف سے بے نوا زندہ - اُسکا لطف مردہ کو زندہ اور قہر زندہ کو مردہ بناتا ہے - اُس کا قہر باشہ کو پشہ بناتا ہی - بادشاہوں کو خاک میں ملاتا ہی - گردن کشوں کی گردن اُڑاتا ہی سرکشوں کے مُنہ میں لگام دیتا ہی اُس کا لطف ضعیفوں کو قوی کرتا ہی - اُسکا عفو گنہ پر سبقت کرتا ہی - تائب گناہگار کو پناہ دیتا ہی گناہ کا وہ پردہ دار ہے ہماری طرح پردہ در نہیں - وہ ہمارا حافظ ہی مگر ہم بے عقل و ظالم و جاہل اُس سے غافل ہیں ہم اپنے اوپر ایسے مہربان نہیں جیسا وہ ہم پر مہربان ہی - وہ ہمارے ساتھ لطف مہربانی کرتا ہی جو ماں فرزندوں کے ساتھ نہیں کرتی - وہ ناکسونکو اپنی مہربانی سے لائق بنا دیتا ہی - وہ عالم الغیب ہمارے عیب چھپاتا ہی اپنی عفو سے اُنکو دہو تا ہی - ہمارے کام بُرے اوس کے کام بھلے ہیں وہ غیب دان ہم عیب دار - اگر اُسکی عنایت پاک ہم پر نہ ہوتی تو یہ انسان مشت خاک تاجدار کیسے ہوتا - گناہ کے جنگل میں اُسی کی عفو کی منزل ہی - ہم جفا کرتے ہیں وہ وفا کرتا ہی - ہم اپنے ساتھ ایسے وفادار نہیں جیسا وہ ہمارے ساتھ ہی - اُسی کا لطف ہم بیکسوں کی دستگیری کرتا ہی -

(۵) خدا کی قدرت

جو عاقل ہیں وہ خدا کی قدرت بالغہ و حکمت کاملہ اِن کاموں سے سمجھتے ہیں کہ اُس نے زمین کو بچھونا بنایا اُس میں پہاڑوں کی میخیں جڑیں کہ زلزلوں کے صدموں سے وہ پراگندہ نہو - اُس پر آسمان کو بنایا اُس میں

قمر کا نور شب فروز کیا۔ اور آفتاب کا چراغ روشن کیا۔ اُس سے دن کو اُجالا دیا۔ یوں رات دن کو بنایا۔ وہ
متواتر ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے رہتے ہیں رات کو ہمارا لباس بنایا۔ دن کو ہماری معاش کے
لئے بنایا۔ پھر ہمکو جوڑے جوڑے بنایا۔ نیند بنائی جس سے ہماری ماندگی رفع ہو۔ بادل پانی سے بھرے
ہوئے بنائے۔ جنسے پانی کے ریلے زمین پر اُترتے ہیں اور مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ اور سبزہ اور
اناج اُگاتے ہیں باغوں کو سبز پتوں کا لباس اُڑھاتے ہیں۔ سب قسم کے جانور زمین پر پھیلائے۔ دریا پر
کشتی کو چلایا۔ جو اُن چیزوں کو لیکر چلتی ہے جس سے آدمیوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ ہوا کو آسمان زمین کے درمیان
چلایا۔ اب تم دیکھو پانی جس کو تم پیتے ہو۔ تم نے اُسکو بادل سے اُتارا ہے یا خدا نے۔ آگ جو سُلگاتے
ہو اُسکا درخت کیا تم نے لگایا ہے یا خدا نے۔ موت جو بنائی ہو وہ تم نے بنائی ہے یا خدا نے۔ تمہارے
بدلے کے جو آدمی پیدا ہوتے رہتے ہیں تم پیدا کرتے ہو یا خدا۔ جو تم بوتے ہو اُسکو تم اُگاتے ہو یا خدا۔ جے
یہ خدا کو اختیار ہے کہ تمہاری کھیتی کو ملیا میٹ کردے اور تم یونہیں دیکھتے رہو۔ یہ ساری نشانیاں خدا
کی ہیں جس شخص کو ادنیٰ شعور بھی ہے وہ اُن زمین آسمان کی عجائب مخلوقات الٰہی میں اپنی نظر
کو گردش دے اور حیوانات اور نباتات کی پیدائش نادرہ دیکھے تو جان لیگا کہ اُس کارخانہ عجیب و
غریب اور اُس ترتیب محکم کا بنانے والا ضرور ہے جو اُس کو منتظم و محکم رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً اُنکو
متغیر کرتا ہے۔ اور تدبیر سے بدلتا رہتا ہے۔ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو مانے۔
وہ کارگر ہے ہم آلہ کار ہیں۔ اُسی کے سبب سے یہ سب چین و آرام عالم میں ہیں درخت کو وہی ہلاتا ہے
نہ ہوا۔ وہی تشنہ کی تشنگی دور کرتا ہے نہ پانی۔ وہی مستوں کو خوش کرتا ہے نہ شراب اُسکے بغیر غنچہ
باغ میں کھلے نہ میوہ شاخ میں لگے۔ تجھے چاہئیے کہ اپنے دل کو سب خیالات سے سادہ بنا۔ اور دل کے آئینہ
کو سب چیزوں سے دھو ڈال جس سے تجھے گنج بقا ہاتھ لگے۔ اور اُس کے روئے دل آرا کا پرتو پڑے
وہ تو ظاہر ہے مگر تو ہی کور بصر ہے۔ وہ حاضر ہے مگر تو ہی دور نگر ہے۔ اگر اُسکا نور نہ ہو تو تیری چشم بینا
اور دل دانا کسی کام کا نہیں تو اُسی کی تخم محبت کو دل میں بو۔ اُسی کی آب عنایت سے
پانی ڈال۔ اُسی کی کاشانہ قربت میں قدم رکھ۔ اُسی کے میخانۂ وحدت سے شراب پی۔

(۶) خدا کا رزق پہنچانا

ابھی ہمارا وجود ظاہر نہ ہوا تھا رحم مادری میں موجود تھے کہ حکیم بیچون نے ہمارا رزق خون سے مقرر کر دیا
جب نو مہینے گذر گئے تو یہ رزق کا دروازہ بند کر دیا۔ اور پستان کے دو چشمے رواں ہمارے لیے کھول دیے
جب اُس پہ دو برس گذر گئے تو یہ دو دروازے رزق کے بند کر دیے۔ اور دو ہاتھ اور دو پاؤں
دیدیے کہ جنہیں سے ایک سے رزق کی طرف جائیں اور دوسرے سے رزق کو لے لیں۔ جب اجل آگئی تو
تو یہ چاروں ہاتھ پاؤں بیکار ہوگئے بعد میں وہ چاروں بند ہوئے تو یہ رزق کے چاروں دروازے بند کر دیے
بہشت کے آٹھ دروازے رزق کے لئے کھول دئے۔ خدا ہی کیا رزاق ہے اور کس حکمت سے رزق پہنچاتا ہے
جانوروں کے آگے دستر خوان بچھا رکھا ہے اور اتنا کھانا اُس پر چنا ہے کہ وہ کھا نہیں سکتے۔ سب کو روزی
روزی پہنچاتا ہے اُسکے انبار خانہ پر مہر نہیں لگی ہوئی۔ ہر ایک اُس سے اپنی روزی لے لیتا ہے
خواہ کافر ہو یا مومن یا سعید ہو یا شقی۔ وہ سب کو روزی اور حیات دیتا ہے۔ ابھی حلق سے جان
نہیں نکلنے پائی کہ اُسکے جسم جو د روزی خلق کو دیدیتی ہے۔ غرض نان و جان اُس کے خزانہ سے ہم کو
ملتی ہے۔ ہماری روزی اگر بالک چین میں ہو تو وہاں ہمارا کسب کا اسپ کیسے کھڑا ہوتا ہے۔ کبھی ہم
رزق کے پاس جاتے ہیں اگر ہم اُس پاس نہیں پہنچ سکتے تو وہ ہمارے پاس شتاب آجاتا ہے خواہ
ہم خواب میں پڑے سوتے ہی کیوں نہ ہوں۔ خدا جان بے نان کے کسی کو نہیں دیتا اسلئے کہ جان کا قیام
نان پر موقوف ہے۔ روزی کا خوف وہ سفلے کرتے ہیں جو خدا پر بھروسہ نہیں کرتے۔ خدا تجھ کو روزی
دیگا تو کیوں امیر اور وزیر سے گدائی کرتا ہے۔ خدا کے دروازے سے تیری روزی ملتی ہے تو کیوں اسکے
لیے خلق و زبان و دندان سے فریاد کرتا ہے تجھ کو خدا پر اعتماد چاہیے۔ اگر ایک سال مینہ نہیں برستا
تو تو خستہ حال و پریشان ہوتا ہے۔ ایک بڑھیا نے پردہ سے سر نکال کر جو اپنے کھیت کو خشک دیکھا تو کہا
اے خدا رزق تیرے ہاتھ ہے مجھ کو گریہ ابر اور خندہ کشت پر موقوف نہیں ہے۔ میں تجھ کو جانتی ہوں کہ
بے سبب رزق دیتا ہے۔ جان و نان میری تیرے ہی اختیار میں ہے۔ تیرا ایک دروں کے ہزاروں
اور لاکھوں سے زیادہ ہے۔ تیرا تھوڑا تھوڑا نہیں ہے۔ تیرا ایک شعلہ ہزار ستاروں سے بڑھ کر ہے۔ تیرا

ایک قطرہ صد ہزار دریا سے زیادہ ہی بس وہ ہو کر اِس عورت سے کمتر ہو کر روزی کا غم نہ کہا تجھے
اسکا یقین کرنا چاہیئے کہ خدا رزق دیگا۔ خداوہ کریم اور با احسان ہی کہ وہ گبر و مسلمان کے ساتھہ
یک اکرم کرتا ہی۔ خدا ہی کے ساتھہ دل لگانے سے تو غم کی بندے سے آزاد ہوگا۔ خدا ہی کو یار بنا
اور خلق کو شمار مین نہ لا۔ اگر تو راہ نیاز سے خبردار نہیں تو مغز پیاز کی طرح حجاب مین ہے جب تک
تیری جان ہی نان تیرے ساتھہ ہی۔ ایک خدا پرست عورت کا خاوند حج کرنے چلا گیا۔ تو لوگون نے
بڑی دلسوزی سے اُس عورت سے پوچھا کہ خاوند تیرا کیا تیرے لیئے نفقہ چھوڑ گیا ہے۔ اُس نے
کہا جو کچھہ چھوڑ گیا ہی مین اُس سے راضی ہون۔ جتنا میرا رزق ہی وہ میرے پاس ہے اُس سے پہر
لوگون نے پوچھا کہ کتنا تیرا رزق تیرے پاس ہی جو تو قانع و خرسند اُسپر ہی۔ اُس نے کہا کہ
جتنی میری عمر باقی ہی اُتنا رزق خاوند مجھے دے گیا ہے۔ لوگون نے کہا کہ اُسکو تیری عمر کی خبر کیا تہی
کہ اتنے دنون جیئے گی کہ اُس کے موافق تیرا رزق دے گیا ہی۔ اُس نے کہا کہ میرا روزی دینے والا
جانتا ہی کہ جب تک میری جان ہی وہ میرا رزق نہیں بند کرے گا۔ لوگون نے کہا کہ خدا تو بے
سبب رزق نہیں دیتا جیسے بید سے رطب نہیں دیتا۔ کوئی ظاہری سبیل تیرے رزق کی نہیں
تو خدا تیرے پاس کوئی زنبیل نہیں بہیجے گا۔ اس عورت نے کہا کہ تمہاری کیا عقل تیرہ ہی اُس کو زنبیل
کی حاجت کیا ہی جسکے پاس مین کثیر و قلیل ہو۔ آسمان و زمین اُسکے پاس ہون جو کچھہ وہ چاہتا
لوگون کے پاس پہونچا دیتا ہی کبھی زیادہ کر دیتا ہی کبھی کم کر دیتا ہی پس خدا پر توکل چاہیئے۔

(۷) خدا سب کے دلون سے آگاہ ہی

خدا نے تیرا دل پیدا کیا ہی جو کچھہ اُس مین ہی وہ جانتا ہی۔ اگر تو یہ جانے کہ میرے دل سے خدا آگاہ
ہے تو پہر کاہے کو تیری طبیعت گدہے کی طرح کیچڑ مین پہنسی رہے۔ بدکرداری کے تو ضرور مُنہ پہیر لے
ہاں خدا کا حلم تجھے مغرور بناتا ہی تیرے دل مین نار رجا سے نور کے پیدا کرتا ہی۔ اگر تو اُسکے علم کو نہیں
دیکھتا تو حلم سے اُسکے کچھہ طمع نہ رکھہ علم اُس کا عقل کا چراغ روشن کرتا ہی حلم اُس کا انسان کو گناہ
سکھاتا ہی۔ اگر اس کا حلم پناہ نہ ہوتا تو انسان کا کیا زہرہ تہا کہ گناہ کرتا۔ وہ اپنے خلق کی

کو جانتا ہی۔ جو ضمیر میں تیرے راز آیا ہنیں اُس نے جانا ہنیں ابہی لفظ تیرے منہ سے ہنیں نکلا کہ وہ اُسکو جان جاتا ہی۔ جو تیرے دل میں ہنے کا ارادہ ہی۔ خدا راز دار اور راز داں تیرا ہی۔ اگر چینوٹی اندہیری رات میں پتہر پر چلے تو وہ اُسسے آگاہ ہوجاتا ہی۔ قعر آب میں اگر پتہر ہلے تو اندہیری رات میں اُس کو دیکہہ لیتا ہی۔ اگر پتہر کے اندر ذرہ سا بہی چہوٹا کیڑا ہو تو اُسکی راز نہانی کو وہ جان جاتا ہی۔ تو ہمیشہ اپنے تمام کام یہ سمجہہ کر کر کہ خدا ضمائر سے مدام آگاہ ہی۔ وہ ہم چاہ ہنیں کہتے تہے جو اُس نے ہمارے لئے آراستہ کر دیا۔ جب تو گناہ کرتا ہی تو دو حال سے خالی ہنیں کیا تو یہ جانتا ہی کہ خدا اُس کو ہنیں جانتا تو کافر مطلق ہی اور اگر یہ جانتا ہی کہ وہ جانتا ہی تو بڑا شوخ گستاخ بیہودہ و فرومایہ ہے بس تجہہ کو اپنے افعال شنیع سے توبہ کرنی چاہیئے تاکہ خدا کے آگے تجہے خجالت کے دریا میں ڈوبنا نہ پڑے

(۸) خدا کی راہ میں چال لڑکے کا سا بنانا چاہئے

خدا کی راہ میں بندہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں لڑکا بنائے جب لڑکا پڑہنے میں تقصیر کرتا ہی تو اول لطف و نوازش سے اُسکو سمجہاتے ہیں اُس کے پاس سودا اور مٹہائی لاتے ہیں تاکہ وہ راضی ہو جائے کوئی جفا اُسپر ہنیں کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ اس طرح ہنیں پڑہتا تو پہر اُسکی پیٹہہ ہوتی ہی اور تسمہ کان اینٹہے جاتے ہیں اُستاد سے مزید کے لئے کہا جاتا ہی گوشمالی کی تاکید ہوتی ہی۔ اگر اِس پر بہی ہنیں مانتا تو موش خانہ میں بند کیا جاتا ہی جہاں موش اُسکا گلو کترتے ہیں بس آدمی کو چاہیئے کہ پہلے خدا کی راہ میں اپنے تئیں سمجہائے کہ اُسکی عبادت سے بہشت ملیگی۔ اور اگر یوں نہ مانے تو پہر دوزخ کے موش خانہ سے ڈرانا چاہیئے۔ تجہے چاہیئے کہ انبیا کی کتابوں میں سے کچہہ پڑہا کر تاکہ تیری جہالت دور ہو۔ اِس جہان خراب اور بے ضرر میں جہالت سے بدتر کوئی چیز ہنیں ہے۔

(۹) خدا کی عبادت

عبادت الہی اُسے کہتے ہیں کہ خدا کی عظمت کے آگے اپنی فروتنی اور بندگی کو ظاہر کرے سارا دل اُسکی ہیبت اور سطوت سے بہرا ہو اور تمام ہوائے نفسانی اور دنیا کی محبت خیال سے اور اپنے قصور سے خالی ہو۔ عبادت کے بہی اجزا ایسے ہیں جیسے انسان اعضا رکہتا ہے آدمی کے بعض اعضا ایسے ہیں کہ جنکے

وہ زندہ نہیں رہ سکتا جیسے کہ دل۔ جگر۔ دماغ۔ بعض اعضا ایسے ہیں کہ اُن کے نہ ہونے سے زندگی تو
نہیں جاتی مگر مقصود زندگی فوت ہو جاتے ہیں جیسے آنکھ ہاتھ پاؤں۔ بعض اعضا ایسے کہ جنکے نہ ہونے
سے نہ جان جائے نہ مقصود زندگی فوت ہو مگر خوبصورتی جاتی رہتی ہے جیسے کہ بھویں۔ داڑھی
پلکیں رنگ کی خوبی۔ بعض ایسے ہیں کہ اصل خوبصورتی نہیں جاتی مگر خوبصورتی کا کمال جاتا رہتا ہے
جیسے بھووں کا محدار نہ ہونا۔ داڑھی۔ پلکوں کا سیاہ نہ ہونا اعضا میں تناسب کا نہ ہونا۔ رنگ کا
سرخ و سفید نہ ہونا۔ عبادت کے لئے اعضاء ظاہری کی حرکات ضرور ہیں پس عبادت کا جزو اعظم سجدہ
ہے جو بمنزلہ دل و جگر و دماغ کے ہے سجدہ یہ بتاتا ہے کہ سر جو تمام اعضا میں اونچا ہے وہ نیچے جُھک کر
دل کو عاجزی و فروتنی پر متنبہ کرتا ہے اور اعضاء کی حرکات ظاہری جو تعظیم و آداب کے اظہار کے
لئے ہوتی ہیں وہ بمنزلہ اور اعضاء کے ہیں عبادت کی جان بھی ایسی ہے جیسے انسان کی روح۔ وہ کیا
ہے خضوع و خشوع و حضوری قلب۔ حضوری قلب سے ہماری مراد یہ ہے کہ جس کام کو آدمی کر رہا ہو۔ یا جس
کلام کو بول رہا ہو اُسکے سوا اور دوسری چیز سے دل فارغ ہو۔ پس عبادت میں حضوری قلب سے یہ مطلب ہے
کہ دل سر تا پا اسمیں محو ہو۔ خدا کی یاد۔ اُسکی عظمت و جاہ و جلال بالکل دل کو گھیرے ہوئے ہوں۔ اور اُس سے
اپنے نفس کی حقارت پیدا ہو جس سے خشوع و خضوع پیدا ہو۔ جبتک خدا تعالیٰ کے جلال کی معرفت
نفس کی حقارت کی معرفت نہیں پیدا ہو گی خدا کی تعظیم کی اور اُسکے آگے بندگی کی حالت نہیں پیدا
ہو گی جب تک دل میں یقین نہیں پیدا ہو کہ خدا نے جو وعدہ و وعید کئے ہیں وہ سچے ہیں اور اُن کے موافق
ہمکو عذاب و ثواب ہو گا۔ خدا کے لطف و کرم و رحم کے ایسے بڑے حقوق مجھ پر ہیں کہ میں اپنے نفس کی
برائیوں کے سبب سے اُنکی بجا آوری سے عاجز ہوں۔ اور اُس کی بندگی نہ کرنے سے مجھے کمال شرمندگی
ہے۔ خدا کی عظمت ہیبت اپنے نفس کی حقارت۔ خوف و رجا۔ نفس حیا یہ سب باتیں دل میں جمع نہ ہولیں
خدا کی سچی عبادت نہیں ہو سکتی۔ عبادت تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ ایک سچے خدا کی سچی عبادت۔ دوم
جھوٹی عبادت سوم جھوٹے خدا کی سچی عبادت۔ ہم خدا کی سچی عبادت کا صرف بیان کرتے ہیں
جو بعد پاک ہونے کے ہیں وہ صبح کو جہاں آفتاب سے مصلے انوکا بچھا یا محراب کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور جھکا

چور کی طرح مُنہ چھپا کے خواب میں آرام نہیں کرتے۔ خاک پر سر رکھہ کر سجدہ کا تاج اُسپر رکھتے ہیں بعض عابد عبادت کرتے ہیں مگر اونکا دل عبادت میں ذرا نہیں ہوتا۔ وہ صرف زبان سے الفاظ بڑبڑاتے ہیں اور اعضا سے چند حرکات کرتے ہیں اسکو عبادت کہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ زبان کا ہلانا اور بعض اعضا کو حرکت دینا کیا مشکل بات ہی۔ حضوری قلب سے مافی الضمیر کا اظہار نطق کے ذریعے سے جناب کبریا کے حضور میں ہوتا ہے عبادت سے مقصود خدا تعالی کی حمد و ثنا اور اپنی تضرع و دعا ہوتی ہی۔ اگر دل غافل ہی تو وہ اپنے مخاطب کو جو اللہ تعالی ہی نہیں پہچانے گا اور یہ نہیں سمجھے گا کہ میں اُسکے سامنے کھڑا ہوں۔ عادت کے موافق گو وہ زبان ہلائے گا مگر عبادت کے مقصود سے محروم رہے گا۔ خدا تعالی دل کو دیکھتا ہے کہ وہ میری تعظیم کرتا ہی مجھسے ڈرتا ہی۔ مجھسے توقع رکھتا ہی۔ اپنے گناہوں اور تقصیروں سے نادم ہوتا ہی عبادت کے وقت انہیں باتوں کا دہیان ہو اور اُن سے دل نہ ہٹا ہو۔ جب آدمی عبادت کی نیت کرے تو زبردستی اپنے نفس کو اس بات پر آمادہ کرے کہ اُسوقت میں سوا خدا کے ماسوا کا دہیان نہ کریگا جو زبان سے کہونگا وہ میرے دل میں ہوگا۔ زبان سے جو آدمی کہتا ہی اُسکی تین صورتیں ہیں اول زبان متحرک دل غافل دوم زبان ہلتی ہی اور دل زبان کی پیروی کرتا ہی اور اُسکے الفاظ کو اسطرح سمجھتا اور سنتا ہی گویا دوسرا شخص اُس سے کہہ رہا ہے سوم دل اول معانی کی طرف دوڑتا ہی اور پھر دل کی زبان تابع ہو کر اُن معانی کا ترجمہ الفاظ میں کرتی ہے۔ اِس بات میں بڑا فرق ہی کہ دل کی ترجمان زبان ہو یا دل کی معلم زبان۔ سچی عبادت میں دل کی ترجمان و تابع زبان ہوتی ہی۔ دل اُس کا تابع نہیں ہوتا ہر چیز کا ایک حق ہوتا ہی۔ وعدہ کا حق رجا۔ وعید کا حق خوف۔ امر و نہی کا حق ارادہ مصمم اُسکی تعمیل کا۔ نصیحت کا حق اُسے پند حاصل کرنے کا۔ احسان کا حق اُسکے شکر بجا لانے کا۔ ان سب حقوق کا ادا کرنا عبادت ہے۔ اصل عبادت دل کی خشوع کا نام ہی۔ کیونکہ خشوع ایمان کا نتیجہ و ثمرہ ہی۔ اسکو یقین ہی کہ خدا تعالی بندہ کے حال پر مطلع ہی بندہ خدا کی عظمت اور اپنی ذلت کو پہچانتا ہی۔

انسان کا دل راعی ہی اور اعضا رعیت ہیں۔ راعی اور رعیت دونو کی درستی ساتھہ ہوتی ہی۔ ہر کام انکے دل کی مناسبت سے ہوتا ہی پس جنکی طبیعت فکر عبادت سے مناسبت رکھتی ہی وہ اسطرح حق عبادت ادا

کرتے ہیں دل کے ساتھہ اعضا ہی عبادت میں مصروف ہوتے ہیں جن کا دل مجلا ہوتا ہی اُن میں عبادت کا پرتو پورا پڑتا ہی جنکے دل پر میل کی تہیں جم رہی ہیں اُن میں کوئی ہدایت کا پرتو نہیں پڑتا۔ کچھہ اُس منعم حقیقی کی طرف سے بخل نہیں ہوتا۔ یہ بھی یاد رکہو کہ عبادت الہی کا حال ور دُنیا کی چیزوں کا سا نہیں ہی کہ اُن کی تکرار اور مداومت اور واقفیت سے دل پر اُس کا اثر اُتر جائے۔ بلکہ عبادت جتنی دفعہ اور جتنی مدت تک زیادہ کی جاتی ہی۔ اس کا اثر دل پر زیادہ ہوتا جاتا ہی۔ دل پر انوار الہی کی تجلی بڑہتی جاتی ہے انتظام عالم کے اسرار کہلتے جاتے ہیں مخلوقات کے عقدے حل ہوتے جاتے ہیں ہر شی میں پروردگار کی قدرت وحکمت زیادہ سمجھہ میں آتی جاتی ہی۔ کچھہ اور ہی عالم اُن کی نظروں میں سما جاتا ہی۔ وہی وہ ہر طرف نظر آتا ہے۔ جیسے کہ سمندر میں پانی کی لہریں اُٹھتی ہیں خدا پرستوں کی دل میں خدا کے ستائش کا جوش اُٹھتا ہی جیسے کہ سورج کی ان گنت کرنیں زمین پر پڑتی ہیں ایسے ہی اُنکے دلوں میں خدا کی حمد وثنا کے نور کی کرنوں کا ہجوم ہوتا ہی۔ خدا کے جلال وجمال پر جو نقاب پڑا ہی اُس کا اُٹھانا اُن عارفانِ کامل ہی کا کام ہے

(۱۰) خدا جسے رکہے اُسے کون چکہے

آدمی مُنہ میں نوالہ کہتا ہی اور اُس میں سے ثابت گندم نکال کر الگ کہتا ہی۔ اس گیہوں کے دانہ کو نہ ٹڈی نے کہایا نہ مرغ نے چُگا نہ چکی نے پیسا نہ توے اور تنور کی گرمی نے اُسپر اثر کیا پس اسی طرح جسکی جان ومال وآبرو کو خدا لتعالی بچاتا ہے۔ اُسپر کوئی آفت نہیں لا سکتا۔ وہ اُس دانہ کی طرح بچا رہتا ہے

(۱۱) خدا لتعالی کی معرفت

انسان بجز اپنے نفس اور اپنی ایسی صفات کے جو اُسکو اُس وقت حاصل ہوں اور چیز کا ادراک نہیں کر سکتا یا کوئی صفت جو اُسکو پہلے حاصل تھی۔ اُسکے قیاس سے دوسری چیز کو سمجھتا ہی پہر کبھی اس بات کو نہ سمجھے کہ میری صفت اور دوسرے کی صفت میں شرف وکمال کی رو سے فرق ہی مثلاً آدمی کی طاقت میں صرف اتنی بات ہی کہ خدا لتعالی کے لئے وہ باتیں ثابت کرے جو کہ اُس میں خود موجود ہیں یعنے فعل وعلم وقدرت وارادہ وغیرہ وہ اس بات کی تصدیق کر سکتا ہی کہ خدا میں یہ صفات کامل تر اور اشرف ہیں غرض انسان کی بڑی دوڑ یہی ہی کہ اپنی صفات کے گرد پہرا کرے اور جس بزرگی اور جلال کے ساتھہ خدا لتعالی

خاص ہے۔ اُس تک رسائی نہ ہو۔ اسی لئے حقیقت کے ساتھہ خدا تعالیٰ کو خود اُسکی اپنی ذات پاک جانتی ہے۔ انسان اُسکی معرفت سے عاجز ہے۔ خدا کی ہزاروں صفات سے انسان جاہل ہے۔ وہ تو اُسکی انہیں صفتوں کو جان سکتا ہے جو اُس میں خود ہیں۔ اسی لئے خدا کی بڑی معرفت یہی ہے کہ انسان یہ کہے کہ میں اُس کو نہیں پہچان سکتا۔

(۱۲) خدا سے ارادت

دنیا میں وہم وخیال نے جال پھیلا رکھا ہے تو اُس کے اندر عادتوں کے پھندوں میں پھنسا ہوا ہے جو منشور سعادت حق نے تجھے دیا ہے اُسکے خلاف تو نے اپنی عادت کر رکھی ہے۔ آنکھیں تجھے اس لئے دی گئی ہیں کہ تو صنائع کو دیکھہ صانع کو پہچان مگر اُن سے تو معشوق رعنا کا انتظار دیکھتا ہے اور اُن کی زلف ورخسار کا تماشا کرتا ہے۔ کان اسلئے دئے گئے تھے کہ تو احکام یزدانی سن مگر تو نے اُن کو ایک روزن بنا رکھا ہے کہ جس میں چنگ و نَے کی آوازیں اور غزل و ٹپّے کی تانیں آتی ہیں۔ ہاتھہ اسلئے دئے گئے تھے کہ کسب حلال بے رنج وملال تو حاصل کر مگر تو اُسمیں شراب کا پیالہ لئے بیٹھا ہے جو تیرے ہاتھہ پر آبلہ معلوم ہوتا ہے۔ پاؤں اسلئے دئے تھے کہ اہل صفا کے ساتھہ راہ وفا میں چل تو آفات اور خرافات کی راہ میں چلنے لگا۔ لب دنداں وزبان و قوت نطق وبیان اسلئے دئے گئے تھے کہ صدق وصواب کے باب میں متکلم ہو کر لوگوں سے خطاب کرے مگر تو سخن سنج اسطرح ہوتا ہے کہ خلق کو رنج پہونچتا ہے۔ یہ سب عادتیں تیری بد ہیں خرد کے موافق نہیں۔ تو ان عادات کے پردہ کو اٹھا دے اور وہ خو اختیار کر جس سے سعادت حاصل ہو۔ خدا کے ساتھہ رشتۂ ارادت مستحکم ہو۔

(۱۳) خدا کی تعریف اور توحید

خدا وہ قادر مطلق وصانع برحق ہے جسکے قبضۂ قدرت میں از فرش تا عرش مرکز زمین سے لیکر خیط فلک تک ساری چیزیں ہیں۔ اُسنے ہزاروں عجائب وغرائب اشیا سے آسمان اور زمین کو آراستہ کیا اور ایک ایک ذرہ میں اپنی قدرت کو ظاہر کیا۔ کوئی ذرہ آسمان وزمین میں ایسا نہیں کہ جو اُسکی قدرت کاملہ پر شہادت نہ دیتا ہو۔ کوئی برگ درخت نہیں جو اُسکی حکمت بالغہ پر دلالت

ذکر تا ہو۔ کوئی دانہ زمین سے نہیں اُگتا کہ اپنے بونے والے کی توحید پر ہزار زبان سے اقرار نہ کرتا ہو اور اپنے اُگانے والے کی قدرت پر ہزار طرح سے شہادت نہ دیتا ہو۔ ہر درخت کا پتا اُسکی وحدانیت کا مُقِر ہے۔ جس ورق پر غور کیجیے اُسکی معرفت کا دفتر ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

پھول کی نزاکت اور نکہت میں کانٹے کی خلش میں کھیت کے دانہ میں۔ ریت کے ذرہ میں جھاڑ جھنکاڑ چمن خزاں و بہار میں صانع قدرت کی ایک قلمکاری ہے۔ اجرام فلکی کی جنبش و آرام کو دیکھو کہ اُنکی شکل و ترتیب اور سیر ایک ہی حال پر رہتی ہے۔ کوئی اپنی صورت میں نہیں بدلتا۔ کوئی اپنی گردش کو نہیں چھوڑتا۔ سب اُن کے دوائر مدار ہیں وضع۔ سلک عناصر منتظم باہم سب ایک صفت و آئین پر جو زیر ہے وہ زیر جو بالا ہے وہ بالا۔ اور شام و سحر و سال و ماہ و اپنی گردش آمد و شد ایک ہی قاعدہ کے موافق کرتے ہیں۔ ہر سال میں وہی فصلیں جاڑے گرمی برسات کی پیدا کرتے ہیں۔ موالید ثلاثہ (حیوانات نباتات جمادات) سے سارا جہان بھرا پڑا ہے۔ جو اُنکی انواع نہاں خانہ ابداع سے ظہور میں آئے وہ کم و بیش نہیں ہوتیں۔ پس جس کارگاہ کا یہ نظم و نسق ہو وہ ایک ہی کارگزار کا کام ہے۔ دو کشور دو بادشاہوں کے آباد نہیں ہوتی۔ نہ طفل دو دایہ سے پلتا ہے۔ نہ سپاہ ہر دو سپہ سالار حکومت کر سکتے ہیں نہ ایک مریض کو دو طبیب اچھا کر سکتے ہیں۔ کیسے اہرمن و یزدان اس دُنیا کا کام چلا سکتے ہیں۔ انسان کہتا ہے کہ میرا دل معرفت الٰہی کو ہر توحید سے بھرا ہے۔ اور میری کان توحید سے پر ہیں مگر یہ زبانی لاف ہے۔ اُسپر عمل نہیں جو نتیجہ فکر سے ترتیب پاتے ہوں صورت حال اُسکی تکذیب کرتی ہے جس بات کو اپنی گفتگو سے فروغ دیتے ہو تمہارا حال اُسکو مطعون یا دروغ کر دیتا ہے۔ یہ راستی و درستی روی نہیں ہے جیسا راستا کہو ویسا کرو۔ غرض آدمی نے اپنی ہوا و نفسانی کے ہزاروں بت بنا رکھے ہیں انہیں توڑو اور خدا کی توحید کو اختیار کرو۔

۱۴) یقین کے معنی اور خدا پر یقین ہونے کے نتیجے

نفس جو کسی چیز کی تصدیق کرتا ہے اُسکے چار مقامات ہیں ایک یہ کہ تصدیق و تکذیب برابر ہوں اُسکو شک کہتے ہیں۔ دوم نفس دونوں باتوں میں سے ایک طرف مائل ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ دوسری بات بھی ہوسکتی ہے۔ مگر اُسکا ہوسکنا ایسا ہی کہ وہ اول کی ترجیح کا مانع نہیں اُسکو ظن کہتے ہیں۔ سوم نفس کسی چیز کی تصدیق کی طرف اس طرح مائل ہوجائے کہ وہ تصدیق نفس پر چھاجاوے کہ اس کا خلاف دل میں نہ گذرے اور اگر گذرے تو نفس اُس کے قبول کرنے سے انکار کرے۔ مگر یہ تصدیق معرفت واقعی کے ساتھ نہو اور نفس میں گنجائش شبہ کے ممکن ہونے کی ہو۔ تو اُسے اعتقاد قریب یقین کے کہتے ہیں جیسا کہ عوام کا اعتقاد مذہب کی طرف ہوتا ہے کہ وہ صرف سننے سے اُن کے دلوں میں جم جاتا ہے۔ یہانتک کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اور اپنے مرشد و پیشوا کو جانتا ہے کہ وہی ٹھیک کہتے ہیں۔ اگر کوئی اُنکے سامنے کہے کہ تمہارے پیشوا سے خطا بھی ہوسکتی ہے۔ تو اس بات کو قبول نہ کرینگے۔ چوتھی تصدیق معرفت حقیقی سے ہوتی ہے جو دلیل سے حاصل ہوتی ہے کہ جسمیں نہ خود شک ہو نہ دوسرے کا شک میں ڈالنا متصور ہو تو جب اُس میں شک کا ہونا اور نہ ہوسکنا دونوں نہ ہوویں تو وہ یقین کہلاتا ہے مثلاً ایک سے زیادہ دو ہیں۔ جب آدمی کو خدا کی صفات پر یقین ہوگا تو ہر صفت کے یقین سے وہ اپنی حرکات و سکنات میں بُرائی سے بچنے میں مبالغہ کریگا۔ اور جسقدر یہ یقین غالب ہوگا اسقدر گناہوں سے احتراز اور طاعات کے لئے زیادہ تر تیار ہوگا جب آدمی کو یہ یقین ہو کہ میرا خدا رزاق ہے تو طلب رزق جائز طور پر کریگا۔ کوئی چیز اُس سے فوت ہوجائے گی تو اُس کا افسوس نہیں کریگا۔ حرص و آز کا دامن دراز نہیں ہونے دیگا۔ اگر انسان کو یہ یقین ہوجائے کہ خدا منصف ہے تو وہ یہ جانیگا کہ طاعات کو ثواب سے ایسی نسبت ہے جیسے کہ پیٹ کو روٹی سے اور گناہوں سے عذاب کو ایسی نسبت ہے جیسے کہ زہروں اور سانپوں کو ہلاکت سے پس جیسے شکم سیر کرنے کے لئے روٹی کا حریص ہوتا ہے۔ اور تھوڑی بہت جتنی ملتی ہے اُسکی حفاظت کرتا ہے اسی طرح وہ طاعتوں کا حریص ہوگا اور تھوڑی بہت بجالانے کا مشتاق جس طرح قلیل و کثیر زہر سے

اجتناب کرتا ہے اسی طرح ادنی اور اعلی گناہوں سے پرہیز کرے گا جب خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین ہوگا۔ تو جانے گا کہ وہ میرے ہر حال پر مطلع ہے۔ دل کے وسوسوں و خفیہ خطروں اور فکروں سے واقف ہے تو وہ سب اپنے کاموں کو تنہائی میں بھی ادب سے کریگا جیسے کوئی شخص کسی بڑے بادشاہ کی نظروں کے سامنے بیٹھا ہو کہ ہر وقت گردن جھکائے۔ اپنے سب افعال میں ادب کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور ہر حرکت سے جو مخالف ادب کے ہو احتراز کرتا ہے۔ پس اس طرح جب یہ یقین ہے کہ اللہ تعالی میرے باطن پر ایسا مطلع ہے جیسے کہ خلق کے لوگ میرے ظاہری کاموں پر تو وہ ظاہر سے زیادہ اپنے باطن کی صفائی و زینت و پاکی میں اہتمام کریگا کیونکہ جانتا ہے کہ وہ خدا تعالی کے روبرو ہے۔ ظاہر کی بناؤ سنگار کو تو خلق کے روبرو جانتا ہے۔ پس اس یقین سے حیا، خوف، انکسار، ذلت، مسکنت، خضوع اور بعض اور عمدہ اخلاق پیدا ہونگے۔ اور یہ اخلاق خدا کی طاعات کا سبب ہونگے۔ یہ یقین بمنزلہ درخت کے ہے۔ اور یہ اخلاق اسکی شاخیں ہیں جو اس سے نکلتی ہیں۔ اور اعمال و طاعات جو اخلاق سے صادر ہوتے ہیں وہ بمنزلہ پھلوں اور کلیوں کے ہیں کہ شاخوں سے نکلتی ہیں۔ غرض یقین اساس ہے جس پر طاعات اور نیک اخلاق کا محل تعمیر ہوتا ہے۔ جب آدمی کو یقین ہو کہ یہ چاند سورج ستارے۔ جمادات حیوانات۔ نباتات اور تمام مخلوقات خدا کے امر کی ایسی مسخر ہیں جیسے کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم اسی کی قدرت ساری چیزوں کی مصدر ہے تو اسکے دل میں اس قدرت کے سبب سے کیوں نہ توکل۔ رضا۔ تسلیم کا غلبہ ہوگا۔ اور غفلت۔ کینہ۔ حسد۔ بد خلقی یہ سب اس کے دل سے بھاگ جائینگے۔

(۱۵) تضرع و زاری بدرگاہ جناب باری

اے خدا تو سب نیازمندوں کی جان ہے۔ آرزومندوں کا آرزو بخش ہے۔ تو ہی میرے کاموں کو نیک بناتا ہے مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان ہے۔ تیری رحمت و نعمت بے انتہا ہے۔ تو مجھے اپنا دین دے اور اپنی رضا سے قرین کر۔ میرا دل ایسا بنا دے کہ دین کی یاد پاک کیا کروں۔ یہ میری سرشت جو باد و خاک سے ہے اس کو آگ لگا دے۔ تو گناہ کا بخشنے والا اور دولت کا دینے والا ہے میں لغزندہ اور افتادہ ہوں۔

میں تیرے خشم و خشنودی کے آگے عاجز ہوں میرا دل گمراہ ہو گیا ہے۔ وہ تیری کارسازی پر نازاں نہیں ہوتا
میری آنکھیں گناہ جو کی کرتی ہیں وہ تیری بے نیازی سے خوف نہیں کرتیں تو جس کھانے کو منع کرتا ہے
وہ میں کھاتا ہوں تو جس کام کو منع کرتا ہے وہ میں کرتا ہوں تو مجھے بدی سے پاک کر۔ ہلاک سے نجات دے
تیرے قبول کرنے سے میری بدی بھی نیکی ہو جائے گی۔ تیری گرفت سے میری نیکی بھی بدی ہو جائے گی
میں تو بد کرنے سے بدکار ہوں۔ مگر تجھ کو میرے ساتھ نیکی سزاوار ہے۔ کوئی تیری عنایت بغیر زندہ نہیں رہ
سکتا۔ کوئی تیرے بغیر رعایت کے زیست نہیں کر سکتا۔ تو ہی دین دیتا ہے۔ تو ہی یقین دیتا ہے۔ اے سب
امیدواروں کی امید تو ہے وہ چیز دے جو تیرے نزدیک ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہماری امید ساری تیری
رحمت پر ہے۔ جان اور روزی ہماری تیری نعمت سے ہے جو کچھ تیری قضا نے میرے لیے لکھا ہے وہ خوب
ہے زشت نہیں ہے۔ تیرے سوا کوئی مجھ کو نہیں چھپا سکتا۔ تو میری سیرت کو اشرار کی صحبت سے بچا۔ تیرے
خوف سے بہشت بھی دوزخ بن جاتی ہے جو تیرے حکم کے خلاف کرتا ہے وہ اپنے دل پر غفلت کا غلاف چڑھاتا ہے
تو مجھے دل سے تیری دلیری دیکھ تو مجھے اپنا ردیہ بتا ہے میری شیری دیکھ اپنے تیر دل میرے سرکش
کو بھر دے۔ پھر دیکھ لے کہ کوہ قاف کی کمر توڑتا ہوں۔ جو خود بیں ہے وہ خدا بیں نہیں ہو سکتا جو مرد دین
بننا چاہتا ہے اسکو خود بینی سے دور ہونا چاہیے۔ اے خدا تو اپنا درد میرا مقصد بنا تیرے ہی حضرت میں
سب کی بازگشت ہے خواہ وہ عاصی ہو یا عالم ہو محکوم ہو یا حاکم ہو۔ تیرے ہی راستے سے سب پیدا
ہوتے ہیں آدمی تو خیر و شر سے غافل ہے جو کچھ ہوا ہے اور جو کچھ ہو گا وہ تیرا ہی حکم ہے جو آنکھ تیرے
نور سے روشن ہوئی وہ آفتاب کو بھی تیرے نور کے سامنے تاریک دیکھتی ہے جس کو تیری درگاہ کا
شوق پیدا ہوا اُس سے بغض و حقد دور ہوا غضب حقد خشم و صلح و حسد سے تیری ذات احد دور ہے
بندوں پر تیری رحمت ہی رحمت ہے۔ انسان ہی تیری دُرّ توحید کا صدف ہے جو اُس موتی کو کھوتا ہے وہ
مفلس ہوتا ہے جو اُس موتی کو حفاظت رکھتا ہے وہ ایسا مشہور بنتا ہے کہ اسکو خلق سے زیان نہیں پہنچتا
ہے۔ وہی زمانہ میں سرافراز ہوتا ہے قضاء ازل کا باز بنتا ہے۔ کوئی شخص بے ریاضت کے مقصود کو نہیں پاتا
ہے جب تک کوئی جلاتا نہیں بید و عود برابر ہیں جب جنگل سے باز کو صید کرتے ہیں اُسکی گردن اوپر

پاؤں کو قید کرتے ہیں آنکھوں پر ٹوپی چڑھاتے ہیں پھر اسکو شکار کرنا سکھلاتے ہیں وہ تھوڑے سے طعمہ پر راضی ہوتا ہے اور اپنا طعمہ ماضی بھول جاتا ہے جب اس طرح کی ریاضت کرتا ہے تو بادشاہوں کے ہاتھوں پر بیٹھتا ہے۔ اگر یہ ریاضت نکرتا تو وحشی رہتا۔ جو کوئی اوسکو دیکھتا آگے سے بھگاتا۔ بس اگر تجھہ کو ناز کرنا منظور ہے تو ریاضت کر۔

(١٤) خدا نے بندے کو کرنے یا نکرنے کا اختیار دیا ہے

بندے کو کرنے یا نکرنے کا اختیار ہے۔ مگر یہ اختیار خدا کا پیدا کیا ہوا اور دیا ہوا ہے۔ اسلئے انسان اُس میں مجبور ہے مثلاً خدا تعالی نے آدمی کا ہاتھ صحیح وسالم پیدا کیا اور لذیذ کھانے کو پیدا کیا۔ اور معدے میں خواہش کھانے کی پیدا کی اور دل میں واقفیت پیدا کی کہ اُس کھانے سے خواہش کو تسکین ہوگی اور یہ تردد پیدا کیا کہ باوجود تسکین خواہش کے اُس کھانے میں کچھہ ضرر ہے یا نہیں اور اُسکے مقابل یہ تردد پیدا کیا کہ اُس کھانے کے ساتھہ کوئی ایسا امر مانع ہے یا نہیں جس سے غذا کا کھانا معذور ہے پھر یہ علم پیدا کیا کہ کوئی مانع نہیں پس جب اتنے اسباب جمع ہوگئے تو ارادہ کھانے کا پکا ہوتا ہے یہی ارادہ پکنا بعد اِن ترددات کے اور بعد غلبہ خواہش کے اختیار کہلاتا ہے اور جب اُسکے سبب پورے ہوجاتے ہیں تو وہ بھی ضرور ہی موجود ہوتا ہے مثلاً جب خدا تعالی کے پیدا کرنے سے ارادے میں پختگی آتی اُسوقت ہاتھہ کھانے کی طرف ضرور بڑھتا ہے کیونکہ بعد تمام ہونے ارادہ اور قدرت کے فعل کا بروئے کار آنا ضروری ہے۔ اسلئے ہاتھہ کو حرکت ہوتی ہے تو جب حصول قدرت اور پختگی ارادہ خدا کے پیدا کرنے سے ہیں۔ تو ہاتھہ کی حرکت بھی اُسی کی مخلوق ہوئی۔ اور پختگی ارادہ جب ہوتی ہے کہ اول خواہش صحیح اور موانع کے نہ ہونے کا علم ہوچکے۔ اور یہ دونوں بھی خدا کی مخلوق ہیں لیکن ان مخلوقات میں ایک ترتیب خاص خداوند کریم نے رکھہ دی ہے کہ خلق میں ایسی ترتیب و عادت کے موافق ہمیشہ انتظام رہتا ہے مثلاً ہاتھہ میں حرکت لکھنے کے لئے نہیں پیدا کرتا جب تک کہ اِس میں قدرت حیات اور ارادہ مصمم نہیں پیدا کرتا۔ اور ارادہ مصمم نہیں پیدا ہوتا جبتک کہ خواہش اور رغبت نفس میں نہیں پیدا کرتا۔ اور یہ رغبت جب تک خوب نہیں اُٹھتی جب تک اِس بات کا علم نہیں پیدا کردیتا کہ لکھنا نفس کے موافق ہے

اور علم کو بھی جو پیدا کرتا ہی تو اور سببے پیدا کرتا ہی جنکا مآل حرکت اور ارادہ اور علم پر آ رہتا ہی غرض
کہ علم اور خواہش طبع کے بعد پکا ارادہ ہوتا ہی۔ اور قدرت اور ارادہ کے بعد حرکت واقع ہوتی ہی
اور ہر فعل میں اسی طرح کی ترتیب ہی۔ اور یہ سب چیزیں خدا کی پیدائش کی ہیں لیکن بعض مخلوقات
بعض کے واسطے شرط ہیں اسلئے بعض کا مقدم ہونا اور بعض کا موخر ہونا واجب ہے مثلاً ارادہ بعد علم
ہی کے پیدا ہوتا ہے اور علم بعد حیات کے۔ اور حیات بعد جسم کے تو جسم کی پیدائش شرط ہے حدوث
حیات کے لیئے نہ یہ کہ حیات جسم میں سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حیات کی پیدائش شرط ہے علم کی پیدائش
کے لیئے۔ نہ یہ کہ علم حیات سے نکلتا ہی بلکہ محل قبول استعداد جب ہوتی ہی جب وہ زندہ ہو۔ اسطرح
علم کی پیدائش شرط ہے پختگی ارادہ کی نہ یہ کہ علم سے پختگی ارادہ نکلتی ہے بلکہ ارادہ کو وہی جسم
قبول کرتا ہے جو زندہ اور قائم ہو۔ غرض کہ ممکن کے سوا کوئی چیز وجود بنیادی میں داخل
نہیں ہوتی۔ اور امکان میں ایسی ترتیب ہی جسمیں تبدیل نہیں ہوتی اسواسطے کہ اسکی تبدیل محال
ہے۔ پس کسی وصف کی شرط پائی جاتی ہی۔ اس شرط کے سبب سے محل میں لیاقت وصف کے قبول
کرنے کی ہو جاتی ہی۔ پھر وہ وصف خدا کی عنایت اور قدرت ازلی سے لیاقت آجانے کے بعد
موجود ہو جاتی ہی۔ اور چونکہ شرطوں کے سبب سے لیاقت میں ترتیب ہوتی ہی۔ تو خدا تعالی کے کرنے
سے ممکنات کے موجود ہونے میں بھی ترتیب ہوگی اور بندہ ان ترتیب ممکنات اور حوادث کے لیئے
محل ہے اور یہ حوادث قضاء الہی میں ترتیب کلی سے مرتب ہیں جنمیں تبدیل نہیں ہوتی اُن کا
ظہور تفصیل وار متعلق علم و اندازہ الہی کے ہے کہ اُس سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۱۷) خدا کی حکمت سے انسان کی غفلت

ایک احمق نے اونٹ سے پوچھا کہ تیری کوئی کل سیدھی نہیں۔ اونٹ نے جواب دیا کہ چپ لگا۔ میری
صورت کو عیب لگا۔ تو میری کجی پر نگاہ نہ کر۔ مجھہ سے راہ راست چلنی سیکھہ پھر یہ ساری کجی میں خدا تعالی
نے اسی رکھی ہی۔ صورت میں عیب بتانا مصور کو عیب لگاتا ہی۔ تو نہیں جانتا کہ گوش خر اُسکے سر کے
در خور خدا نے بنائے ہیں جو کچھہ خدا تعالی نے بنایا ہی اُسمیں عیب نکالو۔ ساری بد و نیک میں سمع اور اس کی

نیکی کے نہ سمجہو۔ عاقلون کے نزدیک جو زشت و نیک ہی وہ بہت ہی نیک ہی۔ خدا کی شان سے یہی نہین کہ وہ
بد بنائے۔ خواہ کیسی ہی کوئی چیز زشت تم کو معلوم ہو مگر اُسکو سمجہو کہ خدا نے اُسکو نیک ہی بنایا ہے
جسم کو رنج و راحت دونو ہوتے ہین روح کو راحت گنج معلوم ہوتی ہی جسکے سر پر شکنج کا مار بیٹہا ہی
جسکی سرکوبی کے واسطے خرد کے ہاتھہ پاؤں برابر موجود ہین ایسا ہی حال ایک احول لڑکے کا
سنو کہ اُسنے باپ سے کہا کہ مین نے سُنا ہی کہ احول ایک کے دو دیکہتا ہی۔ مگر مجھے تو کوئی چیز زیادہ نہین
دکہائی دیتی۔ آسمان پر دو چاند ہین وہ چار مجھے نظر نہین آتے۔ یہ غلط مشہور ہی کہ احول طاق کو
جفت دیکہتا ہی۔ بس یہی حال کج بینی کا دین کے طریق مین ہے۔ وہ ایسی ہی حجتین نکالتے ہین
جیسے کہ اونٹ کے باب مین اوپر بیان ہوئین جو صاحب عقل ہین وہ خدا تعالی کی صنعت کے خلل کو
اپنا قبلہ بناتے ہین اُسکو بے بدل جانتے ہین اُن کی روح کو خرد سے شرف دیا ہی جب اُنکی دعا
اجابت نہین ہوتی تو اُسکو جانتے ہین کہ خدا کی حکمت اُسکی مانع ہے۔ جیسے کہ طبیب گل خوار کو جسکا
دل گل کہانے کو بہت چاہتا ہی۔ اس سبب سے گل نہین دیتا کہ وہ اُسکی عمر کو گہٹائے گی اسی طرح
ہماری دعاؤں کو خدا نہین قبول کرتا کہ وہ ہمارے حق مین مضر ہونگین وہ ہر انسان کو ہر چیز دیتا
ہے جو اُسکی حکمت اور داد کے نزدیک مناسب ہوتی ہی۔ غرض جو کچہہ ہوتا ہی وہ اسکی حکمت مقدر
کرتی ہی مگر ہماری عقل پوسیدہ اُنکو بے سبب حکمت جانتی ہی۔ خدا کی حکمت دیکہو کہ اگر ہاتہی کے
پوست کو پشہ کاٹتا ہی تو اُسکے اُڑانے کے سامان بہی خدا نے ہاتہی کو دیا ہی۔ اگر جوئین آدمی کے
بدن مین پڑین تو اُن کے مارنے کے لئے ناخن بہی موجود ہین اگر پہاڑ مین سانپ بہت ہو جائین
تو اُنکے مارنے کے لئے تیہو بہی ہین اور اُن کے علاج کے لئے تریاک بہی پہاڑ مین بہت ہی۔ بچہو کے لئے
کفش و نعل موجود ہین۔ اگر دُنیا مین درد فراوان ہین تو اُن مین سے ہر ایک کے لئے درمان ہے
معدہ و شریان سے جگر و دل نے تن مین آب و ہوا روان کی تا کہ جسم مین ایک کی جنبش سے دوسرے
کے سکون سے بذریعہ خوش جان باقی رہی۔ انسان نے زشت و خوب نام رکہہ چہوڑے ہین ورنہ
خدا نے تو کوئی بُری چیز بنائی نہین اُس کی شان سے نہین ہے کہ کوئی بدی اُس سے وجود مین آئے

تو اُسکے زہر کو بھی نوش جان - اُسکے قہر کو بھی لطف سمجھہ - تا اگر مٹھائی دے تو مہربانی سمجھہ اگر تجھے لگائے تو اُسکی محبت سمجھہ - تو نہیں دیکھتا کہ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہی تو دایہ کبھی اُسکو گہوارہ میں جھلاتی ہے - کبھی اپنی بغل میں گود میں لیتی ہے - کبھی اُسپر سختی کرتی ہے کبھی نرمی - کبھی اپنے سے دور لٹا دیتی ہے کبھی اُسکے رخساروں پر بوسہ دیتی ہے - اُسکے بوجھہ کو لئے پھرتی ہی - کبھی اُس کو مارتی دہاڑتی ہی غصہ ہوتی ہی - مرد بیگانہ یہ دیکھہ کر دایہ پر غصہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ کے ساتھہ بے التفاتی کرتی ہی - مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ دایہ اُسپر سراسر مہربانی کرتی ہے اور کوئی کام اُسکے ساتھہ نہیں کرتی جسمیں شفقت و محبت نہیں ہوتی - بس یہی حال ہمارے کردگار کا ہمارے ساتھہ ہی کہ جو ہمارے لئے مناسب جانتا ہی وہ روزی دیتا ہی کبھی محرومی ہے کبھی بیروزی - کبھی سر پر موتیوں کا تاج رکھتا ہی - کبھی کوڑی کو محتاج کرتا ہی - خدا نے جب آفاق پیدا کیا ہی تو اُس میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی کہ جسپر بد کا اطلاق ہو ایک کے واسطے زہر کو غذا بناتا ہی دوسرے کے واسطے مرگ - خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا جو کچھہ تیرے واسطے خدا کرے اُسکو یہہ سمجھہ کہ میرے حق میں یہی بہتر تھا - تو حق کا فرمانبردار رہ تجھے جو اپنی مصیبت میں نعمت نظر نہیں آتی تو اُس کا سبب یہ ہے تیری عقل اندھی ہے + خدا ہی کو حکم و حکمت سزاوار ہی - وہی بے نیاز ہی تو اُس کا نیازمند بن - وہی پاسدار ہی تو اُس کا سپاس گزار ہو وہ تیرا داعی ہی مگر تو گرگ پسند ہی - وہ تیرا داعی ہی تو اُس کا حاجتمند ہو +

(۱۸) رضا و تسلیم الٰہی

جان شریعت کے لئے جو حکم خدا دیتا ہی اُس میں صنع لطیف ہوتی ہے - جو سمجھدار ہیں وہ اس بات کو سمجھے ہیں جو خدا کرتا ہی وہ خیر ہی ہوتی ہی - جو ادیب گوشمال دیتا ہی وہ ہی تاج سر ہوتی ہے - اگر پہلو میں درد ہو یا بیماری کا رنج یا پاؤں میں کانٹا چبھے - ان سب کو تو کرم اور محض کرم جان - وہ اس تیرے رنج کو ضائع نہیں کرے گا - اگر تو دعا مانگتا ہی اور وہ قبول نہیں ہوتی تو جان لے کہ کوئی حکمت اُسکی مانع اجابت ہی - میں نے اور تو نے نیک و زشت نام رکھہ چھوڑے ہیں خدا تو سوا نیکی کے کچھہ نہیں کرتا - خدائے عز و جل کا سارا عالم ہے - تجھکو اس میں کیا دخل و محل ہے - ایک چیز

سب طرح سے ظاہر میں خوب ہی مگر باطن میں سب طرح معیوب ہے۔ تجھے اُس کی کیا خبر ہے تیری عقل اُس کا ادراک نہیں کر سکتی جو کچھہ خدا کرتا ہی وہ خوب نیک ہی ہوتا ہی۔ خدا کی دانش کے آگے پیدا و نہاں سب یکساں ہی جو دنیا میں سوز و ساز ہیں اُسمیں خدا کے راز ہیں۔ بہت سے شیر تیرے واسطے زبوں ہیں بہت سے درد تیرے واسطے دارو ہیں جو گمراہ ہوتا ہی وہی اُس کی قضا پر آہ کرتا ہے جو قضا پر رضا نہیں رکہتا وہ بجز خدا کو نہیں پہچانتا۔ قضا و قدر کی رُو سے جان کو مست رکہنا چاہیے اُسکے واسطے خدا کے سو شکر بہیجنے چاہئیں خدا کے کسی حکم کو بلا نہیں جاننا چاہیے ہمیشہ عطا و خیر کرتا ہے۔ رافع رنج۔ فاتح گنج کرامات تو تسلیم و رضا کو جان جو تلخی پیش آوے اُسکو دل پر شیریں بنا۔ قضاء الٰہی پر راضی رہنا اپنا آئین ٹہرا جو ریاضت پیش آوے اُس پر راضی رہ۔ اُسی سے روضہ رضوان تجھے ہاتھ آئیگا۔ اگر سر پر تیرے آرہ ہی چلے تو تو اُسکو شانہ سمجھہ بلکہ دل کا راگ اُسکو افسانہ جان تو گل خنداں کی طرح خرم رہ غنچہ کی طرح درہم برہم نہ ہو۔ دل سے گرہ نے کی طرح کہول دے ہوس سے گرہ پر گرہ نہ لگا۔ خوب جان لے کہ کوئی چیز غیر خدا سے نہیں ظہور میں آتی جو بند و کشاد ہی وہ اُس کی طرف سے سمجھہ۔ اُسکو اپنی عین مراد جان۔ تو دل سے سب طرح خوش ہوگا۔ رنج و غم کم ہوگا۔ بندگی میں آزادی سے زیست ہوگی۔ اندوہ و الم میں بھی شادی ہوگی۔ جسے رنج پسند ہی اُسکو کوئی رنج اور گزند نہیں پہنچتی۔ غرض اقلیم رضا کی طرف گہوڑا دوڑا۔ اور رنج و عنا کی تنگنائی سے باہر نکل +

(۱۹) نکتہ

اے جوانمرد تو اس نکتہ کو یاد رکہہ کہ جو خزانہ تیرے پاس ہو اُسکو خدا کے حوالہ کر دے وہ تجھکو پھر دیدیگا۔ اگر تو اپنے پاس رکہے گا کہو بیٹھے گا۔ سونے کو آگ میں ڈالتے ہیں تو کہوٹ ڈہل جاتی ہی زر صافی نکل آتا ہی۔ اسی طرح جو تیرے پاس ہی وہ اِس آتش آرا کو دیدے جو اُسکو خالص بنا دیگا۔ تیرے خزانہ کے واسطے وہی بہتر خازن ہی +

باب دوم

تہذیب الاخلاق

(۱) تمہید

افسوس ہی کہ اکثر طالب علموں کی یہ عادت پڑگئی ہی کہ جو مضامین پڑہتے ہیں اُن کو سوچتے سمجھتے نہیں
اُن میں اصطلاحات و محاورات و الفاظ جو آتے ہیں اُن کا مفہوم ذہن میں اپنے صحیح صحیح نہیں جماتے
مثلاً عقل و وہم خیال کے الفاظ وہ پڑہینگے تو اُن کے معانی ذہن میں یہہ سمجھینگے ہو کہ عقل چہ گشتی کہ پیش مرد ان
بیاید۔ وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس۔ دُنیا خواب و خیال ہے۔ ظاہر ہی کہ ایسے محاوروں کے معانی سمجھنے
سے وہ ہمارے مضامین سمجھنے کا حق کما حقہ نہیں ادا کر سکتے۔ اس لیے ہم نے اول الفاظ و اصطلاحات
و محاورات کے معانی بالتفصیل لکھدیے ہیں کہ اگر طلبہ اُنکو ذہن میں محفوظ رکھینگے تو مغز سخن کو پہنچینگے

(۲) قلب روح نفس عقل

ان الفاظ کے مختلف معانی زبان کے محاورہ میں مستعمل ہیں جیسے اُن کی باتوں سے میری روح تنگ ہوتی ہے
میری اور اُنکی صفائی قلب نہیں ہے میرا نفس نہیں قبول کرتا کہ میں اُن پاس اپنی التجا لے کر جاؤں عقل
کے ناخن لو۔ ایسے محاوروں میں جو معانی اِن الفاظ کے ہیں وہ ہمارے مضامین میں مقصود نہیں ہیں بلکہ جو
اصل مطلب ہے وہ ہم بیان کرتے ہیں قلب کے دو معنی ہیں ایک یہ گوشت کا ٹکڑا جو سینے کے اندر ہی جس کے
اندر سے خون سارے بدن میں دورہ کرتا ہی۔ اور پھر وہیں آجاتا ہی۔ مگر اس معنی سے ہمکو کام نہیں پڑیگا
قلب کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ قدرت مدرکہ ہی جو حُزن و ملال و انبساط و مسرت کو ادراک کرتی ہے
اِس پیکر خاکی کو قفس اور قلب کو طوطی جانو۔ طوطی و قفس میں ہمیشہ تمیز کرو۔ قلب بادشاہ ہی یہ اُس کا
خرگاہ ہے۔ بادشاہ جدا ہی اور خرگاہ جُدا۔
روح۔ ایک معنی اُسکے بخار لطیف کے ہیں کہ جوف قلب میں نضج پاکر اور وہاں سے بذریعہ شریانوں کے
تمام اعضاء بدن میں پہیلتا ہی۔ اُس کا حال ایسا ہی جیسا کہ گھر میں چراغ کا روشن ہونا جس سے چاروں طرف

مکان میں روشنی پھیلتی ہے۔ اسی کے سبب سے ہمارے تمام اعضا و حواس کام دیتے ہیں اگر وہ نہ ہو تو یہ بدن ہمارا مٹی ہے۔ دوم معنی وہ شی جو انسان کے بدن میں غیر فانی ہے۔

نفس۔ وہ شی انسان میں ہے کہ قوت غضب و شہوت کی جامع ہے یا یہ کہو کہ نفس انسانی بذات خود ادراک کرتا ہے اور بدن محسوس میں بہ توسط قویٰ و آلات کے تدبیر و تصرف کرتا ہے۔ اب اس نفس کی کئی قسمیں ہیں۔

نفس مطمئنہ۔ یہ نفس صفات مختلفہ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے جب شہوات سے مزاحمت کرتے کرتے اس کا اضطراب دور ہو جاتا ہے اور فرمانبردار ہو جاتا ہے تو اُس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

نفس لوامہ۔ مگر جب نفس کو سکون نہیں ہوتا وہ ہمیشہ شہوانی حرکتوں سے رکتا رہتا ہے اور اُس پر ملامت کرتا ہے تو نفس لوامہ کہتے ہیں۔

نفس امارہ۔ جب نفس شہوات کا مطیع و منقاد ہو اُس کو نفس امارہ کہتے ہیں۔

عقل۔ وہ ایک قوت ہے جو حقائق امور کو ادراک کرتی ہے اور علوم کی مدرک ہے اُس کا نام نفس ناطقہ بھی ہے یعنی نفس کی وہ حالت یا ملکہ جو خواہش و لاتا ہے بھلائی اور نفع خیر جنہ کی طرف اور بچاتا ہے شرور اور مضرت کی چیزوں سے یہی قوت ہے جو نظام امور معاش و معاد میں کوشش کرتی ہے اگر وہ مستحسن طور سے عمل کرتی ہے تو وہ عقل معاش و معاد کہلاتی ہے اور ممدوح ہے اگر وہ اپنا عمل امور باطلہ میں کرتی ہے تو مذموم ہے۔ غرض یہ چاروں شے ایسی ہیں کہ اُنکو ذاتاً و فعلاً مادہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور اُن میں صفت ادراک مشترک ہے۔

(۳) تہذیب اخلاق و حواس ظاہری و باطنی

(۱) ہر علم کا موضوع ہوتا ہے کہ جس سے اُس علم میں بحث ہوتی ہے۔ اب تہذیب اخلاق ایک علم ہے کہ جس کا موضوع نفس انسانی ہے۔ اس میں اُسی سے بحث ہوتی ہے کہ نفس انسانی کیونکر ایسے خلق کو اکتساب کرے کہ تمام افعال اُس کے جو ارادہ سے صادر ہوں۔ وہ نیک و محمود و جمیل ہوں۔ نفس انسانی سے بہتیرے بھلے افعال صادر ہو سکتے ہیں۔

(ب) حواس ظاہری و باطنی

نفس انسانی جو ادراک کرتا ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک حواس ظاہری۔ باصرہ۔ سامعہ۔ شامہ۔ ذائقہ لامسہ سے۔ دوم حواس باطنی سے جو یہ پانچ بہ تفصیل ذیل ہیں۔

حس مشترک۔ خیال۔ فکر۔ یا قوت متخیلہ یا متفکرہ۔ وہم۔ ذکر (حافظہ) اول حس مشترک یہ کام کرتی ہے جو شئی حواس ظاہری سے محسوس ہوتی ہے وہ اسکو لے لیتی ہے۔ دوم خیال۔ یہ حس مشترک کا خزانہ ہے یعنی جو صورتیں حس مشترک لے لیتی ہے انکو خیال میں رکھ دیتی۔ سوم فکر یا قوت متخیلہ یا متفکرہ اسکا کام ہے کہ جو صورتیں خیال میں جمع ہوں انکو کبھی باہم مرکب کرتی ہے اور کبھی ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے کبھی آدمی کے دس سر بنا کے راون بنا دیتی ہے کبھی بن سر کا کرکے غول بیابانی۔ چہارم حس وہم۔ اسکا کام یہ ہے کہ خاص صورتوں میں خاص معنی دریافت کرتی ہے جیسے کہ بھیڑئے کی عداوت بکری سے پنجم ذکر جسکو حافظہ بھی کہتے ہیں وہ وہم کا خزانہ ہے جیسے خیال حس مشترک کا خزانہ ہے۔

(۴) خوش خلقی و بد خلقی کی حقیقت

خوش خلقی و بد خلقی کے بیان کرنے میں اکثر اسکی حقیقت نہیں بیان کرتے بلکہ اسکے ثمرات اور نتیجے بیان کرتے ہیں مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص بڑا خوش خلق ہے اسلئے کہ وہ کشادہ پیشانی رہتا ہے۔ اپنی دولت بہت دیتا ہے۔ کسی کو ایذا نہیں پہنچاتا۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص بڑا خوش خلق ہے کیونکہ مرنج و مرنجاں ہے۔ تیسرا شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص خوش خلق ہے کہ وہ محرمات سے بچتا ہے۔ حلال روزی کمانے میں کوشش کرتا ہے۔ اہل و عیال کی پرورش کرتا ہے۔ بردبار ایسا ہے کہ کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے۔ ظالموں تک کی مغفرت کے لئے دعا کرتا ہے۔ یہ سب باتیں خوش خلقی کے ثمرات ہیں اب تم خوش خلقی کی حقیقت سنو کہ دو لفظ ہیں ایک خَلق۔ دوسرا خُلق جب کہتے ہیں کہ فلاں شخص خوش خَلق اور خوش خُلق ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حسن ظاہری اور باطنی دونوں رکھتا ہے۔ خَلق سے صورت ظاہری مراد ہوتی ہے خُلق سے صورت باطنی۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک تو بدن ہے جو آنکھ سے سوجھتا ہے۔ دوسرا نفس ہے جو بصیرت و عقل سے معلوم ہوتا ہے

ہر ایک کے لئے ایک صورت ہوتی ہے خواہ اچھی ہو یا بُری ہو۔

خُلق کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ہیئت راسخہ نفس میں ثابت ہو جس سے کہ افعال بآسانی بلا فکر و تامل صادر ہوں پس اگر یہ ہیئت ایسی ہے کہ اُس سے ایسے افعال صادر ہوں جو عقلاً محمود ہوں تو اس ہیئت کا نام خُلق خوش یا حسن خُلق ہے۔ اگر اُس سے بُرے افعال صادر ہوں تو اُس ہیئت کا نام خُلق بد یا سوء خُلق ہے ہم نے اس ہیئت کے ساتھ راسخ اور ثابت ہونے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی فعل نیک اتفاقیہ صادر ہو تو وہ خوش خُلق نہیں کہلائیگا۔ مثلاً کوئی شخص اتفاقاً کسی سبب سے بہت روپیہ اُٹھا ڈالے تو اُس کا خُلق سخاوت نہیں کہلائیگا جب تک کہ یہ بات اُسکے دل میں بالکل نہ جم جاوے اور صدور فعل میں قید بلا تامل و فکر کی قید اسلئے لگائی ہے کہ اگر کوئی شخص بڑے فکر و تامل سے بہ تکلف مال خرچ کرے یا اپنے غصے کو دور کرے تو اوسکو سخی اور حلیم نہیں کہینگے۔ غرض خُلق نفس کی ہیئت اور صورت باطنی کا نام ہے جس طرح کہ صرف ایک عضو مثلاً آنکھوں کے اچھا ہونے سے آدمی حسین کامل نہیں ہوتا بلکہ اوسکے ساتھ۔ آنکھ، ناک۔ مُنہ۔ رخسار۔ وغیرہ سب کے عمدہ ہونے سے حُسن ظاہری پورا ہوتا ہے۔ اسی طرح باطن کے حُسن کے لیے بھی چار ارکان ہیں جب اُنمیں حسن ہو گا تو خوش خلقی پوری ہو گی یعنی جب آدمی میں چاروں ارکان درجۂ اعتدال پر مناسب ہینگے تو وہ خوش خلق کہلائے گا۔ وہ چاروں ارکان یہ ہیں قوت علم۔ قوت غضب۔ قوت شہوت قوت عدل (یعنی ان تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی طاقت) قوت علم کی صفت یہ ہے کہ آدمی اُس کے سبب سے اقوال کا صدق و کذب و اعتقادات میں حق و باطل اور اعمال میں نیک و بد کو جانے۔ اس علم کا ثمرہ حکمت ہے۔ قوت شہوت۔ قوت غضب کی خوبی یہ ہے کہ یہ دونو حکمت کے موافق ہوں اور اوسکے اشارہ پر چلیں یعنی جو عقل تجویز کرے اُسی پر عمل کریں۔ قوت عدل سے مراد یہ ہے کہ غضب و شہوت کو عقل کا پابند کر دے۔ غرض جس شخص میں چاروں رکن درجہ اعتدال پر ہونگے وہ مطلق خوش خُلق کہلائے گا۔ اور جس شخص میں صرف ایک ہی جزو یا دو جزو حد اعتدال پر ہونگے تو وہ صرف اُسی اعتبار سے خوش خُلق ہو گا۔ جیسے کسی کے چہرہ میں بعض چیزیں اچھی ہوں تو وہ

اس اعتبار سے خوش صورت کہلاتا ہے۔ قوت غضبی جو دفع غیر ملائم کا مبدء ہوتا ہے اُسکی اعتدال اور حُسن کا نام شجاعت ہے اور قوت شہوت جو جلب ملائم کا مبدء ہے اُسکے اعتدال کا نام عفت ہے۔ اگر قوت غضبی حد اعتدال سے زیادہ ہوگی تو اوسکا نام تہور ہے اور اگر کم ہوگی تو اُس کا نام جبن ہے اور قوت شہوت زیادہ ہوگی تو وہ شرہ و حرص کہی جائے گی اور کم ہوگی تو خمود یعنی بسکی طبیعت غرضکہ افراط تفریط دونو مذموم و رذیل ہیں اور وسط درجہ میں فضیلت و عمدگی ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ تمام نیکیاں وسط درجہ میں ہیں۔ قوت عدل میں کمی و بیشی کچھہ نہیں ہوتی اُسکی ضد صرف ظلم ہے کہ جب عدل نہ ہوگا تو ظلم ہوگا۔ قوت علمیہ کے حُسن و اعتدال یعنی حکمت میں اگر زیادتی خراب مطلبوں میں ہو تو اُس کا نام مکر و فریب ہے۔ اور اگر اُسکی کمی ہو تو بیوقوفی و بلادت۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصل چار چیزیں ہیں۔ حکمت۔ شجاعت۔ عفت۔ عدل۔ حکمت سے غرض وہ نفس کی حالت ہے جس سے کہ سب احوال اختیاری میں صحت اور غلطی کو معلوم کرتے ہیں۔ عدل سے مراد وہ حالت نفس ہے کہ جس سے غضب و شہوت کو قابو میں رکھے اور اُن کا ترک کرنا اور روکنا مقتضاء حکمت کے موافق ہو۔ شجاعت سے یہ غرض ہے کہ قوت غضب عقل کی منقاد ہو۔ جہاں وہ اقدام کو کہے وہاں کرے عفت سے یہ غرض ہے کہ قوت شہوت عقل کی تادیب کے موجب کاربند ہو پس ان چاروں اصول کے اعتدال کے ماتحت سب نیک اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور افراط اور تفریط سے اخلاق بد۔ قوت عقلی کے اعتدال سے حسن تدبیر۔ تیزی ذہن۔ رائے صائب دقائق اعمال اور نفس کی آفات پوشیدہ کا معلوم کرنا۔ اُسکی افراط سے مکر و فریب۔ حقد۔ خُبث باطن پیدا ہوتے ہیں اور کم ہونے سے ناتجربہ کاری۔ بے شعوری۔ حمق۔ جنون۔ ناتجربہ کاری سے یہ غرض ہے کہ باوجود سلامتی تخیل کے تجربہ نہ ہو۔ حمق و جنون میں یہ فرق ہے کہ احمق کا مقصود تو صحیح ہوتا ہے مگر اس تک پہونچنے کا راستہ اُسکو نہیں معلوم ہوتا۔ اور یہ نہیں جانتا کہ کس طریق سے غرض تک پہونچیگا۔ اس کا طریق فاسد ہوتا ہے۔ جنون یہ ہے کہ جو بات قابل اعتبار نہیں ہے اُس کو اختیار کرلے پس اُسکے اختیار ہی میں شروع سے فساد ہوتا ہے اور مقصود بھی صحیح نہیں ہوتا۔ قوت غضبی کے اعتدال سے یعنی خلق شجا

سے یہ صفات پیدا ہوتی ہیں کرم۔ دلیری۔ شہامت۔ کبر نفس۔ حلم۔ استقلال غصہ کا فرو کرنا۔ وقار وغیرہ یہ سب باتیں اچھی ہیں۔ اسکی زیادتی تہور ہی جیسے کبر شیخی غصہ سے جل مرنا عجب وغیرہ۔ اور اُس کی کمی سے جُبن۔ خواری۔ ذلّت۔ خوف۔ خِسّت۔ پست حوصلگی۔ واجبی بات سے منقبض ہونا قوت شہوت کے اعتدال سے یعنی عفت سے یہ افعال صادر ہوتے۔ سخاوت۔ حیا۔ صبر۔ چشم پوشی۔ قناعت پرہیز۔ لطافت۔ حوصلہ۔ قلّت طمع۔ اور اُسکی افراط تفریط یعنی کمی و بیشی کی صورت میں حرص بے حیائی۔ خُبث۔ اسراف۔ گھر والوں پر کم خرچ کرنا۔ ریا۔ بے حرمتی۔ بُخش۔ لغو خوشامد۔ حسد۔ شماتت تونگروں میں ذلیل بنّا۔ فقیروں کو حقیر جاننا۔ خلاصہ یہ ہی کہ محاسن اخلاق کے اصول چار حکمت شجاعت۔ عفّت۔ عدل ہیں اور باقی اور فروع ہیں۔ اس اوپر کے مضمون کو یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ نفس انسانی میں تین قوتیں متباین ہیں کہ انہیں سے انسان کے سارے افعال اور آثار بمشارکت ارادہ صادر ہوتے ہیں اور جب ان قوتوں میں سے ایک غالب ہو جاتی ہی تو باقی کیا مغلوب ہو جاتی ہیں یا مفقود۔ اوّل قوت ناطقہ ہی کہ اُس کو نفس ملکی کہتے ہیں اور وہ فکر و تمیز و حقائق امور میں شوق نظر کا مبداء ہوتا ہی۔ دوم قوت غضبی ہی اُس کو نفس سبعی کہتے ہیں وہ غضب و دلیری و ہولناک چیزوں پر اقدام کا اور شوق تسلط ترفع و مزید جاہ کا مبداء ہوتا ہی۔ سوم قوت شہواتی کہ اُس کو نفس بہیمی کہتے ہیں وہ شہوات و شوق التذاذ کھانے پینے نکاح کا مبداء ہوتا ہی پس فضائل نفس کے تعداد اسی تعداد کے موافق ہوتی ہی جسوقت حرکت نفس ناطقہ کی اعتدال کے ساتھ ہوتی ہی اپنی ذات میں اور معارف نفسی کے اکتساب میں اُسی سے فضلیت علم پیدا ہوتی ہی جسکی تبعیت میں فضیلت حکمت لازم ہو جاتی ہی اور جس وقت نفس سبعی کی حرکت اعتدال کے ساتھ ہوتی ہی اور وہ نفس عاقل کا مطیع ہوتا ہی اور اسی پر اُسکو قناعت ہوتی ہی جو نفس عاقلہ اُس کا حصہ مقرر کرے اور کوئی بیوقت ہیجان اپنے احوال میں اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتا اسی حرکت سے فضیلت حلم پیدا ہوتی ہی جسکی تبعیت میں شجاعت لازم ہوتی ہی جسوقت حرکت نفس بہیمی کی اعتدال کے ساتھ ہو اور وہ نفس عاقلہ کا مطیع ہو۔ جو نفس عاقلہ اُسکی خواہشوں میں سے حصہ مقرر کرے

دہ اسپر صبر کرے اور اسکی مخالفت نکرے۔ ایسی حرکت سے فضیلت عفت پیدا ہوتی جسکی تبیعت سے فضیلت سخاوت لازم ہوتی ہی۔ جب یہ فضیلتیں آپسمیں کیا اعتدال کی حالت پیدا کرتی ہیں تو اس سے فضیلت عدالت پیدا ہوتی ہی پس یوں چار فضائل حکمت۔ شجاعت۔ عفت۔ عدالت پیدا ہوتی ہیں۔ ہرایک کا بیان جدا جدا آگے ہوگا۔

(۵) اخلاق تغیر پزیر ہے یا نہیں

بعض ارباب النش کی رائے ہے کہ اخلاق میں تغیر نہیں ہوسکتا اور اس دعوی کی دو وجہ بیان کرتے ہیں اول یہ کہ خُلق صورت باطن کا نام ہی جیساکہ خَلق صورت ظاہری کا نام ہے۔

صورت ظاہری کی تبدیل ممکن نہیں مثلاً بونا آدمی اپنے قد کو بڑہا نہیں سکتا۔ نہ لم ٹنگو اپنی ٹانگوں کو گھٹا سکتا ہی۔ نہ بدصورت خوبصورت بن سکتا ہی نہ اُسکا عکس ہوسکتا ہی۔ پس خُلق کی یعنے صورت باطن کی بھی یہی کیفیت ہی کہ اُسکی بُرائی بھلائی نہیں بن سکتی۔ دوسری وجہ یہ ہی کہ حُسن خلق چاہے کہ شہوت و غضب کا استیصال کرے۔ طول مجاہدہ سے امتحان کیا گیا ہے کہ یہہ چیزیں مزاج اور طبیعت کے اقتضا سے ہوتی ہیں۔ پس اُس کے استیصال کے درپے ہونا بے فائدہ عمر کا ضائع کرنا ہے۔ وجہ اول کے جواب میں تو ظاہر تجربہ جانوروں کا ہے کہ باز کی وحشت کیسی اُنس سے ساتھہ بدل جاتی ہی۔ بلی کبوتروں کے ساتھہ ایک پٹارے میں بند ہوجاتی ہی۔ شکاری کتا کیسا تعلیم سے مؤدب ہوجاتا ہی کہ شکار کو صرف پکڑ لیتا ہی کہانے کی حرص مطلق نہیں کرتا۔ چوگان بازی میں گھوڑا کیسا غریب ہوجاتا ہی۔ پس اگر یہ اخلاق کا تغیر نہیں ہے تو کیا ہی۔ اصل حال یہ ہی کہ موجودات میں بعض اشیا تو ایسی ہیں کہ اُن پر انسان کا اختیار نہیں چلتا ہی جیسے آسمان پر ستارے یا اعضا ظاہری و باطنی انسان یا حیوان کے ہیں۔ اُن کا وجود ایسا کامل ہی کہ اُس میں کبھی تبدیل کی ضرورت نہیں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ انسان کے اختیار میں ہیں اُن کا وجود ناقص ہوتا ہی۔ کامل ہونے کی استعداد ہوتی ہی اگر شرائط کمال پائی جائیں تو وہ درجہ کمال کو پہونچ جائیں اور وہ شرائط کبھی انسان کے اختیار میں ہوتی ہیں مثلاً آم کی گٹھلی ہی نہ کونپل ہی نہ پیڑ ہے۔ مگر اُس کی پیدائش سے طرح

لی ہی کہ بہتر ہو سکتی ہے بشرطیکہ خدمت معمولی کی جائے۔ پس جیسے گٹھلی انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ اُسکو بدل کر بہتر اور پہل بنا سکتا ہے۔ اُسی طرح انسان اپنی غضب و شہوت کے اوپر اختیار رکھتا ہے کہ اُنکو بدل دے۔ ہاں اُن کا استیصال کرنا کہ بالکل فرو رہے اُسپر ہمارا قابو نہیں ہے مگر اُن کا دبا دینا ہمارے اختیار میں ہے۔ نفس میں خلق کے وجود کے دو سبب ہوتے ہیں ایک طبیعت دوسری عادت۔ طبیعت یہ کہ کسی شخص کے مزاج کی اصل فطرت میں یہ ہو کہ اُس میں کسی خاص کیفیت کی استعداد زیادہ ہو اور وہ ادنی سبب سے اُس کیفیت کے ساتھ متکیف ہو جیسے کسی کے مزاج کی اصل فطرت ایسی ہو کہ غصہ بہت آتا ہو یا شہوت اُسکو بہت ہو یا بلادت ہو۔ عادت یہ ہے کہ ابتدا میں کسی فعل کی مزاولت کی جائے اور بار بار اُسکو کیا جائے کہ پھر اُسکے کرنے میں سہولت ہو اور کچھ اُس کے کرنے میں فکر و تامل کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ پس جو خلق طبیعی ہے اُسکا بدلنا مشکل ہے کیونکہ جس چیز کو بدلنا چاہتے ہیں وہ دیر پا ہی اور پیدائش کے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً شہوت غضب تکبر ایک انسان میں موجود ہیں ان سب میں شہوت کا بدلنا مشکل ہے کیونکہ وہ ابتدا پیدائش سے ساتھ ہوتی ہے غصہ و تکبر تو مدت کے بعد آدمی میں پیدا ہوتے ہیں۔ دوم جو خلق عادت یعنی کثرت عمل سے پیدا ہو ...

لوگ عادت کی مقتضا کے موافق کام کرتے ہیں اور اُسکی طاعت میں سرگرم رہتے ہیں اور اُسی کو پسندیدہ اور عمدہ سمجھتے ہیں۔ اب اُسکے چار درجے ہیں اول یہ کہ آدمی جیسا پیدا ہوا ہے ویسا ہے حق اور باطل اور اچھے اور برے میں تمیز نہ کر سکے سب اعتقادات سے خالی اور غافل ہو۔ اور نتائج لذات سے شہوت بھی کامل نہ ہوئی ہو تو ایسے شخص کا علاج جلد ہو سکتا ہے نفس اُسکا لوح سادہ ہے آسانی سے اُس پر نقش کوئی اُستاد یا مرشد جما سکتا ہے۔ دوم یہ کہ عمل بد کو تو جانتا ہے مگر عمل صالح کا عادی نہیں عمل بد ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس امر میں اپنی شہوت کا تابع ہے اور رائے صواب سے منحرف ہے مگر اپنے عمل کے قصور سے واقف ہے جانتا ہے کہ میں بُرا کرتا ہوں تو ایسے شخص کو رو براہ لانا پہلے آدمی کی نسبت مشکل ہے۔ اسلئے کہ یہاں دو کام کرنے پڑینگے۔ ایک بُری عادت کا مٹانا دوسرا بھلی عادت کا ڈالنا مگر ایسا شخص بھی قابل تاثیر ہے۔ سوم یہ کہ اخلاق بد برا اُسکو یہ اعتقاد ہو کہ یہ بہت اچھے ہیں اور

ان کا کرنا واجب ہے اور اونہیں پر اُس کی پرورش ہی ہوئی ہو تو ایسے شخص کا علاج قریب محال ہے اور اوسکی صلاح کی توقع نہیں کیونکہ گمراہی کے اسباب بہت سے ہیں جو تھا کہ باوجود رائے فاسد پر نشو و نما پانے اور اعمال بد پر پرورش ہونے کے یہ بات بھی ہو کہ بہت سے شر کرنے کو اور لوگوں کے تباہ کرنے کو باعث فضیلت و فخر جانتا ہو۔ اور خیال کرتا ہو کہ ہماری عزت اُس میں ہے ۔ پس یہہ درجہ سب سے زیادہ سخت ہے ع *تربیت نااہل را چون گردگان بر گنبد است*

ان چاروں میں اول تو جاہل محض دوسرا جاہل و گمراہ ۔ تیسرا جاہل گمراہ فاسق چوتھا گمراہ فاسق ۔ شریر * جو لوگ حسن خلق سے یہ مراد جانتے ہیں کہ شہوت و غضب دونو کا بالکل استیصال ہو اُن کی غلطی ہے ۔ کیونکہ حسن خلق کیلئے تو اُن کو اعتدال پر لانا ضرور ہے ۔ اگر بالکل اُنکو نیست و نابود کردے تو جو فائدے اُن سے خلقت انسانی میں رکھے گئے ہیں وہ نابود ہو جائینگے ۔ اُن کو تو اوسط درجہ پر رکھنا حسن خلق میں اصل ہے ۔ افراط تفریط سے نفس کو بچانا چاہیے ۔ سخاوت کرنی چاہیے اسراف اور بخل سے بچنا چاہیے ۔ شجاعت کرنی چاہیے اُسکی افراط تہور اور تفریط جُبن چھوڑنا چاہیے ۔ روزمرہ کے تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہ توسط تعلیم و تادیب و صحبت نیک کے نفس انسانی خیر کو قبول کرتا ہے اور شر کو چھوڑتا ہے اور اُسکے برعکس بھی ۔ اگر اخلاق میں تغیر نہ ہو تو پھر ساری قوموں کی تادیب اور جوانوں کی تہذیب اور اخلاق و عادات کی تقویم جو عاقلوں نے اپنے تجربوں سے مقرر کی ہے وہ سب باطل ہوتی ہے ۔ یہ بات تو آنکھوں کے سامنے ہے کہ روز لڑکوں کو دیکھتے ہیں کہ اُن کے اخلاق میں کیا کیا تغیر و تبدل ہوتے ہیں ۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ بعض تعلیم و تربیت کو جلد قبول کر لیتے ہیں ۔ بعض دشواری سے دیر میں اسی لئے ماں باپوں پر فرض ہے کہ حسن خلق کی تعلیم و تادیب کریں ۔ اور اُنکی اصلاح عادات طرح طرح سے کریں ۔ کسی کو پیار سے کسی کو مار سے ۔ غرض جیسی اُسکی قابلیت و حالت ہو ۔

(۶) حسن خلق کیونکر حاصل ہوتا ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حسن خلق سے اعتدال قوت عقلی و کمال حکمت اور اعتدال قوت

غضب و شہوت اور اُن کا منقاد ہونا عقل کا مقصود ہے۔ پس یہ حُسن خلق دو وجہ سے حاصل ہوتا ہے
اول داد الٰہی ہو کہ آدمی ابتدا پیدائش سے کامل العقل خوش خلق پیدا ہوا اور شہوت و غضب کا غلبہ بھی
نہ ہو بلکہ یہ دونو عقل کے منقاد ہوں دوسرے یہ کہ ریاضت و محنت سے حاصل کرے یعنی نفس سے کام لے
جن سے خلق مطلوب حاصل ہو جاوے مثلاً ایک شخص خلق سخاوت حاصل کیا چاہتا ہے تو اُسکو بہ تکلف اہل سخاوت
کا فعل یعنی بذل اختیار کرے اور ہمیشہ اپنے نفس پر زور ڈال کر یہ کام لیتا رہے۔ یہانتک کہ یہ امر اُس کی
عادت ہو جاوے اور طبیعت میں جم جائے تو اُس بات سے سخی ہو جاویگا۔ اسی طرح خلق تواضع کو حاصل کیا چاہے
اور اوسپر کبر غالب ہے تو اُس کو چاہیے کہ اول مدت مدید تک اہل تواضع کے افعال پر بہ تکلف و مجاہدہ طبیعت مواظبت
کرے یہانتک کہ وہ افعال اُسپر آسان ہو جائیں اور خلق اور طبیعت بن جائیں اور باقی اور اخلاق
بھی اسی طرح حاصل ہو سکتے ہیں اور اُسکی انتہا یہ ہے کہ اُس کام میں آدمی کو لذت معلوم ہونے لگے مثلاً سخی
اُسی کو کہتے ہیں کہ جو مال خرچ کرے اور اُس میں اُسکو لذت ملے۔ اگر کوئی خرچ کرے مگر اُسکو بُرا معلوم ہو
تو وہ سخی نہ ہوگا۔ اسی طرح متواضع وہ آدمی ہوگا جسکو تواضع میں مزا ملے غرض حسن خلق جب آدمی کو
کہ مجھے حاصل ہوا کہ نفس کو اچھی عادتوں میں لذت آئے اور بُری عادتوں سے نفرت ہو۔ اگر کوئی
شخص بُری عادتیں چھوڑ دے اور نیک عادتوں میں لذت نہ پائے تو اُس کے حُسن خلق کو کامل نہیں کہینگے
لذت کسی خلق میں جب ہی آتی ہے کہ اُس میں مدت دراز تک برابر مواظبت کرتا رہے۔ مثلاً جواری مفلس
جوئے میں کیسا خوش ہوتا ہے اور مزہ پاتا ہے حالانکہ قماربازی میں مال سب جاتا رہتا ہے گھر خراب ہوتا ہے پھر
بھی محبت اور چسکا جوئے کا لگا رہتا ہے سبب اسکا یہ ہے کہ کھیلتے کھیلتے اُس سے اُلفت ہو جاتی ہے چور
اُچکوں پر کیسے کیسے کوڑے پڑتے ہیں اور قیدخانہ میں کیسی کیسی سختیاں اُٹھاتے ہیں مگر وہ لوگ اُسکو
اپنا فخر سمجھتے ہیں اور سختی کی برداشت سے خوش ہوتے ہیں یہانتک کہ اگر اُن کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے
کر ڈالو تو بھی نہ مال کا نشان دینگے نہ اپنے ساتھیوں کا نام لینگے۔ ایسی سختیوں کا سہنا اور سزاؤں کا خیال
میں نہ لانا اس وجہ سے ہے کہ اپنے اعتقاد میں ایسے کاموں کو سمجھ لیا ہے کہ وہ کمال شجاعت۔ بہادری
کے ہیں اسی طرح مخنث۔ کنجر۔ حلال خور اپنے اپنے پیشے میں فخر و مباہات کرتے ہیں جیسے کہ حکما و

سلاطین پس یہ امور عادت سے متعلق ہیں کہ جب ایک بات پر مدت تک مواظبت ہوتی ہے اور ہم جو لیوں میں وہی مشاہدہ ہوتی ہے تو اپنے نفس کو اچھی لگتی ہے پس جب عادت کے سبب امر باطل سے لذت حاصل ہوتی ہے اور نفس اُسکی طرف راغب ہوتا ہے تو امر حق پر اگر مواظبت مدت مدید تک رہے گی اُس سے کیوں نہ لذت حاصل ہوگی۔ غرض اخلاق حسنہ کا اکتساب یا محنت سے ہو سکتا ہے یعنی اول بہ تکلف اُن کے مرتکب ہونے سے آخر کو وہ امور طبعی اور خلقی ہو جاتے ہیں۔ پس اخلاق حسنہ کبھی تو فطرت و خلقت کے ساتھ ہوتے ہیں اور کبھی عمدہ افعال کے عادی ہونے سے اور کبھی صلحا اور ارباب خیر کے افعال دیکھنے سے کیونکہ ایک طبیعت دوسری طبیعت سے شر اور خیر دونوں چراتی ہیں پس اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس میں تینوں جہات جمع ہو گئے ہوں یعنی طبعًا اور عادۃً اور تعلیم سے فضیلت کو پہنچا ہو تو ایسا شخص نہایت درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ اور جو شخص طبیعت کا اچھا نہ ہو اور اسباب شر کے مہیا ہونے سے اُس کا عادی ہو گیا ہو اور صحبت والے بھی اُسکے خراب ہوں تو وہ پرلے درجہ کا رذیل اور ذلیل ہے۔ اور جس میں اِن جہات کا اختلاف ہو یعنی کوئی بات پائی جائے اور کوئی نہ پائی جائے تو اُسکا رتبہ ان دونوں کے درمیان ہے

(۶) تہذیب اخلاق کے طرق

نفس اور بدن کی صحت اور مرض کا حال یکساں ہے جیسے کہ اعتدال اخلاط سے صحت بدن کو رہتی ہے اسی طرح اعتدال اخلاق سے صحت نفس رہتی ہے اور جیسے اخلاط کی بے اعتدالی سے بدن میں امراض پیدا ہوتے ہیں ایسے ہی قوار باطنی کی بے اعتدالی سے نفس میں سقیم اخلاق پیدا ہوتا ہے جیسے بدن کی صحت کی صورت میں فقط صحت کی حاجت اور مرض کی حالت میں علاج کی ضرورت ہے۔ ایسی نفس کی صحت میں فقط صحت کی اور نفس کے مرض کی صورت میں علاج کی ضرورت ہے۔ ہر مرض کا علاج بالضد کیا جاتا ہے اگر مزاج میں حرارت ہو تو سرد دوائیں دی جاتی ہیں اور اُس میں شدت ضعف۔ دوام اور اتفاق۔ کثرت قلت کی رعایتیں کی جاتی ہیں اور دواؤں کے درجہ کے موافق اُن کی مقدار وزن احوال بدن کے مناسب مریض کے سن و سال کے موافق اور مرض کی شدت و ضعف کے بموجب ہوا کرتی ہے۔ ان سب باتوں پر خیال کر کے طبیب حاذق نسخہ لکھتا ہے۔ اور ایسی تحریر دوائیں نہیں دیتا کہ حرارت پیدا ہو جائے

بلکہ حرارت و برودت میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ بس اسی طرح اُستاد یا مرشد جو شاگردوں یا مریدوں کے معالج امراض نفسانی ہیں اُنکو چاہیے کہ وہ پہلے اُن کے اخلاق و امراض نفسانی کی تشخیص کریں اور اُنکے مزاج سے واقف ہوں اور پھر علاج بتدریج شروع کریں اگر بہت سے مرضوں میں مبتلا ہو تو پہلے جو مرض سب سے زیادہ سخت ہو اُسکا علاج کریں۔ مثلاً شاگرد جاہل ہو تو اُسکو علم سکھائیں اگر کوئی بخیل ہو تو اُسکو مال خرچ کرنے کی تحریص دلائیں مگر نہ اتنی کہ اسراف کے درجہ پر پہنچ جائے۔ اگر کوئی متکبر ہو تو اُسکی فروتنی بتلائیں مگر اعتدال کے ساتھ جو کھلنڈرے لڑکے ہوں اُنکو مکتب میں اول ترغیب گیند بلا وغیرہ کی دیں پھر کھیل سے عمدہ کپڑوں کی ترغیب۔ بعد اُسکے ریاست و جاہ کی ترغیب پھر اُن سب کے بعد جاہ و ریاست آخرت کی طرف برانگیختہ کئے جائیں۔ غرض جو لوگ مرض روحانی میں مبتلا ہوں اُنکا علاج بہ تدریج اور حکمت سے کیا جائے۔ امراض جسمانی تو اکثر ظاہر معلوم ہوتے ہیں بعض ہی اُن میں ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بیمار کو نہیں معلوم ہوتے۔ مگر امراض قلب آدمی کو بہت کم معلوم ہوتے ہیں اسی واسطے آدمی اُنسے غافل رہتا ہے۔ اور اگر جان بھی جاتا ہے تو اُسکے علاج کی تلخی پر صبر مشکل ہے اسلئے کہ دوا اُسکی شہوات کی مخالفت ہے جسکو وہ جان کندنی سے کم نہیں سمجھتا۔ اور اگر نفس میں صبر بھی پاتا ہے تو کوئی معالج حاذق نہیں ملتا کہ اُسکا علاج کرے۔ امراض قلبی کے طبیب علما ہیں وہ خود اُسی مرض میں مبتلا ہیں پس جب وہ اپنا ہی علاج نہیں کرتے تو کسی دوسرے کا علاج کیا کرینگے خود گم است کرا رہبری کند۔ اسی جہت سے امراض قلوب لاعلاج ہو گئے ہیں اُن کا علم لوگوں میں بہت کم رہا ہے بہت ہی کم ایسے امراض کی تشخیص کرنے والے رہ گئے ہیں +

(۷) حُسن خُلق کی علامات

انسان کو اپنے عیوب سے خبر نہیں ہوتی۔ جب وہ اپنے میں دیکھتا ہے کہ میں نے بڑے بڑے گناہ کرنے چھوڑ دئے تو وہ جاننے لگتا ہے کہ میں مہذب ہو گیا اور مجھ میں حُسن خلق پیدا ہو گیا اسلئے ہم حُسن خُلق کی علامات بتلاتے ہیں کہ جب تک آدمی اپنے میں اُن کو نہ دیکھے تو وہ جانے کہ مجھ میں ابھی سوءِ خلق باقی ہے حُسن خلق جس آدمی میں ہوگا وہ کثیر الحیا۔ کثیر الصلاح۔ کم آزار۔ کم سخن۔ قلیل الفضول۔ کثیر العمل

کم لغزش۔ راست گفتار۔ نیکوکار۔ صاحب وقار۔ صابر۔ شاکر۔ راضی۔ حلیم۔ رفیق۔ پارسا۔ شفیق۔ ہشاش بشاش ہوگا اور بدگفتار۔ دشنام دہندہ۔ چغل خور۔ غیبت کنندہ۔ جلد باز۔ کینہ ور۔ بخیل۔ حاسد نہ ہوگا۔ بغض و غضب اللہ ہی کے واسطے اسمیں ہوگا۔ اور حب رضاء الہی کے واسطے۔ انہی باتوں سے خوش خلق ہوتا ہے۔ بعض بزرگان دین نے لکھا ہے حسن خلق کی دس علامتیں ہیں۔ قلت خلاف حسن انصاف۔ انتقام نہ لینا۔ گناہ ہونیکا برا جاننا۔ عذر کرنا۔ ایذا سہنا۔ نفس کو ملامت کرتے رہنا دوسروں کے عیوب سے قطع نظر کرکے اپنے عیوب کے پہچاننا۔ چھوٹے بڑے سے بکشادہ پیشانی پیش آنا اپنے سے ادنی اور اعلے کے ساتھ نرمی سے بولنا۔ بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ حسن خلق میں اول دین۔ دوم عقل۔ سوم علم۔ چہارم حلم۔ پنجم جود۔ ششم فضل۔ ہفتم بر۔ ہشتم صبر۔ نہم شکر۔ دہم لینت نرمی۔ جسمیں حسن خلق ہوتا ہے۔ وہ مومن ہوتا ہے جسمیں نہیں ہوتا وہ منافق ہے مومن فکر و عبرت میں مشغول رہتا ہے اور منافق حرص و امل میں۔ مومن سوا خدا کسی سے توقع نہیں رکھتا اور منافق بجز خدا کے سب سے متوقع رہتا ہے۔ مومن سوا اللہ تعالی کے سب سے مامون اور بےخوف رہتا ہے منافق سوا خدا کے سب سے خائف رہتا ہے۔ مومن مال دیتا ہے دین نہیں دیتا ہے منافق دین دیتا ہے مال نہیں دیتا۔ مومن حسنات کرکے روتا ہے منافق گناہ کرکے ہنستا ہے۔ مومن کو خلوت و تنہائی اچھی معلوم ہوتی ہے منافق کو ہجوم اور جماعت اچھی لگتی ہے۔ مومن کھیتی کرتا ہے اور اوس کے بگاڑ سے ڈرتا ہے۔ منافق بیخ کنی کرتا ہے اور توقع خرمن کی رکھتا ہے۔ حسن خلق کا اول امتحان ایذا پر صبر کرنے سے ہوتا ہے پس جو کوئی دوسرے کی بدخلقی کی شکایت کرے وہ اوسی کی بدخلقی کی دلیل ہے کیونکہ حسن خلق ایذا و جفا کی برداشت کا نام ہے۔ ابوعثمان حیری کو کسی شخص نے بنظر امتحان دعوت کے بہانے بلایا جب آپ اوسکے گھر گئے تو کہا اسوقت تو مجھسے کھانا تیار نہ ہوسکا آپ وہاں سے واپس چلے گئے جب بہت دور نکل گئے تو وہ شخص پھر آیا اور کہا جو اسوقت کھانا موجود ہے اوس پر قناعت کیجئے۔ تو جب وہ اوسکے گھر آئے تو وہی بات پھر کہی جو پہلے کہی تھی وہ پھر الٹے چلے گئے۔ اسی طرح کئی بار بلایا اور پھیر پھیر دیا مگر اس سے وہ ذرا مکدر نہیں ہوئے۔ تو وہ شخص پاؤں

گر پڑا اور کہا کہ میں آپ کو آزماتا تھا سبحان اللہ کیا حسن خلق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو بات تو نے میری دیکھی
تو صفت کتے کی ہے کہ جب بلاؤ چلا آوے۔ اور بھگاؤ تو ہٹ جاوے۔ یہ بھی انہیں کا ذکر ہے کہ وہ ایک
گلی میں سوار جاتے تھے کہ اوپر سے کسی شخص نے ان پر راکھ پھینکی تو انہوں نے اتر کر
خاک جھاڑی اور سجدہ شکر ادا کیا جب لوگوں نے کہا کہ راکھ پھینکنے والے کو آپ نے جھڑکا نہیں تو آپ نے
فرمایا کہ جو شخص آگ کا مستحق ہو اسپر راکھ پڑے تو اسکو غصہ کرنا نہیں چاہئے۔ انسان کا بڑا حسن خلق
یہ ہے کہ تقدیرات الہی پر راضی رہے اور پرلے درجہ کا خلق بد یہ ہے کہ خدا تعالی کے کام کو اچھا نہ جانے
اور اسپر راضی نہ ہو غرض جب تک اپنے نفس میں یہ علامات نہ پاوے اپنے تئیں جانے کہ مجھ میں حسن
خلق نہیں پیدا ہوا۔ اسکو ریاضت اور محنت حسن خلق کے حاصل کرنے میں کرنی چاہئے فقط

(۸) لڑکوں کی ریاضت اور تادیب اور تحسین اخلاق

لڑکا ماباپ پاس ایک امانت ہے اسکی تہذیب نہایت ضرور ہے۔ اس کا قلب ہر نقش و صورت سے
خالی ہوتا ہے وہ ہر ایک نقش کے قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ لوح سادہ برائے ہر نقش آمادہ جس
طرف کو مائل کرو اسی طرف میلان کے لائق ہوتا ہے۔ مثلاً اگر تعلیم خیر کی پاوے اور اس کا عادی کیا جاوے
تو بڑا ہو کر بھی ایسا ہی رہے گا۔ اور اگر برائی کا عادی ہوگا اور جانوروں کی طرح بے غور چھوڑ دیا جاوے
تو تباہ ہوگا۔ غرض ماباپ کا یہ فرض ہے کہ اولاد کو تہذیب اور محاسن اخلاق سکھاوے اور صحبت بد سے بچاوے
زینت اور بناؤ سنگار اور لذت اور آرام طلبی اس کی نظروں میں حقیر کرے تاکہ بڑے ہونے پر
ان کی طرف اس کی رغبت نہ ہو۔ سب سے پہلے لڑکوں پر کھانے کی خواہش غالب ہوتی ہے تو اسی کے
ادب اس کو سکھانے چاہئیں کہ دہنے ہاتھ سے کھائے۔ کھانے میں بسم اللہ کہے اور اپنے سامنے سے
کھائے۔ دوسروں سے پہلے کھانا شروع کرے اور کھانیکی طرف گھورے نہیں اور نہ کسی کے کھانے
کی طرف تاکے اور جلدی جلدی نہ کھائے۔ اچھی طرح چبا چبا کے کھائے۔ نہ نوالہ پر نوالہ منہ میں
رکھتا چلا جاوے۔ ہاتھ اور کپڑے نہ بھرے۔ کبھی اسکو کھانے پر ضد نہ کرنے دے۔ کہ یہ ہم کھاتے ہیں اور یہ ہم
نہیں کھاتے۔ بلکہ اسکو عادت دلوانی چاہئے کہ روکھی سوکھی روٹی اور دال لیا جو کچھ میسر ہو

قناعت کرے۔ اُسکو زیادہ کہانے سے منع کرنا چاہیئے اور کہنا چاہیئے کہ زیادہ کہانا چوپایوں کا کام ہے
اُسکے ہاتہہ سے کہانا بہوکوں کو دلوانا چاہیئے۔ بعد کہانے کے کپڑا پہننا ہو اُسکو سفید سادے کپڑے
پہننے کی رغبت دلانی چاہیئے۔ رنگین اور ریشمی باریک کپڑوں کی طرف اُسکو رغبت نہ دلانی چاہیئے
اور کہنا چاہیئے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔ اُس کو ایسے لڑکوں کی صحبت سے بچانا چاہیئے جنکو شوق
اور عادت آرام طلبی اور عمدہ پوشاک کی ہو۔ اور ایسوں سے کبھی نہ ملنے دے جنکے کہنے سے اُسکے
دل میں ان باتوں کی رغبت ہو جائے۔ اسلیئے کہ ابتدا میں اگر لڑکے کی خبرگیری نہیں ہوتی تو اکثر
بُری عادتیں اُس میں پیدا ہوتی ہیں جہوٹا جہگڑالو چغل خور بیہودہ گو۔ شہوت پرست مکار بے پروا
ہوجاتا ہے۔ مکتب میں کسی نیک اُستاد پاس بٹہانا چاہیئے کہ اول وہ فرائض مذہبی سکہائے۔ اکثر
اُسکو نیک آدمیوں کی حکایات کا سبق دے۔ اشعار جنمیں عشق اور عاشق و معشوق کا ذکر ہو اُسکو
ہرگز پڑہنے نہ دے۔ بلکہ اُن لوگوں سے کبہی نہ ملنے دے جو ایسے اشعار کو ظرافت اور لطافت جانتے
ہیں یہ اشعار دل میں فساد کا بیج بو دیتے ہیں جب لڑکا کوئی عمدہ کام کرے تو چاہیئے اسکو کچہہ
انعام دے جس سے وہ خوش ہو اور لوگوں میں اُسکی تعریف ہو۔ اگر وہ ایکدو مرتبہ خلاف کرے تو
اُس سے تجاہل اختیار کرے۔ لڑکے کو یہ معلوم ہو کہ باپ کو خبر ہی نہیں ہوئی۔ اگر اُسکو یہ معلوم
ہوجائیگا کہ باپ پر ظاہر ہونے پر بھی کچہہ نہیں ہوا تو آئندہ کو اُسے بُرے کام کرنے کی جرأت ہوگی
اور بات کے کہل جانے کی کچہہ پروا نہ ہوگی پہر اگر دوبارہ وہی حرکت کرے تو پوشیدہ اوسپر عتاب کرے اور تاکید سے کہے کہ اگر آئندہ
ایسا کروگے تو سزا پاؤگے اور لوگوں میں تمہاری فضیحتی ہوگی ہر وقت عتاب کرنا نہیں چاہیئے اُس سے ملامت کا عادی ہو جاتا
ہے بُری باتوں کے کرنے کی جرأت بڑہ جاتی ہے تنبیہ کی تاثیر دل سے اُٹہہ جاتی ہے۔ ماں باپوں کو چاہیئے کہ اولاد سے کلام لحاظ
کے ساتہہ کیا کریں کبہی کچہہ گہڑک دیا۔ ہر وقت گہڑکی اور جہڑکی رہے گی تو مساوات ہو جائیگی
دنکو سونے کی عادت نہیں پڑوانی چاہیئے۔ بچہونے بہی تکلف کے نہیں دینے چاہئیں۔ غرض سب باتوں
میں یہ لحاظ رکہنا چاہیئے کہ لڑکے کو آرام طلبی کی عادت نہ ہو۔ کوئی کام اُس کو چہپا کر کرنا نہیں
کیونکہ جس کام کو وہ چہپا کر کریگا اُس کو بُرا جانتا ہوگا تو چہپا کر کریگا۔ پس اُسکو علانیہ کام کرنے کی عادت

ہوگی تو بُرے افعال سے باز رہیگا۔ دن کو کوئی وقت اُسکے پہرنے اور چلنے اور تفریح کا مقرر کرنا چاہیے
جس سے سستی کا غلبہ نہ ہو۔ یہہ بہی اُسکو منع کرنا چاہیے کہ وہ اپنے باپ کا فخر ہم جولیوں کے سامنے
نہ کرے۔ کہانے پینے کی چیزوں پر اتراوے نہیں جس سے وہ ملے تواضع اور اکرام کے ساتھہ کلام
ملائمت سے کرے اور لڑکوں سے کوئی چیز نہ لے۔ اگر امیرزادہ ہے تو اسکو لینا نہیں چاہیے۔ دینا چاہیے
لینے میں کسرشان ہے اور اگر فقیرزادہ ہے تو لینا طمع اور ذلت میں داخل ہے۔ کم سونے کی عادت ہو کیونکہ
بدن موٹا ہوتا ہے اور وہم بڑہتا ہے۔ زیادہ بولنے سے بہی منع کرنا چاہیے کیونکہ وہ بے حیائی کی نشانی ہے
کمینے آدمی زیادہ بکا کرتے ہیں قسم خواہ سچی ہو یا جہوٹی کبہی نہیں کہانی چاہیے۔ تاکہ بڑے ہونے پر
قسم کہانیکی عادت نہ پڑے جب کوئی پوچہے تو جواب دے زیادہ بکبک نہ کرے۔ کبہی لغو و لعنت و فحش
دشنام نہ بولے۔ بلکہ جو ایسے ہوں کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہوں اُن کی صحبت سے بچانا چاہیے
جب اوستاد مارے تو زیادہ شورش نہ کرے نہ کسی کی سفارش ڈہونڈہے بلکہ صبر کرے اُس سے کہدیں
کہ صبر کرنا مردوں کا کام ہے۔ زیادہ رونا پیٹنا عورتوں اور غلاموں کا کام ہے۔ مکتب سے آنیکے
بعد اُسکو کسی اچہے کہیل کی اجازت دینی چاہیے جس سے کہ مکتب کی مشقت سے راحت لے۔ مگر کہیل
بہی اتنا کہیلے کہ تہک نہ جائے۔ اگر کہیل کی اجازت نہ ہوگی تعلیم میں کمال سختگیری ہوگی
تو لڑکے کا دل بجہہ جائیگا تیزی طبیعت جاتی رہیگی۔ زندگی تلخ ہو جائیگی۔ پہر وہ ایسے
حیلے ڈہونڈنے لگیگا کہ جس سے بالکل کچہہ نہ سیکہے گا۔ سب سے مقدم کام یہ ہے کہ وہ اپنے والدین
اور اُستاد کی اطاعت کیا کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لڑکوں کی تربیت ابتدا میں بہت ضروری ہے کیونکہ اُس وقت
اُس میں سب طرح قابلیت ہوتی ہے خیر و شر دونو سیکہہ سکتا ہے۔ اور اُس کا اختیار ماں باپ کو ہے کہ پہلے
اُسکی تربیت اچہی کریں تاکہ نیک باتیں اُسکے دل میں پتہر کی لکیر ہو جائیں نہیں تو پہر اُس کا سمجہانا ایسا ہوگا
جیسے کہ خشک مٹی دیوار پر نہیں ٹہرتی اُتر جاتی ہے +

(۹) عدالت

اوپر بیان ہوا ہے کہ عدالت اُس حالت و قوت نفس کا نام ہے کہ شہوت و غضب اُس کے محکوم ہوتے ہیں اور وہ

اُن کی حاکم ہوتی ہے اور حکمت و اعتدال کے موافق اُن قوا کا انضباط کرتی ہے پس عدالت تمام فضائل سخاوت شجاعت و عفت کی جان ہے۔ عدالت کے تحت میں بارہ انواع ہیں۔ اول صداقت جو عبارت دوستی صادق سے ہے اور صدق محبت کی علامت یہ ہے کہ جو انسان اپنے لئے نہ پسند کرے وہ دوست کے لئے بھی نہ پسند کرے اور جو اپنے حق میں چاہے وہ اُسکے حق میں بھی چاہے۔ دوم اُلفت وہ یہ ہے کہ کسی طائفہ کی آرائے اور عقائد ایک دوسرے کی معاونت میں متالف اور موافق ہوں۔ سوم وفا یہ ہے کہ وعدہ کو پورا کریں اور حقوق کو ادا۔ چہارم شفقت وہ عبارت اس سے ہے کہ جب کسی پر کوئی ناملائم بات واقع ہو تو اُس سے انفعال ہو اور اوس کے دور کرنے میں قصر ہمت نہو۔ اور یہ سمجھیں کہ

بنی آدم اعضاے یک دیگراند		کہ در آفرینش زیک جوہراند	
چو عضوے بدرد آورد روزگار		دگر عضوہا را نماند قرار	
تو در محنت دیگراں بے غمی		نشاید کہ نامت نہند آدمی	

پنجم صلہ رحم اسے کہتے ہیں کہ اپنے یگانوں کو ثروت و رفاہیت میں اپنے ساتھ شریک کرے۔ ششم مکافات یہ ہے کہ جو نفع کسی سے پہنچے مثل اُسکے یا اس سے زیادہ اُسکے مقابل میں پہنچاوے اور اگر ضرر پہنچے تو کمتر بدلہ لے۔ ہفتم حسن شرکت یہ ہے کہ معاملات اس طرح کرے کہ شرکا کی انحراف خاطر کا سبب حتی الامکان نہو اور قانون عدالت کی محافظت ہو۔ ہشتم حسن قضا یہ کہ آدمیوں کے حقوق ادا کرے اور اپنے تئیں منت و ندامت سے دور رکھے۔ نہم تودد یہ ہے کہ برابر والوں اور بڑوں کی دوستی طلب کرے بطیب کلام و انعام و اکرام اور اور اسباب کہ جس سے جلب محبت ہو۔ دہم تسلیم احکام الٰہی اور نوامیس شرعی سے راضی ہو گو وہ طبیعت کے ناموافق ہوں۔ یازدہم توکل جن امور میں کہ بشر کو مقدرت نہو۔ اور جنمیں اندیشہ کو مجال تصرف نہو۔ اس میں زیادت و نقصان و تعجیل و تاخیر نہ طلب کرے اور توکیل بہ نعم الوکیل کرکے خیالات فضول سے کنارہ کرے۔ ارادت حق کے ساتھ اپنی ارادت کو قائم رکھے۔ وساوس نفسانی سے دل کو خالی کرے جس سے طمانیت حاصل ہو۔ دوازدہم عبادت کہ خدا تعالیٰ کی تحمید و تعظیم کرے اور معاصی سے احتراز کرے +

اب انتظام معاش کے امور تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اول متعلق قسمت اموال و کرامات کے۔ دوم متعلق معاملات و معاوضات کے۔ سوم متعلق تادیبات (تعلیمات) سیاسات (تعزیرات) عدالت میں حفظ مناسبت جو وحدت کی طرف راجع ہو ہوتی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں مناسبت اس طرح دیکھی جاتی ہے کہ اول میں یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص اس مال یا کرامت سے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسا کہ کوئی اور شخص ہم رتبہ اسکا مثل اسکی نسبت مال یا کرامت سے رکھتا ہے۔ پس اگر یہ کرامت اسکا حق ہو اسمیں زیادتی یا نقصان واقع ہو تو اس کا تلافی و تدارک ہونا چاہیے۔ دوسری میں مناسبت ہوتی ہے کہ اس نجار کی نسبت اس کرسی کے ایسی ہے جیسے کہ اس بزاز کو اس جامہ سے تو کرسی اور جامہ کے معاوضہ میں کوئی ظلم نہیں ہے یا یوں کہیں کہ کہ اس کرسی کی زر سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے کہ اس زر کی نسبت جامہ سے یا کرسی کی زر سے وہ نسبت ہے جو جامہ کو زر سے تو کرسی و جامہ کے معاوضہ میں کوئی ظلم نہیں ہے۔ سوم یہ کہیں کہ اس شخص کو اپنے رتبے سے وہ نسبت ہے جو دوسرے شخص کو اپنے رتبے سے۔ پس اگر شخص اول کو دوسرے شخص سے ضرر پہنچے یا اسپر ظلم ہو تو اسکے سبب سے مکافات و تدارک کرنا چاہیے کہ جس سے عدالت قائم رہے۔ پس عدالت کے قائم رکھنے کے تین طریقے ہیں۔ اول شریعت الٰہی۔ چونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اس کا تعیش بے معاونت و مشارکت کی صورت پذیر نہیں ہوتا۔ مشارکت و معاوضت ضرور ہے۔ درزی جلاہے کے واسطے کپڑا سئے اور جلاہا درزی کے واسطے کپڑا بُنے۔ اور علیٰ ہذا القیاس جب یہ اشیا مختلف الماہیت آپس میں بے توسط کسی امر وحدانی کی محکم اعتبار دونوں طرف کا ہو منتظم نہیں ہوتا اسلیئے حاجت توسط روپیہ کی ہوئی اسکو عادل متوسط کہتے ہیں لیکن یہ عادل صامت ہے۔ وہ عادل ناطق کا محتاج ہے۔ وہ بادشاہ عادل ہے جسکی تائید شمشیر کرتی ہے۔ اگر کوئی عدالت دینار کا مطیع نہیں ہوتا اور اپنے حق سے زیادہ طلب کرتا ہے اور اپنی حد مستقیم سے باہر قدم رکھتا ہے تو شمشیر قاطع اسکو سر راہ کرتی ہے۔ پس فقط عدالت کی تین صورتیں ہیں ایک شریعت مقدسہ الٰہی۔ دوم بادشاہ عادل۔ سوم دینار۔ چنانچہ حکما کہتے ہیں کہ ناموس اکبر شریعت الٰہی ہے ناموس دوم سلطان کہ تابع شریعت ہو۔ مشہور ہے کہ الدین والملک توامان ناموس سوم دینار۔ ناموس کے معنی لغت میں تدبیر و سیاست کے ہیں اس طرح سے جائر یعنی جور کرنے والے تین ہیں اول جاہل اعظم یعنی جو

ناموس الٰہی کی اطاعت نہیں کرتا وہ کافر و فاسق ہے دوم جائر اوسط کہ بادشاہ زمان کی اطاعت نہیں کرتا اسکو باغی طاغی کہتے ہیں سوم جائر اصغر کہ راہ عدالت جو مقتضاء دینا ہے نہیں چلتا اور اپنے حق سے زیادہ طلب کرتا ہے اسکو خائن و سارق کہتے ہیں ارسطاطالیس کا قول ہے کہ عدالت فضیلت کا جزو نہیں بلکہ کل فضیلتیں ہیں اور جور جو اسکے مقابل ہے وہ رذیلت کا جزو نہیں بلکہ کل رذیلتیں ہیں اول عدالت متعلق بذات شخصی و راستی قواء کی ہے دوم شرکاء اور اہل منزل یعنی جو لوگ اسکے ساتھ گھر میں رہتے ہیں سوم اہل مدینہ (جو انکے ساتھ شہر میں رہتے ہیں) کے ساتھ حکماء تمثیل کے طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ جو چراغ اپنے نزدیک کی چیزوں کو روشن نہیں کرسکتا بطریق اولی دور تر کو روشن نہیں کرسکے گا یعنی جو شخص اپنے نفس کی اصلاح حال نہیں کرسکتا۔ قواء بدن و جوارح و آلات جسمانی میں عدالت سے عاجز ہو اسے اہل منزل و مدینہ کے ساتھ عدالت متصور نہیں ہوسکتی جب کوئی شخص اپنے بدن اور اپنے قواء میں عدالت کرسکتا ہے۔ اور افراط اور تفریط سے مجتنب رہتا ہے وہ بنی نوع جو اہل منزل و مدینہ ہوں اُن کے ساتھ بطریق عدالت سلوک ہوسکتا ہے۔ وہ خلیفہ الٰہی ہوسکتا ہے۔ حکما کہتے ہیں کہ جب مصالح انام کی زمام ایسے بزرگوار کے قبضہ اقتدار اور اختیار میں ہوتی ہے تو زمانہ نورانی ہوتا ہے اور اوس کے روزگار ہمایوں کے میامن سے کھیتی و نسل میں برکت ہوتی ہے۔ ارسطاطالیس نے عدالت کو تین طرح سے تقسیم کیا ہے ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی عبودیت کے حق ادا کرنے کے واسطے ہو کہ جسکی جود نے خلعت وجود بے وسائل استحقاق ہر موجود کو پہنایا ہے۔ ذرات ممکنات کو لطف الٰہی کے خزانہ سے نعمتیں نا متناہی عطا فرمائی ہیں اسلیے عدالت کا مقتضاء یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے جو حقوق بندہ پر ہیں اُن کو بطریق افضل ادا کرے۔ سوم عبودیت کی عبادت میں کوئی دقیقہ نامرعی نہ رکھے۔ دوم بنی نوع کی مشارکت سے متعلق ہے جیسے تعظیم سلاطین و تکریم علماء اور ائمہ دین و ادائے امانات اور معاملات میں انصاف سے متعلق ہے۔ سوم حقوق اسلاف کے ادا کے قیام کے واسطے جو باتیں ضروری ہوں جیسے قرضوں کا ادا کرنا اُن کی وصیتوں کا نافذ کرنا اسی قسم کی باتیں اور عدالت سے بہتر کوئی فضیلت نہیں ہے اسلیے حدیث مصطفوی ہے کہ عدل ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ یعنی ایک ساعت کا عدل ستر برس کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ ایک ساعت عدل کا

تمام عباد و بلاد میں پہنچتا ہی اور مدتوں رہتا ہی۔ عبد اللہ بن المبارک رح کا قول ہی کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میری ایک دعا قبول ہوگی تو میں وہ اصلاح حال بادشاہ کے لئے کروں تا کہ اُس کا نفع عموم خلائق کو پہونچے۔ بناے عدالت کی اساس ان دس قاعدوں پر بادشاہ کو رکھنی چاہیے۔ اول جب کوئی قضیہ واقع ہو تو بادشاہ یہ فرض کر لے کہ میں رعیت ہوں اور دوسرا بادشاہ اس سبب سے جو اپنے اوپر نہ گوارا کریگا۔ وہ رعیت پر جائز نہ رکھے گا۔ دوم ارباب حاجات کو منتظر نہ رکھے اور اُسی پر حذر رہے۔ ارسطو نے سکندر کو نصیحت کی تھی اگر تو خدا تعالیٰ کی اعانت چاہتا ہی تو فریاد خواہوں کی دادرسی میں جلدی کر۔ سوم شہوات و لذات جسمانی میں مستغرق نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ملک میں یہی سبب فساد کا قوی تر ہوتا ہی۔ بلکہ اوقات راحت اور فراغت میں سے بھی کچھ مملکت و مصلحت رعیت میں صرف کرنا چاہیے۔ ایک حکیم نے بادشاہ کو نصیحت کی تھی کہ خواب غفلت میں تو ایسا نہ سو کہ ملک میں اور لوگ جاگیں اور تیری شکایت خدا کی درگاہ میں کریں اتنا مت سو کہ عمر تباہ ہو جائے۔ دولت اور عمر کا حال آفتاب کا سا ہی کہ صبح کو کسی دیوار اور شام کو کسی دیوار پر۔ ایسا کر کہ دنیا کو تو کھائے نہ یہ کہ دنیا تجھے کھائے۔ چہارم یہ کہ بناء کار کو رفق اور مدارا پر رکھے نہ عنف و قہر پر۔ پنجم رضاء خلق رضاء حق میں طلب کرے۔ ششم رضاء خلق کے لئے عوض حق سے مخالفت نہ کرے۔ ہفتم جس وقت خلق حکم طلب کرے تو عدل کرے جب رحمت طلب کرے تو ہشتم اہل حق کی صحبت پر مائل ہو۔ مواعظ و نصائح سے منقبض نہ ہو۔ نہم ہر شخص کو اپنے استحقاق پر قائم رکھے اور فقط اسی پر قناعت نہ کرے کہ آپ ظلم نہ کرے۔ بلکہ سیاست ملک میں ایسی رکھے کہ عمال و لشکری و رعایا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کر سکیں۔ عدالت کے بعد فضل و احسان ہی۔ اب اُس میں لوگ گفتگو کرتے ہیں کہ تفضل محمود نہیں ہے اور داخل عدالت نہیں اس واسطے کہ عدالت کے معنی مساوات کے ہیں اور تفضل کے معنی زیادتی کے ہیں اور حد اعتدال سے خارج ہونا خواہ افراط کی طرف ہو یا تفریط کی طرف مذموم ہی اسلئے چاہیے کہ تفضل مذموم ہو۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہی کہ تفضل عدالت کی احتیاط کا نام ہی کہ جس سے وقوع نقصان الستان ممکن ہوتا ہی۔ توسط میں احتیاط تمام ملکات میں اسیطرح ہوتی ہی مثلاً سخا میں جو وسط اسراف و بخل کے درمیان ہے زیادہ کی طرف میل سخا کی احتیاط کی رعایت ہے اور یہی

عفت کہ ثمرہ وخمود کے درمیان وسط ہے میل نقصان کی طرف عفت کی احتیاط ہے تفضل جب تک متحقق نہیں ہوتا کہ اُس میں شرائط عدالت کی رعایت نہ پائی جائے۔ اول استحقاق کی رعایت کی جاتی ہے۔ پھر اُس میں احتیاط اور استظہار کے واسطے زیادتی اُنہیں کی جاتی ہے۔ اگر تمام مال بغیر مصرف استحقاق صرف کرے تو وہ متفضل نہیں کہا جائیگا بلکہ مبذر۔ پس تفضل اس عدالت کا نام ہے جو اختلال سے امین ہو اور متفضل وہ عادل ہے جو عدالت میں محتاط ہو۔ اُسکو شرف اسی سبب سے ہے کہ اُس سے عدالت میں مبالغہ اور احتیاط ہوتے ہیں وہ عدالت سے خارج نہیں ہوتا۔ حکما کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اگر آدمیوں میں علاقہ مودت ورابطہ محبت مستحکم ہوتا تو سلسلہ عدالت کی احتیاج نہ ہوتی اسواسطے کہ اہل معاملہ محبت باہمی کے سبب سے ایثار ایک دوسرے پر کرتے اور غیر کے حق میں طمع نہ کرتے حقیقت میں رابطہ محبت اتم رابطہ عدالت سے ہے کیونکہ ایک وحدت جبلی طبعی ہے یعنی محبت بمقتضائے طبع ہے اور اکتساب سے اُسکو تعلق نہیں ہے اور عدالت وحدت قہری قسری ہے یعنی طبیعت کو اُسپر بزور لاتے ہیں اور جبر کرتے ہیں اُس کا صادر ہونا انسان کے اختیار میں ہوتا ہے اور وہ امر طبعی سے مغلوب ہوتی ہے۔ عدالت بے محبت کے منتظم نہیں ہوتی پس بادشاہ کو مطلق محبت ہونا چاہیے اور عدالت کو اُس کا نائب بنانا چاہیے۔ عدالت جامع جمیع کمالات کی ہے اور ظلم کہ اُس کے مقابل ہے جمیع نقائص کا جامع ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری کا قول ہے کہ ہرچند آزار نہ گناہ اسواسطے کہ گناہ ظلم ہوتا ہے یا اپنے نفس پر یا دوسرے پر ؎

مباش در پے آزار ہرچہ خواہی کن که در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

غرض سب کا سب کا اسپر اتفاق ہے کہ راحت پہنچانے کے استحسان پر اور آزار پہنچانے کے منع کرنے پر قدرت عدالت سے حاصل ہوتی ہے۔ عادل اپنے تمام قوتوں کی تعدیل کرتا ہے جس سے تمام افعال اُسکے بحکم عقل نہج اعتدال پر واقع ہوتے ہیں کوئی قوت اُس حصہ سے کہ عقل نے اوسکے واسطے تجویز کیا ہے نہیں بڑھتی اور ایک دوسرے پر غلبہ نہیں کرتی اور بعد ازاں بنی نوع کے ساتھہ تمام معاملات میں عایت کا طریقہ ختیار کرتی ہیں۔ اکثر اوقات نظر اوسکی فضائل کے حاصل کرنے پر رہتی ہے۔ کوئی امر مقصود نہیں ہوتا مگر یہ جمعیت اُسوقت میسر ہوتا ہے کہ نفس کو ہیأت نفسانی حاصل ہو کہ مقتضائے تادیب کلی ہوا ہو کہ تمام آثار و افعا

اسکے حلیہ اعتدال سے متحلی ہوں اور عیب اختلال سے خالی ہوں۔ اُن آدمیونکو عادل نہ جانو جو ریا و سمعت کے سبب سے یا جلب قلوب عوام کے لئے یا ازدیاد جاہ و مال کے لئے عدل کرتے ہیں

(۲) عربی زبان میں اصل معنی ظلم کے بیجا کام کرنے کے اور عدل کے معنی بجا کام کرنے کے ہیں میزان حق کی درست رکھنے کو بھی عدل کہتے ہیں۔ خود اپنی ذات اور دوسرے شخص کے درمیان یا دو غیر شخصوں کے درمیان کوئی معاملہ و تنازعہ ہو تو نفس الامر میں حق کی حد سے آدمی پاؤں باہر نہ رکھے اور نہ اپنی ذات کی نہ متخاصمین میں سے کسی شخص کی طرفداری بہ سبب رشوت کے یا آشنائی و دوستی یا کسی اور نسبت کے سبب سے نہ کرے اور یہ سمجھے کہ ایک شخص کی دوستی کرنا خدا کو دشمن بنانا ہے اور ایک کی طرف منہ کرنا خدا کی طرف پیٹھ کرنی ہے۔ اپنے اسباب عیش کے درست کرنے کے واسطے لوگونکو دل شکستہ نہ کرے اور اپنے نفس کی مراد کے بر لانے میں اوروں کو نامراد نہ کرے اپنی کام زندگانی کی شیرینی کے لئے اوروں کی ناکامی سے زندگی تلخ نہ کرے غرض جو کچھ اپنے اوپر نہ پسند کرے وہ دوسرے پر روا نہ رکھے اور خلق خدا کے ساتھ اپنا حساب پاک رکھنے کے لیے حق تلفی نہ کرے اور اپنا داغ کسی کے دل میں نہ لگائے +

(۱۰) شجاعت

قوت غضبی کے انقیاد کی ملکہ کا نام شجاعت ہے کہ نفس ناطقہ کو مہالک و مخاوف میں ثابت قدم رکھے تزلزل کو اس میں راہ نہ دے اور رائے صحیح کے مقتضاء کے موافق عمل کرے اُسکی افراط کا نام تہور اور تفریط کا نام جُبن ہے۔ اب شجاعت کے ماتحت یہ گیارہ صفتیں ہیں۔ اول کبر نفس کہ آدمی کا نفس سب حالتوں میں یکساں رہے نہ بزرگی و خواری کی پروا کرے نہ تونگری و تنگدستی کا خیال غنی و فقیر میں اُسکی ہیچ فہم کسیکی تو متاثر نہو۔ اور احوالات کے انقلاب سے تبدل و انتقال و تاثر و انفعال کو اپنے میں راہ نہ دے۔ ایسا شریف ہے کہ معارج پر عروج اسی سبب سے ہوتا ہے۔ دوم نجدت وہ وثوق نفس کا نام ہے۔ اپنے ثبات پر کہ خطرہ کے وقت اور ہولناک واقعات میں جزع فزع نہیں کرتا۔ اور حرکات نامنتظم اُسے صادر نہیں ہوتیں۔ سوم علو ہمت یہ کہ جمال حقیقی و کمال نفسانی کی طلب میں نفس منافع و مکارہ اس دنیا کے ملحوظ نظر انسان نہ ہوں نہ اُن کے پانے سے شادمانی نہ اُن کے جاتے رہنے سے غمگین ہو۔ یہانتک کہ مرنے کا بھی خوف نہ ہو

چہارم ثبات آلام اور شدائد کی مقاومت کی قوت ایسی ہو کہ اُن کی تاثیر زیادتی کے ساتھہ نہ ہونے دے
پنجم حلم مغلوب غضب جلد نہ ہو یا بالکل نہ ہو۔ ششم سکون خصومات و محاربات میں کہ حرمت دین و ملت
یا حشمت کے لئے نفس و عصبیت کے لئے ضرور ہو اُس میں خفت نہ کرے۔ ہفتم شہامت وہ نفس کی حرص کا
نام ہو جو ایسی امور عظام کے سبب سے ہو کہ ذکر جمیل اور اجر جزیل ملے۔ ہشتم تحمل آلات بدنی کو اکتساب
فضائل حمیدہ و شمائل پسندیدہ میں بے تکلف استعمال میں لانے کا ملکہ ہو۔ نہم تواضع کہ جو لوگ جاہ
میں اپنے سے فروتر ہوں اُنسے اپنے تئیں برتر نہ سمجھے اور یہ جانے کہ افراد انسانی امور فطری میں اشتراک
رکھتے ہیں اور نقص و افتقار و صفات عجز و اضطرار میں سب ایک ہیں۔ دہم حمیت مذہب اور اپنی عزت
کے رکھنے میں آدمی ڈھیل نہ کرے اور سعی پرلے درجہ کی کرے۔ یازدہم رقت اُس ملکہ کا نام ہے کہ اپنے
ہم جنسوں کے درد اور رنج کے دیکھنے سے نفس اثر پذیر ہو اور دل میں درد ہو مگر افعال میں کوئی اضطراب
نہ پیدا ہو۔ شجاع حقیقت میں وہ شخص ہوتا ہے کہ افعال شجاعت بمقتضائے حکم عقل اُس سے صادر ہوتے
ہیں غرض اصلی اُسکی نفس فضیلت ہوتی ہے۔ اُسکو امر قبیح کے ارتکاب کا خوف مرنے کے خوف سے
زیادہ ہوتا ہے۔ اور قتل جمیل اُسکے نزدیک حیات مذموم سے اچھا ہوتا ہے کہتے ہیں (آگ قبول ہے ننگ قبول
نہیں) جیسے ذات حسین کا عمر آدمی پر گراں نہیں معلوم ہوتا ایسا ہی اُسکے نزدیک امور بزرگ و عالی کے
لئے جان دینی کچھہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگرچہ ابتدا میں شجاعت کی لذت کچھہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ ہلاکت کا
خوف ہوتا ہے لیکن آخر میں لذتیں اور منافع اُسکے دیکھنے میں آتے ہیں۔ خصوصاً حمایت دین اور
تقویت شرع مبین میں آدمی اپنی جان لڑا دیتا ہے۔ عاقل جانتے ہیں کہ جنگ میں بھاگنے سے جان نہیں بچتی
بدل قرار میں اُس چیز کی بقا طلب کرتے ہیں کہ قابل بقا نہیں ہے۔ اگر بالفرض چند روز مہلت زندگی ہوئی بھی
تو نامردی و جبن کا ننگ و عار اور بیغیرتی اور ہمسروں کی طعن و تشنیع عیش و حیات کو تلخ و مکدر کر دیتا ہے
مرگ با فضیلت شجاعت و ذکر جمیل و اجر جزیل کے ساتھہ اُس زندگانی سے بہتر ہے کہ ننگ و عار کے ساتھہ حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔ اے آدمیو جو تم قتل نہ ہو گے تو بھی بتحقیق مر جاؤ گے قسم ہے خدا کی کہ ہزار ضرب شمشیر کی
سر پر کھانی اُس سے بہتر ہے کہ آدمی بستر پر مرے۔ مردوں کی طرح جان کا دینا عورتوں کی طرح جینے سے

اچھا ہی شجاع کی تعظیم و تکریم ہر شخص پہ واجب ہے خصوصاً بادشاہوں پر کیونکہ یہ کریم النفس بازار کارزار میں معاملات کرتے ہیں۔ جان کو سپر تیر بلا بناتے ہیں اعدائے دولت سے مقابلہ و مقاتلہ کرتے ہیں۔ بادشاہ کو چاہیے کہ اموال اور اسباب میں اُن سے مضائقہ نہ کرے اور اُن کی تھوڑی سی خطا پر عتاب نہ فرمائے۔ وہ جماعت کہ خوف فقر سے یا زوال مال و جاہ سے یا اور مصیبتوں کے رنج و تعب کے سبب سے خودکشی کرتے ہیں وہ شجاع نہیں ہوتے بلکہ بزدل ہوتے ہیں۔ کیونکہ شجاع سب حال میں صابر ہوتا ہی۔ تحمل شدائد پر قادر ہر صورت میں اضطراب سے متحفظ۔ خودکشی مقتضائے جبن و ضعف ہی۔ بعض اوقات افعال شجاعت کے مشابہ فعل غیر شجاعوں سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ ایک جماعت ایسی ہوتی ہی کہ خطرناک جنگوں میں اور خوفناک کاموں میں قیام کرتی ہی۔ اُسے غرض طلب مال یا جاہ یا اور اسی قسم کے مطلب ہوتے ہیں اور ان کاموں کے کرنے کا باعث حرص مطلوب ہوتی ہی۔ نہ ملکہ شجاعت بعض عیار تحمل ضرب شدید اور حبس مدید کرتے ہیں بلکہ قطع اعضا اور ایذا قتل کرتے ہیں تاکہ اُن کا نام اُن کے ابنائے جنس میں ہو جائے جو اُن کے ساتھ رذائل میں شریک ہیں یا بعض وقت اقارب کی دفع ملامت کے واسطے یا خوف سلطانی سے یا مثل اس کے اور سببوں سے اُن افعال پر اقدام کرتے ہیں یا بعض دفعہ اتفاق سے ظفریاب ہو جاتے ہیں یہ لوگ شجاع نہیں ہوتے۔ بلکہ شجاع وہ شخص ہے کہ اُس کا قصد سوا اس ملکہ فاضلہ کے کوئی اور نہ ہو۔ سباع و شیر وغیرہ کے افعال بھی شجاعت سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن وہ شجاعت سے جدا ہیں اول اس سبب سے کہ اُن کو اپنے تفوق غلبہ پر وثوق ہوتا ہی اور بالطبع مشتاق غلبہ کے ہوتے ہیں پس اُن کا اقدام افعال پر بہ نسبت غلبہ قدرت کے ہوتا ہی یہ نسبت شجاعت سوا اس کے وہ ہمیشہ محاربہ اپنے کمزور سے کرتے ہیں جن سے وہ قوی و سلاح میں زیادہ ہوتے ہیں یہ کام افعال شجاع میں داخل نہیں +

(۱۰) جوانمردی

اے جوانمرد تو جو راہ سود و زیان میں سر پر کھیل کر میدان جنگ میں بستہ میان جاتا ہی۔ تو صدق نیت سے خدا کے واسطے جا۔ نہ کسی غرض و طمع کے لیے۔ نہ اس لیے کہ تو لاف و غرور کیا کرے۔ اپنی تعریف میں دم مارنا اور شور و فغاں کرنا مردانگی نہیں ہے۔ اگر یہ بہادری ہو تو باز رہیں ایک زال بھی رستم سے بہتر ہے

تو میدان جنگ میں دشمنوں کی صفوں کی جان نکال مگر اُس کو زبان پر نہ لا زبان تیغ کو دیکھ کر جو کچھ وہ کرتی ہی کچھ نہیں کہتی۔ یہ ادب تلوار سے سیکھ۔ جیسے ایک نیام میں دو تلواریں آدمی نہیں رکھ سکتا اسی طرح ایک شخص تیغ آہنی اور تیغ گوشتین (زبان) کو نہیں چلا سکتا۔ جو کیا ہو اُس کی شیخی نہیں مارنی چاہیئے۔ نہ یہ کہ نہ کیا ہو اُس کی لاف زنی کرو۔ باز بن کر بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھو جو سو چند کرتا ہی اور کچھ نہیں کہتا ہی۔ مرغیاں بن کر غل نہ مچاؤ جس سے خاک میں لوٹو۔ بعض ڈینگ مارنے والے سپاہی جب شراب پیتے ہیں تو بیل مست اپنے تئیں کہتے ہیں مگر جب حریف کے سامنے آتے ہیں تو ستون کی طرح لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں نشہ میں شیر گیر ہونے سے کچھ نہیں حاصل ہوتا معرکہ جنگ میں شمشیر گیر ہو۔ جو مست کوچہ گلیوں میں لاف جنگ مارتے ہیں وہ لڑکوں کے ہاتھ سے زخم سنگ کھاتے ہیں۔ مرد مردمی سے نر ہوتا ہی اور اپنی قوم و مذہب کو سربرتر کرتا ہی۔ جو مردان غیور اپنی جان کی پروا نہیں کرتے اور اُس سے کوئی غرض و طمع نہیں رکھتے۔ کچھ اپنی دخل و آمدنی کی افزائش کے واسطے نہیں لڑتے وہ تلوار سر پر کھاتے ہیں اور خنجر کے آگے سینہ بچھاتے ہیں تاکہ زندگی جاوید حاصل ہو۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو اعمال نامہ ہمارا دریا سے سفید نہیں ہو سکتا وہ تلوار سے جو ہمارا ایک قطرہ خون نکلے گا اُسے دھو دیگا۔ اگر میدان مصاف میں یہ نہ ہو اور صرف لاف ہو تو وہاں کا مرنا مردار ہونا ہی۔ یہ جو سپاہی اور غازی رسمی ہوتے ہیں وہ تجارت کے لئے جنگ میں جاتے ہیں انکا حال ایسا ہی جیسے حاجی کا جو تجارت کے لئے جائے۔ تجارت گاہ کے رستہ میں کعبہ آیا حج بھی کیا۔ اگر غزا کی جزا چاہتے ہو اور اُسمیں کوئی غرض و مطلب نہ رکھتے ہو تو وہ ایک تجارت گری ہی مردانگی اور دلاوری نہیں۔ جو جوانمرد ہیں وہ خود اور خود نما نہیں ہوتے بلکہ خدا کو دیکھتے ہیں۔ مرد اگر سر و تن کو زیبائش دیں تو ہر زن آراستہ بہمن سے جو دلیر ہیں وہ اسباب جنگ کی پروا نہیں کرتے۔ اُن کے دو ہاتھ ہی بڑے اسباب جنگ ہیں اگر اُن پاس تیر نہ ہو تو وہ اپنی انگلی ہی کو تیر بناتے ہیں اگر تیغ مشت میں نہ ہو تو مشت ہی اُن کی تلوار ہی۔ اگر جوانمرد اپنی عروسانہ آرائش کریں تو تلوار اُن کے واسطے آئینہ اور نیزہ کنگھا ہے۔ جو مرد آہنی دل اور رویین تن ہیں نہ اُن کو زرہ کی حاجت ہے نہ جوشن کی۔ وہ تلوار اور شیر کی طرح برہنہ کارزار میں جاتے اگر مرد بازو

ہتیاروں کے لوہے کے بوجھہ سے سومن کے ہو جائیں تو اُس سے کیا کام نکلتا ہی جب میدان جنگ میں جاؤ تو آسے
ہلکے ہتیار لے جاؤ کہ جس سے تم خود بوجھہ کے نیچے نہ دب جاؤ۔ اور دشمن کے ہاتہہ سے سر اُڑ واؤ۔ گوزن کے سینگ تیز
کے ہیں۔ شیر کے ایک انگشت ناخن ہیں نہنگ بے جوشن ہی مگر پانچ سو من کی مچھلی اُس کا کچھہ نہیں کر سکتی کیونکہ
کا دل ترساں ہی اسلئے وہ سر درگریباں ہوتا ہی جو شخص میدان جنگ میں لڑائی سے زرد و کبود ہوتا ہی
اُسکو خود و زرہ اور تیغ کبود سے کیا حاصل ہی۔ میدان کارزار میں ایک آدمی کا زرد رو ہونا سو جنگ جو کو
زرد بناتا ہی جس مرد کا رو جنگ سے زرد ہو وہ عورت ہے اُسکے مُنہ پر غازہ مل کر سُرخ رو بنانا چاہیئے۔
نامردوں کا مُنہ اس سبب سے زرد ہوتا ہی کہ اُسکے رخ سے خون خوف کے مارے بھاگ جاتا ہی پس جس کے
چہرہ سے خون بھاگ جاوے وہ میدان جنگ میں کیا ٹہیر سکتا ہی۔ کم حوصلہ آدمیوں کے ہاتہہ میں تیغ تیر۔ سپر
لرزنے لگتی ہیں۔ وہی صف کے سردار ہونے کے لائق ہی جو تلوار کے واسطے ہمہ تن سر بن جاتا ہی۔ بادشاہوں
کی حمایت سے میدان جنگ میں روباہ لنگ بہی شیر ہو جاتی ہی۔ جو لڑائی میں ایستادہ ہی وہ اگرچہ ضعیف ہے
مگر توانا تر ہے۔ بیضہ اگر اپنے نشیمن پر کہڑا ہو تو ہاتہی کے پاؤں سے نہیں ٹوٹتا۔ یاد رکھہ حملے
بے صرفہ لڑائی میں نہ کر اس سے نامرد دشمن بہی مرد ہو جاتا ہی۔ اگر تو جنبش کو دکانہ دشمن پر کریگا تو تجہہ پر دوست
لعن و طعن کرینگے اور دشمن طعن مارینگے۔ دشمن ناچیز کو خوش ہنجاری سے مارنا چاہیئے۔ پشہ کو ہاتہہ سے
مارنا چاہیئے نہ گرز سے جب پشہ تجہہ پر نیش زنی کرے اور تو اُسکو خنجر سے مارے تو تو اپنے تئیں ضرر پہنچایگا
کرگس کو تیر سے مارنا چاہیئے۔ باز کے مارنے کے واسطے تو تہوڑا سا سرکہ کافی ہی جو مرد میدان ہیں وہ
میدان کارزار کو گلزار سوسن و گل کا جانتے ہیں اور روز وغا میں اپنے جلوے دکہاتے ہیں اور شاہین کی
طرح اُڑتے ہیں ان کی پیٹھہ نہیں دکہائی دیتی۔ اگر وہ دلاور پیٹھہ بہی دکہاتے ہیں تو اوروں کے مُنہ سے
زیادہ کام کرتے ہیں۔ پیٹھہ دکہانے میں وہ دشمن کو دہوکہ دیتے ہیں افسوس ہی اُس مرد پر کہ وہ اوروں کی
مدد نہ کرے۔ یا میدان جنگ سے بہاگ کر عورت بن جاے۔ جو تجہہ سے مغلوب ہو جاوے اوس کو مارنا مردانگی
نہیں جو شجاع فرزانہ ہی وہ عاجزوں کے مارنے کو مردانگی نہیں جانتا۔ جو بہادر بستہ ہو اُسکو نہ مارے مرد
نبرد آزما اُسی کو مارتا ہے جس کے مارنے میں رضاء خدا جانتا ہے ٭

(۱۱) عفت

جنس عفت کے ماتحت بارہ نوع ہیں اول حیا اس سے مراد ہے کہ جب نفس کو قبح قبیح سے آگاہی ہو تو اس قبیح امر کے ارتکاب کے پاس نہ پھٹکے جس سے وہ نکوہش و ملامت کا سزاوار نہ ہو۔ دوم رفق اس انقیاد نفس کا نام ہے کہ جس سے لوگوں پر احسان ہو۔ سوم حسن ہدی۔ وہ نفس کی کمال رغبت استکمال کی طرف۔ چہارم مسالمت جب آرا مختلف اور خواہشہائے متفرقہ ہوں تو اس وقت ایسی باتیں کرے کہ باہم صلح ہو۔ پنجم ہمت وہ سکون نفس حرکت شہوت کے وقت ہے۔ ششم صبر مقاومت نفس کا نام ہے جو ہوائے نفسانی سے کرتی ہے تاکہ لذات قبیحہ کی مزاولت اس سے صادر نہ ہو۔ صبر کی دو قسمیں ہیں کہ ایک مطلوب ہے دوم صبر مکروہ یہ دوسری قسم کا صبر قوت غضبی سے تعلق رکھتا ہے۔ حدیثیں مشہورہ ہیں کہ الصبر مفتاح الفرج۔ النصر مع الصبر۔ حکمائے فرس اپنی ہیاکل و معابد میں لکھ کر لٹکاتے ہیں کہ آہن طبعاً عاشق مقناطیس ہے ایسے ہی ظفر طوعاً طالب صبر ہے۔ ہفتم قناعت وہ استخفاف نفس کا نام ہے جو مآکل و مشارب و ملابس وغیرہ میں ہو اور بقدر ضرورت پر اکتفا ہو۔ بوجہ استہانت نہ بوجہ حرص جمع مال کہ جس کو تقتیر کہتے ہیں وہ شرعاً و عقلاً مذموم ہے بخلاف اول کے کہ وہ بکمال محمدت ہے۔ سوم ہشتم وقار۔ وہ اطمینان نفس کا نام ہے کہ آدمی شتابی سے پرہیز کرے۔ نہم ورع ہے وہ افعال پسندیدہ و اعمال نیک کے ساتھ نفس کی ملازمت کا نام ہے۔ دہم انتظام نفس کو تقدیر امور پر حسب لیاقت و حسب مصلحت ملکہ حاصل ہو۔ یازدہم حریت مکاسب جمیلہ سے اکتساب مال پر اور مال کی صرف کی مصارف فائقہ پر قدرت حاصل ہو۔ اور مکاسب ذمیمہ اور مصارف قبیحہ کے صرف پر امتناع کی طاقت ہو۔ دوازدہم سخاوت ہے وہ ایک ملکہ ہے کہ جس سے آدمی مال کو جہاں چاہے اور جتنا چاہے خرچ کرتا ہے۔

ایک جماعت ایسی ہوتی ہے کہ لذات دنیوی سے اعراض کرتی ہے تاکہ جو چیز ان پاس ہو اس سے اور زیادہ ہو جائے۔ اکثر زہاد کا حال یہ ہے کہ اظہار زہد کو دام تزویر بنا کے عوام کو صید کرتے ہیں اور اس وسیلہ سے اغراض فاسدہ دینیہ و اغراض کاسدہ دنیویہ کے لئے توسل ڈھونڈتے ہیں۔ یا ان کو لذات دنیاوی سے آگاہی نہیں ہوتی جیسے کہ اہل جبال اور ساتیق ہوتے ہیں کہ شہروں سے دور رہتے ہیں۔ اکثر تناول و تعاطی کے سبب لذت

دل بھر گیا ہوتا ہے۔ یا اصل فطرت میں یا کسی حرص کے عارض ہونے سے نقصان شہوت ہوتا ہے یا آلام و امراض ہو یا اطلاع مردم کے خوف سے وہ پرہیز کرتے ہیں اس سبب سے لوگ عفیف نہیں ہوتے۔

(۱۲) سخاوت

ایک سخاوت کی تعریف ہم نے اوپر کی ہے بعض اُس کے کی تعریف ترک لذات شہوت کی کرتے ہیں۔ مگر سخاوت کا اطلاق ہم اکثر روپیہ پیسہ یا کسی اور چیز کے دینے پر کرتے ہیں تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سخا سے بہتر کوئی پیشہ نہیں آدمیوں کے ہاتھ میں سیم و زر دینا اس سے بہتر ہے کہ خاک میں پایا جائے۔ جو چیز خاک میں دبی ہے وہ خاک ہی ہوتی ہے عطا و درم سے در راحت فقرا پر کھول ہاتھ ہیں کو غنچہ کی طرح نہ بند کر بلکہ گل کی طرح کھول کر خرچ کر جمع درم سے قبض ہوتا ہے بذل و کرم سے بسط۔ اپنا حال حقہ کا سا کر کہ وہ زر و مال سے پر ہو یا خالی ہو ایک حال پر رہتا ہے۔ ہمیانی نہ کہ زر و بی زری سے فربہی و لاغری تجھکو ہو۔ ہمیانی جو سیم و زر سے بھری تیری کمر میں بندی ہے وہ زریں کمر بند ہے پس اس کمر بند کو حاجت مندوں کی خدمت کے سوا نہ باندھ۔ اگر کسی کے سر سے بار فقر تو اتارے تو اسکی گردن پر اپنا بار منت نہ رکھ۔ کاہ کو اتارنا کوہ کو رکھنا مناسب نہیں خدا کی طرح عطا بخش ہو کہ کسی شخص پر بار منت اپنا نہ رکھے۔ جو مال و زر تو دے اُسکو بوجہ پسندیدہ دے۔ یہ نہیں کہ ستم کر کے سیم لے اور کمینوں کے آگے خوان کرم بچھائے۔ اس سے بہتر کرم یہ ہے کہ دست ستم کو کھینچ لے جو قحبہ کو بخشنا ہے یا راشی رشوت روپیہ زر بخشنے اُس سے بخل سو درجہ بہتر ہے۔ اسکی جود شرارت سے شر ہے اور بخل اس کا سعادت کا ثمر ہے۔ بہتر ہے کہ زر دمحتاج کو کچھ نہ دے۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ زر تاراج لا کر دے۔ ابر کو چاہیے کہ وہ صحرا میں برسے کہ جس سے سبزہ و گل اُگے۔ دریا میں اس سے کیا فائدہ ہے کہ وہ اسکو اُبلہ زدہ کرے۔ کریم کو چاہیے کہ وہ مسکین کو دے۔ اگر تونگر کو دے گا تو گویا موتیوں کو دریا میں پھینکے گا اہل کرم پُر کو پُر نہیں کرتے اور کم کو کم نہیں دیتے۔ وہ تونگر کو کم دیتے ہیں گدا کو زیادہ۔ ایسے ہی اگر تو اپنا روپیہ دیکر فاسق کو دلشاد کرے تو تو خانہ فسق کو آباد کرتا ہے۔ ظالم کو زر دینا اسکی تیغ ظلم کا زر اندود کرنا ہے۔ غرض جو مستحق ہو اوسکو دو۔ اگر تم اس نظر سے کسی کو دو کہ اُس سے کیا ہاتھ لگا تو یہ سخاوت نہیں ہے بلکہ بیع و شرا یا تجارت ہے جال میں دانہ اسلئے ڈالو کہ مرغ پھنسیں دانہ مرغوں کے لئے انعام نہیں بلکہ دام ہے

تجھے آفتاب کی طرح عطا کرنی چاہئیے کہ وہ سب نشیب فراز میں نفع پہونچاتا ہے اور خود کسی سے متمتع نہیں ہوتا
تو اپنی عطا سے جزا و صیت آوازہ ثنا نہ جاہ ۔ مرد کریم کبھی زر نام کے واسطے نہیں دیتا ۔ سائل کی مدح و
ثنا پر زر دیتا ہے وہ زر دیکر خریدتا ہے ۔ سخی کا نام تو خود برداز کرتا ہے ۔ اوس کا نام خاص و عام کی زبان
پر ہوتا ہے مگر اوس ناموری سے مغرور نہو ۔ بلکہ جانے کہ خدا کے واسطے کرم کرتا ہے خدا اوس کی مزد دیگا
اور نیک نامی اوسکی ما سوا ہے ۔ جو تونگر دیتا ہے وہ عاقبت میں پھل دیگا ۔ جو قطرہ باران کھیت میں گم ہوتا ہے
وہ خود گندم دیتا ہے ۔ سخاوت انسان کے ساتھ مخصوص ہے ۔ باقی اور جانور اوس سے محروم ہیں ہر ایک انمیں
اپنا ہی پیٹ بھرتا ہے ۔ مگر آدمی اور ہزاروں آدمیوں کو شکم سیر کرتا ہے ۔ بس جو آدمی اور ونکو بے غم نہیں
کرتا وہ آدمی نہیں عطا سب جگہ دلکش ہے ۔ مگر خوش وہاں ہے جہاں وہ درستی کے ساتھ ہوتی ہے
آنکھوں میں سرمہ دینا سلائی سے اچھا معلوم ہوتا ہے مٹھی سے برا ۔ کرم کا دینا شرف ہے سرف کا دینا
مسخرا پن ہے ۔ اگر ایک شخص پاس ایک ہی کپڑے ہوں ۔ وہ کسی کو دیدے تو احمق ہے ۔ اگر فقیر اپنے کپڑے
اتار کر کسی کو دیدے اور وہ مرجائے تو مرنے دے ۔ جو شخص زر و مال سے تونگر ہو اگر وہ سب کچھ دیدے
تو اسراف مال ہے ۔ دو میں ایک دینا چشم کرم کا نور ہے اور تین سے ایک دینا خیر الامور ہے ۔ سخاوت
اپنی طاقت کے موافق چاہئے ۔ قرض لیکر سخاوت کرنی حماقت ہے ۔ جو شخص شراب پی کر بخشش کرتا ہے
وہ قرض ستان بدرہ و بدخو ہے ۔ دیوانہ طفل مست کی بخشش ہنسنے کے قابل ہے ۔ یہ سب بے خرد ہیں ۔ ہیچ
کمینے آدمی جود و عزا سے دور ہوتے ہیں جیسے خس غرق ہونے سے اور خر تیرنے سے ۔

(۱۳۲) سخاوت

ایک جماعت ایسی ہوتی ہے کہ شہوات سے تمتع حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرتی ہے ۔ یا ریا کے سبب یا
جاہ و جلال کی زیادتی کے سبب سے یا دفع ضرر کے لئے غیر محل استحقاق میں مال صرف کرتے ہیں بعض
انفاق میں زیادہ خرچ کرتے ہیں اسواسطے کہ وہ مال کی قدر نہیں جانتے مواقع احتیاج سے غافل ہوتے
ہیں یہ اوس جماعت کا حال ہوتا ہے جس کو میراث میں یا کسی اور طرح سے مال ہاتھ لگ گیا ہو اور وہ وجوہ
اکتساب سے بےخبر ہوں ۔ مال کا مدخل دشوار ہے اور مخرج آسان ہے ۔ حکمانے کہا ہے کہ مال کا جمع کرنا ایسا ہے

جیسا کہ بڑے پتھر کا پہاڑ پر چڑھانا - اور خرچ کرنا ایسا ہی جیسے کہ پتھر کا اوپر سے لڑھکا دینا - تدبیر معاش میں مال کی ضرورت ظاہر ہے - اور اظہار فضیلت میں بھی اسکو دخل عظیم ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے کہ حکمت تونگری کے ساتھ بیدار ہے اور درویشی کے ساتھ خواب میں جب دانا کے پاس دینار نہ ہو تو خلق اس سے منتفع نہیں ہو سکتی - بلکہ خود ہی مصالح ضروری پر توجہ کرنے سے بہت سے کمالات سے باز رہتا ہے

مرا بہ تجربہ معلوم گشت آخر حال　　کہ قدر مرد بعلم است و قدر علم بمال

مال کا وجوہ ستودہ سے حاصل کرنا مشکل ہے - اسلئے کہ مکاسب جمیلہ قلیل ہیں اور ان پر چلنا احرار کو دشوار ہے - بس ایسے شخص سخی نہیں ہوتے بلکہ سخی حقیقت میں وہ شخص ہے کہ مال کو خرچ کسی غرض کے لئے نہ کرے بلکہ اس سبب سے کہ سخاوت ایک ملکہ شریفہ ہے اسکی لذتیں مطلوب ہیں اگر اسکے سوا کوئی اور وجہ اسکے قصد کی ہو تو وہ بالعرض ہو نہ بالحقیقت +

(۱۴) سخاوت و بخل کی تعریف اور اسکی حقیقت

ہر انسان اپنے عندیہ میں اپنے تئیں سخی جانتا ہے حالانکہ غیروں کی نظروں میں بخیل ہوتا ہے یا ایک آدمی سے کوئی کام سرزد ہو تو اس میں لوگوں کا قول مختلف ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ بخل ہے اور بعض کہتے ہیں بخل نہیں علاوہ اسکے آدمی کا نفس مال کی محبت سے خالی نہیں اس محبت کے باعث مال کی حفاظت کرتا ہے اور اس میں امساک کرتا ہے اگر امساک ہی بخل ہوا کرے تو اس سے کوئی بھی خالی نہیں - اگر امساک سے بخل نہ ہو تو پھر بخل کے معنی کیا ہیں - بخل تو امساک ہی کا نام ہے - بخل کی تعریف میں اقوال مختلف ہیں - بعض بخل کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ حق واجب کے نہ دینے کا نام بخل ہے - بس جو شخص حقوق واجبہ اپنے ذمہ کے دیتا رہے وہ بخیل نہ ہوگا مگر یہ تعریف کافی نہیں اسلئے کہ بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ آدمی حقوق واجبہ کو ادا کرتا ہے مگر پھر بھی بخیل کہلاتا ہے - مثلاً ایک شخص قصائی سے گوشت اور نانبائی سے روٹی مول لیتا ہے اور اسے کم قیمت پر واپس کرتا ہے - یا ایک شخص نے جو اپنے اہل و عیال کے واسطے روزینہ مقرر کر رکھا ہے اگر وہ اس سے زیادہ ایک کوڑی بھی لے لیں تو وہ اسکو کاٹ لیتا ہے - یا آدمی اس خیال سے کہ کوئی میرے ساتھ کھانا آن کر نہ کھانے لگے چھپ کے کھاتا ہے - لوگ ہر صورت میں ایسے آدمی کو بخیل کہتے ہیں - باوجودیکہ وہ حق

ناوجب ادا کرتا ہی۔ بعضونکا قول ہی کہ بخیل وہ ہی جو دینے کو سخت جانے یہ تعریف بھی ناقص ہے کیونکہ اگر اس سے یہ غرض ہی کہ سب قسم کا دینا اُس پر سخت ہو تو بہت سے بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو تھوڑا دینا گراں نہیں گزرتا البتہ زیادہ دینا گراں گزرتا ہی۔ یا یہ غرض ہو کہ بعض دہش اُسکو ناگوار گذرتی ہے تو یہ بات سخی میں بھی موجود ہی۔ مثلاً کسی کو سب مال یا اُس کا بڑا حصہ دینا ناگوار گذرے تو وہ شخص بخیل نہیں کہلائیگا۔ اسی طرح سخاوت اور جود کے باب میں اقوال مختلف ہیں بعض کہتے ہیں بدون مانگے کسی کو دے اور یہ تصور کرے کہ تھوڑا دیا۔ بعض یوں کہتے ہیں کہ سائل کو دیکھکر خوش ہونا۔ اور اپنے دینے سے فرحت کرنے کا نام جود ہی۔ کچھہ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ مال کو اس خیال سے دینا کہ مال بھی خدا کا ہے اور بندہ بھی اُس کا تو بندہ خدا کا مال خدا کو دیتا ہی فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا۔ اُس کا نام جود ہے اور کچھہ یوں کہتے ہیں کہ جو شخص کچھہ مال تو دیوے اور کچھہ باقی رکھے وہ اہل سخاوت ہی اور جو زیادہ تو دے ڈالے اور تھوڑا سا اپنے لئے رہنے دے وہ اہل جود ہی اور جو خود تکلیف اُٹھاوے اور دوسرے کی تمنا پوری کردے وہ صاحب ایثار ہے اور جو کچھہ بھی خرچ نہ کرے وہ بخل والا ہی۔ یہ تمام اقوال اس باب میں ہیں مگر حقیقت بخل و جود کی کسی سے صاف نہیں معلوم ہوتی۔ اسواسطے ہم اُسکو مفصل لکھتے ہیں اصل یہ ہی کہ مال ایک حکمت اور مقصود کے لئے پیدا ہوا ہی۔ یعنی حاجات خلق کی درستی کے لئے بنا ہے اور یہ بات ممکن ہی کہ جس چیز میں اُس کا صرف کرنا چاہئے اُس کا امساک کیا جاوے اور یہ بھی ہوسکتا ہی کہ جن اشیا میں اُس کا خرچ کرنا اچھا نہیں تھا نہیں میں اُٹھا دیا جائے۔ اور ان دونو باتوں کے بیچ میں یہہ بات بھی ممکن ہی کہ اُس کا خرچ عدل کے ساتھہ ہو یعنی جہاں روکنا ضرور ہی وہاں روکا جائے جہاں خرچ ضروری وہاں خرچ کیا جائے۔ پس خرچ کی ضرورت کی جگہہ پر روک رکھنا بخل ہے اور روک رکھنے کی ضرورت کی جگہہ خرچ کرنا اسراف ہی اور اُن دونوں کے درمیان میں خرچ و امساک کرنا اچھا ہے اور اس رتبہ اوسط کا نام جود و سخاوت ہی۔ مگر اُس کے ساتھہ یہ شرط بھی ہی کہ دل بھی اُس پر راضی ہو اور تکرار نہ کرے۔ اگر کوئی شخص جہاں خرچ کرنا مناسب تھا وہاں خرچ کرتا ہے۔ مگر نفس اُس سے نزاع کرتا ہے۔ اور یہ اُس پر صبر کرتا ہی تو ایسے شخص کو سخی نہ کہیں گے۔ بلکہ تکلف سے سخی بننے والا کہلائیگا۔ اِس لئے ضرور ہوا کہ اُس کے

دل کو مال کے ساتھہ صرف اتنا علاقہ رہنا چاہیئے کہ اخراجات ضروریہ میں اُس کو صرف کر دے اور کوئی علاقہ نہ ہو۔ اب یہی یہ بات کہ کونسے اخراجات واجب ہیں دو طرح کے ہیں ایک تو مذہبی دوسرے دنیاوی جو بلحاظ ضرورت و عادت واجب ہیں سخی وہ ہے کہ جو نہ مال کو ضروریات مذہبی سے روکے نہ ضروریات مروت سے اگر ایک کو ان دونوں میں سے فروگذاشت کریگا تو بخیل کہلائیگا۔ اب بخل کی بُرائی اور سخاوت کی بھلائی اشخاص اور اُن کے حالات کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ مثلاً بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُنہیں تونگر کی تنگ گیری بُری معلوم ہوتی ہے فقیر کی بُری نہیں اگر آدمی اپنے اہل و عیال و اقارب سے تنگ گیری کرے تو بُری معلوم ہوتی ہے۔ اجنبیوں سے بُری نہیں معلوم ہوتی۔ ہمسایوں سے تنگ گیری بہ نسبت دور والوں کے بُری معلوم ہوتی ہے۔ غرض نہ تنگی برتنے میں چار چیزوں کے اختلاف سے اُسکے احکام مختلف ہوتے ہیں اوّل جس کام میں تنگی کی جائے جیسے ضیافت و داد و ستد وغیرہ۔ دوم جس چیز کی تنگی کی جائے جیسا کپڑا اور کھانا وغیرہ اسلئے کہ جیسے کہانے میں تنگی بُری معلوم ہوتی ہے ایسی اور چیزوں میں نہیں ہوتی۔ سوم جسکے ساتھہ تنگی کی جائے مثلاً دوست یا بھائی کے ساتھہ یا قریب یا زن و فرزند یا اجنبی کے ساتھہ۔ چہارم جو شخص تنگی کرتا ہے وہ لڑکا ہے یا عورت یا بڈھا یا جوان یا عالم یا جاہل یا مالدار یا مفلس پس بخیل اُس شخص کو کہتے ہیں کہ مال کو ایسی جگہہ خرچ کرنے سے روکے جہاں بحکم شریعت یا باقتضاء مروت روکنا نہ چاہیئے اور اُسکی کچھہ مقدار معین نہیں ہوسکتی جو شخص مال کی محبت کے سبب سے مروت کو توڑتا ہے وہ بخیل ہے۔ جو شخص واجب شرعی اور واجب مروت کو ادا کر دے تو وہ بخل سے بری ہو گیا۔ ہاں جود و سخا کی صفت سے جب ہی موصوف ہو گا جب اُس مقدار سے زیادہ خرچ کرے اور اُس سے دل بھی خوش ہو کسی طمع و توقع کے خدمت یا تمنا یا مکافات یا شکر و ثنا کے لئے نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص شکر و ثنا کی تمنا رکھتا ہے وہ سخی نہیں بلکہ اپنے مال سے ثنا کو مول لیتا ہے اُس کو سوداگر کہنا چاہیئے کہ خرچ مال سے اُس کا مقصود مدح ہے جو کہ مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور جود اُس خرچ کو کہتے ہیں جو بدون غرض کے ہو۔ مگر واقع میں اُس طرح کی جود بجز ذات پاک خدا تعالیٰ کے اور شخص میں نہیں ہوسکتی۔ آدمی پر جو جود کا اطلاق ہوتا ہے فقط مجازاً اسلئے کہ آدمی کا کوئی سا

خرچ غرض سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر خرچ کا سبب صرف ثواب آخرت ہی اور یہ نہیں ہے کہ لوگوں کی ملامت سے ڈرتا ہی یا جسکو دیتا ہی اُس سے نفع کی توقع ہو تو یہ جود میں داخل نہیں کیونکہ یہہ چیزیں گویا اُس کو سردست عوض میں ملتی ہیں اور وہ اسی غرض سے خرچ کرتا ہے پس عوض لینے والا ہوا جود نہ ہوا۔ ایثار اُسے کہتے ہیں کہ باوجود اپنی حاجت کے دوسرے کو مال دے ڈالے۔ اُس کا درجہ سخاوت سے بڑھ کر ہے اسلئے کہ سخاوت میں تو آدمی اپنی حاجت سے جو بچتا ہی اُسے دیتا ہی جس چیز کی اپنے تئیں حاجت نہ ہو اُس کا دے ڈالنا آسان ہی۔ مگر جس چیز کی حاجت ہو اُسے دے ڈالنا دشوار ہے۔

(۲) دنیا ایک کشت زار ہی اور اُس میں اصناف و طبقات خلائق بمنزلہ اراضی و قطعات کے ہیں مال آب رواں ہی۔ ہر قطعہ اراضی کشت زار میں پانی کچھہ پہونچتا ہے جس سے وہ خرم و تازہ ہوتا ہی۔ اسی طرح اصناف خلائق کا ساز و برگ و نشو و نما مال سے ہوتا ہی۔ اسی سے برگ معیشت ہوتا ہی سبزہ حیات اُگتا ہی۔ احتیاج کی پیاس بجھتی ہی۔ چہرہ پر رنگ خرمی آتا ہے۔ زمینیں بلند و پست ہوتی ہیں بلند زمینیں بقدر حاجت پانی کو پی کر پانی کو پست زمینوں کی طرف بھیج دیتی ہیں اور یہ پست زمینیں پانی کو جمع کرتی ہیں پس اسی طرح بلند قدر و عالی ہمت مال دنیا کو بقدر حاجت اکتفا کرتے ہیں باقی سب زیر دستوں میں خرچ کر دیتے ہیں پس جو پستی ہمت اور دنارت مرتبت سے موصوف ہوتا ہی وہ مال کو اس طرح جمع کرتا ہی جیسے کہ مغاک پانی کو گھیر لیتا ہے کہ پھر اُس سے باہر نہیں جاتا۔ جیسے کہ زمینوں کی بلندی و پستی پانی کی روانگی اور ایستادگی سے معلوم ہوتی ہے اسی طرح ہمتوں کی بلندی و پستی مال کی خرچ و امساک سے معلوم ہوتی ہیں ؎

باراں کہ بکہسار رسد بند نگردد — باہمت والا زر دنیا نشود جمع

پس بخیل و خسیس نہ سمجھیں کہ مال کے جمع کرنے سے ہم معزز ہوتے ہیں بلکہ وہ نہایت ذلیل و خوار ہوتے ہیں

(۳) ان چند طریقوں کی رعایت کرنے سے حسن سخا و جود کا آب و رنگ و رزیادہ ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ بذل و جود میں اہلیت اور استحقاق منظور نظر رکھے نا اہلوں کے ساتھہ احسان کرکے اُس کو ضائع نہ کرے۔ حق شناس عاقبت اندیشوں کے نزدیک کرم بے موقع اور بخشش بیجا اور بخل یکساں ہیں

بخل حرص و شرہ کے سبب سے ہو اور جود بیجا حماقت و سفہ کے سبب سے۔ اگر وہ گران جانی کے سبب سے ہے تو یہ بیشک طفلی و نادانی کے سبب سے ہے۔ بیکس و بے بس محتاجوں کو چھوڑ کر دولتمندوں کے ساتھ سلوک کرنا۔ پیاسے کھیت کو چھوڑ کر دریا میں پانی لے جانا ہے۔ دردمند شکستہ دلوں کے ساتھ عطا کا ترک کرنا اور اور مرفہ الحالوں کو مال دینا ایسا ہے کہ عضو مجروح کو چھوڑ کر عضو صحیح پر مرہم رکھنا اہلیت اور استحقاق سے فقط عسرت اور پریشانی مراد نہیں ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ جس کے ساتھ عطا کرے اُسکے لئے جہات شائستہ میں سے کوئی جہت تلاش کرے۔ شریروں پر نیکوں کو فاسقوں پر صلحا کو ترجیح دینی چاہیئے۔ بے شروں پر اہل خیر کو نادانوں پر دانشوروں کو تقدیم چاہیئے۔ داد و دہش شائستگی اور اہلیت پر مبنی ہونی چاہیئے۔ نہ فقط اظہار ہمت کے لئے جیسا کہ اکثر احمقوں کا قاعدہ ہے کہ وہ سخی نما اس طرح بنتے ہیں کہ بزم شراب میں اور مجالس لہو و لعب میں ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں اور نقد و جنس فواحش کو دیتے ہیں +

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی محتاج کے پیشانی سے علامات مرض اور دردمند کے چہرہ سے پریشانی ظاہر معلوم ہو تو اُس کے درد کی درمان میں چستی و جلدی ایسی کرے کہ وہ اضطرار سے اظہار حال نہ کرنے پائے۔ اسواسطے بعد اظہار و طلب کے جو کچھہ اُس کو دیا جائیگا وہ اُس کے اظہار کی اجرت ہے اور اُس کی آبرو کی قیمت ہے۔ عطا بعد از طلب سخا نہیں بلکہ حیا ہے۔ اسواسطے کہ آدمی کو شرم آتی ہے کہ سائل کی حاجت نہ روا کرے پس یہ عطا محض اختیار و رغبت طبع کے سبب سے نہیں ہوگی بلکہ بہ تقاضائے شرم

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ محتاج کی حاجت اسطرح روا کرے جس سے وہ شرمندہ نہ ہو اور اسکی پردہ دری نہو مثلاً کسی غریب کو نقد لینے سے شرم آتی ہو تو اسکو جنس سے بدل دے۔ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ و صدقہ لیتے ہوئے شرم آتی ہو تو اسکو تحفہ و ہدیہ کے نام سے دے۔ اگر کسی کو لوگوں میں لینے سے شرم آتی ہو تو اسکو خلوت میں دے۔ اگر تیرے ہاتھہ سے لینے میں شرم آتی ہو تو اُس کے پاس بھیجدے کسی عزیز پر عسرت و خواری رہنی بیدردی ہے سائل کے چہرہ پر اثر ذلت دیکھنا خلاف شیوہ مروت ہے۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ عطا بے منت ہو۔ فتوۃ یعنی جوانمردی چار چیزوں کا نام ہے۔ تواضع با دولت

باقدرت نصیحت باعداوت عطا بے منت۔ پانچواں طریقہ یہ ہے کہ خواہ کتنی بڑی عطا کرو اُس کو حقیر جانو۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی درویش و محتاج سے وعدہ عطا ہو تو اُس میں تاخیر نہ کرو جہانتک جلد ہو سکے اس وعدہ کو پورا کرو۔ کیونکہ عطا میں تعلیل اور عذر کرنا بخل کی نشانی ہے اہل عرب کا قول ہے وَعْدُ الْكَرِيمِ نَقْدٌ وَتَعْجِيلٌ وَوَعْدُ اللَّئِيمِ مَطْلٌ وَتَعْطِيلٌ یعنے وعدہ کریم نقد ہی اور جلدی سے پورا ہوتا ہے اور وعدہ لئیم میں تعویق اور تاخیر ہے۔ اور ہر روز اُس کے واسطے عذر کرتا ہے۔ ایک عرب کا شاعر کہتا ہے +

فان تجمع الآفات فالبخل شرها   وشر من البخل الوعيد والمطل

یعنے اگر تمام مرض اور آفتیں جمع ہو جائیں تو مرض بخل اُنمیں بدتر ہے اور بخل سے بدتر دروغ وعدے ہیں جنکے وفا کرنے کے لئے ہر روز دوسرے روز کا وعدہ کیا جاتا ہے +

(۱۵) بخل کا علاج

بخل کا سبب مال کی محبت ہے۔ مال کی محبت کے دو سبب ہیں ایک تو شہوات کی محبت کہ بدون مال کے وہ حاصل نہیں ہو سکتیں اور اسی میں طول امل یعنی توقع اپنی عمر کی زیادتی ہی داخل ہے۔ اگر آدمی یہ جانے کہ میں کل مر جاؤنگا تو غالب ہے کہ مال کا بخل نہ کرے۔ بعض اوقات طول امل اس سبب سے ہوتا ہے کہ آدمی اپنی زندگی کی زیادہ توقع نہیں کرتا۔ مگر صاحب اولاد ہونے کے سبب طول امل کا قائم مقام فکر اولاد ہوتا ہے جنکے جینے کو وہ اپنی زندگی سمجھتا ہے۔ اور اُنکے لئے مال کو روکتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ خود مال ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہانتک کہ اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے۔ بیمار پڑیں تو علاج میں بالکل خرچ نہ کریں زمین میں گاڑ کر مال کو رکھتے ہیں باوجودیکہ جانتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے مال ضائع ہو جائیگا۔ یا دشمنوں کے ہاتھ پڑیگا پھر بھی اُسکے کھانے کو یا اُس میں سے ایک حبہ خیرات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اور یہ دل کا مرض ایسا ہے کہ اُس کا علاج بہت مشکل ہے خصوصاً بڑھاپے میں تو پرانے مرضوں کی طرح لاعلاج ہے۔ اس مرض والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی کسی پر عاشق ہو اور اُس کے سبب سے اُس کے ایلچی کو بھی چاہنے لگے پھر پیامبر سے اتنی محبت کرے کہ محبوب کو بھول جائے

اس نہج کو وہ بیسا ہی حاجتوں کا الجھی ہو کہ زر کے سبب سے حاجتیں روا ہوتی ہیں اسی جہت سے زر محبوب ہوتا ہے مگر بعض وقات حاجتوں کا خیال ہی نہیں رہتا صرف زر ہی محبوب ہو جاتا ہے - اور حضرت شیخ سعدی کے اس کلام کا خیال نہیں ہوتا - ع

زبہر خوردن تو بود اے پسر	زبہر نہادن چہ سنگ و چہ زر

یہ مال کی محبت کے اسباب ہیں ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کے ضد کرنے سے ہوتا ہے شہوات کی محبت کا علاج تو یہ ہے کہ تھوڑی سی چیز پر قناعت اور صبر کرے ع

کار دنیا کسے تمام نہ کرد	ہر چہ گیرید مختصر گیرید

طول امل کا علاج یہ ہے کہ ہر دم موت کو یاد کرے اور اپنے ہم سروں کے مرنے کو لحاظ کرے کہ مال کے جمع کرنے میں کیسے کیسے دکھ اٹھائے اور مصیبتیں سہیں آخر خالی ہاتھ چلے گئے اور وہ سب تباہ ہو گیا اولاد کا خیال اگر دل میں ہو تو یہ سوچے کہ اگر وہ صالح ہے تو خدا اس کا کفیل ہے اور اگر فاسق ہے تو یہ ہمارا مال اس کے حق میں ادر زہر ہوگا بعض اولاد جنکے وارثوں نے کچھہ باقی نہیں چھوڑا وہ اپنے ماں باپ سے اچھی حالت میں ہیں اور بعض اولاد جنکے وارثوں نے مال چھوڑا وہ تباہ و خستہ حال ہیں ایک مفید علاج یہ بھی ہے کہ بخیلوں کے حالات پر زیادہ غور کرے اور ان سے نفرت کرے اور ان کو برا جانے کیونکہ کوئی ایسا بخیل نہیں جو دوسرے کے بخل کو برا نہ جانے پس یہی اپنا تصور کرے کہ اگر میں بخل کرونگا تو سب کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ایسا ہونگا جیسے کہ اور بخیل میری نظروں میں معلوم ہوتے ہیں ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ مال کو بقدر حاجت رکھہ لے اور باقی کو خرچ کر ڈالے ایک اور بھی بخل کے دور کرنے کی ترکیب ہے کہ بہ تکلف خرچ کرنے کی عادت ڈالے جیسے عشق جب تک نہیں جاتا کہ معشوق پیش نظر رہتا ہے - ہاں اگر اس کے مقام سے مفارقت اختیار کرے اور اس جدائی پر بہ تکلف صبر کرے تو رفتہ رفتہ دل کو تسکین ہو جاتی ہے - بس اس طرح جو مال محبوب تہا نظر سے محجوب ہوگا تو اس سے بھی محبت کم ہو جائے گی - ایک اور بخل سے بچنے کی تدبیر لطیف یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو سمجھائے کہ دینے سے نیک نام اور سخی مشہور ہوگا - اس نہا سے بقصد ریا

خرچ کرے یہانتک کہ جود کی صفت پیدا کرنے کی طمع کے سبب سے خرچ کرنا گوارا نہ گذرے اس طرح بخل تو دور ہوگا مگر ریا پیدا ہوگا۔ پھر ریا کو دور کرنے کی تدبیر کرے جیسے لڑکے کا جب دودھ چھڑاتے ہیں تو کھیل کی طرف رغبت دلاتے ہیں کہ دودھ کو یاد نہ کرے جب وہ دودھ بھول جاتا ہے تو اُس کھیل سے بھی اُس کو علحدہ کر دیتے ہیں اسی طرح صفات خبیثہ میں بھی بعض کو بعض پر تسلط کرکے تیزی ایک دوسرے کی کم کی جاتی ہے جو اُن میں ضعیف ہو اُس کو قوی کی غذا کرتے جائیں۔ یہاں تک کہ آخر کو ایک پارہ جائے۔ پھر اُس ایک کے دور کرنے کا علاج یہ ہے کہ اُس کی غذا روک دی جائے۔ اور غذا کا روکنا اُن صفات سے یہ ہے کہ اُن کے مقتضا کے موافق عمل نہ کیا جائے یعنی صفت خبیث جو باتیں چاہے ہرگز نہ کرے۔ جب اس طرح اُس کا خلاف کیا جائیگا تو خواہ نخواہ وہ صفت مضمحل ہو کر مر جائیگی بخل کی صفت کا اقتضا یہ ہے کہ مال کو روکے اور خرچ نہ کرے۔ پس جب آدمی اُس کے خلاف کریگا اور نفس پر مجاہدہ کرکے بار بار خرچ کرتا رہے گا تو بخل کی صفت مر جائیگی۔ اور سخاوت بدل طبعی ہو جائیگی پھر اُسمیں دشواری نہیں رہے گی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بخل کا علاج کیا تو اُس علم سے ہوتا ہے کہ آدمی بخل کی آفات اور سخاوت کے فائدوں کو جانے۔ یا اُس عمل سے ہوتا ہے کہ داد و دہش بہ تکلف کرے جب تک مقصود حاصل نہ ہو۔ مگر بعض اوقات صفت بخل ایسی قوی ہوتی ہے کہ اور آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے کہ اُسکو اُسکی آفت کچھ نہیں سوجھتی نہ کچھ جود کا فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بخل کا مرض لاعلاج ہے۔

(۱۶) خیرات

جو صاحب مال تونگر دولت مند ہو اُسپر عقلاً اور مذہباً یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خیرات کرے۔ ہندو اُس کو دان پن کہتے ہیں مسلمان اُسکو زکاۃ و صدقہ کہتے ہیں (زکاۃ کے اصلی معنی نمو و افزونی کے ہیں اسلئے زکاۃ کو زکاۃ کہتے ہیں کہ اُس سے مال میں برکت اور افزونی ہوتی ہے) خیرات تین سببوں سے ہر انسان پر فرض ہوتی ہے۔ اول خیرات سے خدا تعالی کی محبت کا امتحان ہوتا ہے خلائق کے نزدیک مال بہت محبوب ہے کہ دنیا کی ساری کار برآری کا ذریعہ وہی ہے۔ ایسے مالدار کو

بڑا انس ہوتا ہے۔ پس جب وہ اس دولت کو جو اسکی معشوق و منظور نظر ہے راہ خدا میں دیدیتا ہے تو اسکی محبت الٰہی کی صداقت ہوتی ہے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ ایسے مالدار کی ذات سے بخل کی صفت دور ہوگی۔ بخل بد بلا ہے۔ بخل کی برائی تو اسی طرح دور ہوسکتی ہے کہ آدمی دے ڈالنے کا عادی ہو۔ کیونکہ کسی چیز کی محبت جدا نہیں ہوتی جب تک کہ نفس کو اس کی مفارقت پر زور نہ دیا جائے یہاں تک کہ اس سے جدا ہونے کا خوگر ہوجائے۔ سوم پروردگار نے جو اس کو دولت کی نعمت دی ہے اس کا شکر الٰہی مال دینے سے ہوجاتا ہے۔ وہ شخص بڑا اخسیس ہے جو فقیر کو دیکھے کہ اس پر روزی تنگ ہے اور ایسا محتاج ہو گیا ہے ایسے ہی وہ خدا تعالیٰ کا شکر اسکو دیکر نہ ادا کرے کہ مجھکو سوال سے غنی کیا دوسرے کو میرا دست نگر بنایا +

شعر

نہ خواہندہ بر در دیگران بشکرانہ خواہندہ از در مران

اب تنقیح طلب امور یہ ہیں خیرات کن کو دے کس قدر دے کس طرح دے۔ جو خیرات لیں وہ کیونکر لیں اُس کے عوض میں کیا کریں آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی خیرات کے دینے کے لئے ایسے آدمی ڈہونڈے جن میں ان چھ صفتوں میں سے ایک صفت یا زیادہ پائی جائیں۔ اول وہ فقیروں کو دے۔ فقیر اسکو کہتے ہیں کہ جسکے پاس مال نہ ہو اور نہ کمانے پر قادر ہو جس شخص کے پاس ایک روز کے لئے غلہ اور لباس ہو وہ فقیر نہیں غرض جس پاس سردست وہ اشیا نہیں جنکی اُسکو حاجت ہے اور ان کے حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ اس کو فقیر سمجھنا چاہئے۔ اب فقیر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو پرہیزگار اور دنیا سے روگرداں اور صرف آخرت کی تجارت میں مشغول ہوں۔ وہ محتاج اسلئے ہیں کہ خدا کی طاعت میں ریاضت زیادہ کرتے ہیں۔ دوم وہ لوگ فقیر ہیں جو سوال کرتے پھرتے ہیں چونکہ سوال کرنا کوئی کمائی کا پیشہ نہیں ہے اسلئے یہ سائل بھی زمرہ فقرا سے خارج نہیں مگر اس صورت میں کہ کمانے پر قادر ہوں تو فقیروں کے زمرہ سے خارج ہو جائینگے۔ اگر وہ اوزاروں سے کمانے پر قادر ہوں تو اس کو اوزار اپنے مال سے خرید دے۔ اگر ایسے پیشے پر قادر ہو جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے اور اس سے بعید ہے تو بھی اسکو فقیر تصور کرے غرض جہانتک ہوسکے ایسے فقیروں کے پیشہ کرانے میں صرف زر چاہیے

کیونکہ پیشہ کرنا صدقہ لینے سے بدرجہا بہتر ہے۔ بس ایسے فقیر جنسے کچھہ ہو ہی نہیں سکتا اُن کو خیرات دے۔ باقی فقرا سے پیشہ کرانے کی امداد میں وہیہ صرف کرے۔ دوم مساکین کی اعانت اپنے مال سے کرے۔ مسکین وہ شخص ہے جس کی آمدنی خرچ کو کافی نہوتی ہو۔ کوئی شخص ایسی تنگی سے رہتا ہو کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں کپڑا ہے تو روٹی نہیں۔ سر ڈہکا تو پیر ننگے۔ پیر ڈہکے تو سر کہلا ایسے آدمیوں کی امداد اپنے روپیہ سے کرنی چاہئے۔ تیسرے اُن اہل علم کی خدمت اپنی دولت سے کرنی چاہئے جو علم کی تعلیم میں مدد کرتے ہیں۔ علم کی برابر کوئی نعمت نہیں ہے۔ خاص اس فرقہ علما کی اور اُن کے مدارس کی بہت فیاضی سے مدد کرنی چاہئے۔ اگر عالم کا دل بہی کسی حاجت میں مصروف ہوگا تو وہ علم کی ترویج کے لئے مہلت نہیں پائیگا۔ اُنکو دینا حقیقت میں علم کے لئے اُن کو فارغ کر دینا اور فرصت نکال دینی ہے۔ تعلیم ایک حاجت ضروری ہے۔ مدارس میں جس قدر ہوسکے خیرات دے سب سے اچھی خیرات یہی ہے۔ چوتہے اُن لوگوں کو خیرات دے جو کثیر العیال ہوں یا مرض میں گرفتار ہوں۔ یا کسی بلا ناگہانی میں کسی سبب سے مبتلا ہوگئے ہوں۔ ہاتہہ پاؤں ٹوٹ گئے ہوں۔ یا کسی اور طرح اپاہج ہوگئے ہوں۔ ایسے قرضدار ہوگئے ہوں کہ قرض نہ ادا کر سکتے ہوں۔ یا مسافرت میں محتاج ہوگئے ہوں۔ پانچویں عزیز اقارب اور ذوی الارحام میں جو محتاج ہو اور بعد اُن کے جو واقفکار دوست آشنا تنگ دست ہوں اُنکو خیرات دینا چاہئے اور اُن کے دلوں کو آسائش پہنچانی چاہئے۔ اب دوسری بات یہہ کہ کس قدر دے۔ مسلمانوں کے ہاں تو مقرر ہے کہ زکاۃ میں مال کا چالیسواں حصہ دیتے ہیں اور قوموں میں کوئی اُسکی حد مقرر نہیں۔ مسلمان اگر اس حصہ معینہ سے کم دینگے تو وہ معصیت میں اپنے مذہب کے موافق گرفتار ہونگے۔ غرض خیرات آدمی کی اپنی ہمت پر موقوف ہے۔ مگر اُس کو چاہئے کہ جو چیز دے وہ اچھی اور تحفہ دے۔ موٹی بھیجا باہمن کے سر اور دُبلا گہوڑا درگاہ کے نذر نہ کرے۔

تیسری بات یہہ کہ کس طرح دے۔ سب عاقلوں کے نزدیک پوشیدہ دینا اچھا ہے۔ کیونکہ اس میں نمود اور شہرت اور ریا سے آدمی دور رہتا ہے۔ خیرات دینا اُس کا نام ہے کہ اُسکے بائیں ہاتہہ کو خبر بھی نہو کہ اُس کے داہنے ہاتہہ نے کیا دیا ہے۔ اس گپت دان سے آدمی شہرت اور ریا کی آفت سے چہوٹتا ہے

جو شخص اپنی خیرات کو کہتے پھرتے ہیں وہ فقط شہرت کے طالب ہیں جو لوگوں کے مجمع میں دیتا ہے وہ ریا کا طالب ہے۔ پوشیدہ دینے میں ان دونوں آفتوں سے بچاؤ ہے بعض آدمی پوشیدہ خیرات کرنے میں یہانتک مبالغہ کرتے ہیں کہ لینے والا دینے والے کو نہ پہچانے۔ اندھے کے ہاتھ میں پیسا رکھ دیتے ہیں اور فقیروں کے راستہ میں ڈوبے اس طرح روپیہ پیسہ پھینک دیتے ہیں کہ وہ اسکو دیکھ لیں مگر انکو نہ دیکھیں سوتے ہوئے فقیروں کے پلہ میں باندہ دیتے ہیں دوسرے شخص کے ہاتھ بھجوا دیتے ہیں مسکین اگر دینے والے کو پہچانے تو اُس میں شہرت و ریا اور احسان تینوں ہیں درمیانی آدمیوں کے ذریعہ سے دینے میں فقط ریا ہی ہے جس صورت میں دینے والے کو شہرت مقصود ہو۔ تو اُس کا عمل لغو ہوگا۔ کیونکہ خیرات بخل کے دور کرنے اور مال کی محبت کم کرنے کے لئے ہوتی ہے مگر مال کی محبت سے زیادہ جاہ کی محبت نفس پر چھائی ہوئی ہے۔ پس اگر دنیا افزائش جاہ کے لئے ہو تو خیرات کرنا ایک برائی سے بچکر دوسری برائی میں پڑنا ہے۔ سائل کو جو چیز دو اسطرح دو جیسے کوئی دوست کو ہدیہ دیتا ہے کبھی ہاتھ میں کچھ پیش کش کے طور پر۔ ایسی جگہہ ظاہر بھی خیرات دینی چاہیئے کہ وہاں اور لوگونکو خیرات دینے کی ترغیب اُسکے اتباع سے ہو۔ اگر کوئی شخص مجمع میں سوال کرے تو اسکو خیرات دیدے۔ مگر اپنے نفس کو ریا سے روکے کہ مجمع میں دینے سے سوا ریا اور احسان کے اور خرابی یہی ہے کہ سائل کی پردہ دری ہوتی ہے۔ مگر جب سائل خود ہی اپنی پردہ دری کرتا ہے تو اُس میں خیرات کرنے والے کا کیا گناہ ہے۔ سب سے بڑی بات خیرات دینے میں یہ ہے کہ من و اذے نہ ہو۔ من کے معنی سائل پر اپنا احسان خیرات کا جتانا اور اُس کا ذکر کرنا۔ اذے کے معنی یہ ہیں کہ سائل کو سوال پر زجر و توبیخ کرنا آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو نہ سمجھے کہ میں نے فقیر پر کیا احسان کیا انعام دیا۔ بلکہ یہ سمجھے کہ میں خدا کی نعمت کا قرضدار تہا وہ قرض ادا کیا۔ اُس سائل نے یہ احسان مجھہ پر کیا کہ میرا قرض چکا دیا۔ قرض کا ادا ہونا اپنے حق میں فائدہ دیتا ہے نہ دوسرے پر احسان کرتا ہے جب یہ سمجھیگا تو ظاہر ہے کہ من کے معنی سے جو باتیں متفرع ہوتی ہیں اُنکو چھوڑیگا۔ خیرات و صدقہ کا ذکر کرنا۔ ظاہر کرنا۔ فقیر سے اُس کا بدلہ چاہنا کہ شکرگزار اور دعاگو ہو۔ اور خدمت و تعظیم کرے۔ اور حقوق بجا لائے اور مجلسوں میں آگے بٹہائے اور کاموں میں پیروی کرے۔ کہ یہ سب امور من کے ثمرے ہیں اذے کے معنی ظاہر ہیں یعنی پہلو

اور عیب لگانے اور درشت کلامی اور ترش روئی اور ظاہر دینے سے پردہ دری کے ہیں مگر تم اُس کا
منشا دو باتیں جانو اول مال کے ہاتھ سے اُٹھانے سے نفس کو اذیت مت دو۔ دوم اپنے آپ کو یہ نہ سمجھو کہ
کہ میں فقیر سے بہتر ہوں یہ شخص اپنی حاجت کے سبب سے مجھ سے رتبے میں کم ہے۔ یہ دونو باتیں جہالت
سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور مَن اور اذے کے ساتھ خیرات نہ کرے۔ بلکہ خوش دلی سے سائل کو دے اور
اُس کو اپنا محسن سمجھے۔ کہ وہ اُس کے دینے کو قبول کرتا ہے آدمی جو کچھ خیرات کرے اُسے تھوڑا جانے
اسلیے کہ اگر بہت جانیگا تو تکبر وغرور کریگا۔ اُس سے یہ نیک عمل باطل ہو جائیگا بعض اکابر کا قول ہے
خیرات تین چیزوں بغیر پوری نہیں ہوتی اول اُسکو چھوٹا جاننا۔ دوم جلد ادا کرنا سوم چھپا کر دینا
آدمی کو چاہیے جو خیرات کرے اُس سے حیا و شرم کرے اور جانے میں نے بڑی خست کی ہے۔ اب یہ سنو کہ
جو خیرات لیں وہ کیونکر لیں اور اُسکے عوض میں کیا کریں فقرا مساکین علما عزیز اقربا جو خیرات
لیں اُنکو چاہیے کہ وہ خدا کا اول شکر کریں جس نے اُن آدمیوں کو واسطہ اُن کے رزق کا بنایا۔ اُن آدمیوں
کی احسانمند ہوں اُنکے لئے دعاء خیر کریں۔ اُنکو چاہیے کہ جہانتک ہو سکے اسطرح خیرات لیں کہ خود اُنکی
پردہ دری نہ ہو۔ پوشیدہ خیرات لینے میں یہ خیر ہے اُنکو غنی جانتے ہیں سوال نہ کرنے کی صورت محبوب ہوتی
ہے۔ دوسرے دینے والے کی عمل نیک خفیہ کرنے میں اعانت ہوتی ہے۔ اگر عطا میں کچھ عیب ہو تو اُس کو
چھپا دے۔ اور اُسکی تحقیر و مذمت نہ کرے۔ اور دینے والا اگر کوئی نہ دیوے تو اُس کو طعن نہ دینے کا ننگ
نہ لگائے۔ اگر وہ دیوے تو اُس کے فعل کو اپنے نزدیک اور لوگوں کے سامنے بڑا جانے کیونکہ دینے والے کا
ادب اپنے دہش کو چھوٹا جانتا ہے۔ اور لینے والے کا ادب یہ ہے کہ جو کوئی دے اُسکی دہش کو بڑا
جانے۔ بڑی بات خیرات لینے والے میں یہ چاہیے کہ وہ یہ خیرات جب لے کہ اُسکو تحقیق ہو جاوے
کہ مجھ میں اُسکے لینے کا استحقاق پیدا ہو گیا ہے۔ جب اپنا گذارہ کسی طرح سے نہیں کر سکتا ہو
تب خیرات کو ہاتھ لگائے۔ دو باتوں کا لحاظ خیرات لینے میں کہا گیا تو اُس سے اپنی حاجت
رفع ہو جو کسی اور طرح سے نہ ہو سکتی ہو۔ یا دین۔ مذہب۔ تعلیم کی ترقی اُس سے کر سکے۔ اب تک ہم نے
یہ مضمون احیاء العلوم سے اسطرح انتخاب کیا ہے کہ وہ ہر قوم وملت کے موافق ہو سکتا ہے ہم کم وبیشی کے ساتھ

اسکو اور پیرایہ سے ادا کرتے ہیں +

(۱۷) خیرات

خیرات کے مختلف طریقے ہیں اُن سب میں انسان کی نیت ہونی چاہیئے کہ کوئی اپنی غرض شامل نہو ریا و شہرت منظور نہو احسان ماننے اور دعا لینے کی تمنا نہو۔ خیرات کے یہ طریقے ہیں اول زبردستی خیرات دینا۔ یہ خیرات اُس قسم کی ہوتی ہے جیسے لوگ چندہ دنیں روپیہ دیتے ہیں کہ کوئی ذی وجاہت کسی کار خیر کے لئے روپیہ طلب کرتا ہے پھر اُسکے رعب سے کچھہ مآل اندیشی کے سبب سے روپیہ دیدیتے ہیں یا بعض درگاہ کے خادم اور مندروں کے پجاری ایسی زبردستی کرکے ستاتے ہیں کہ روپیہ دینا پڑتا ہے یا حاکم کوئی ٹیکس کسی کار خیر کے لئے لگا دیتا ہے جیسے کہ قحط کی ٹیکس لگی ہوئی ہے۔ اگر ان دونوں کاموں میں نیت خیر نہیں ہے تو یہ کار خیر نہیں نہ روپیہ کا دینا خیرات ہے

دوم محتاج کے مانگنے پر دینا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں بھیک مانگنے والے بدن پر چیتھڑے لگائے ہوئے لیتڑے پہنے ہوئے ہماری صورت دیکھتے ہی ہماری خوشامد کی باتیں بناتے ہیں دعائیں دیتے ہیں اپنی مصیبت کی باتیں سُناتے ہیں کچھہ لینے کے لئے گڑگڑاتے ہیں ہاتھہ جوڑتے ہیں پاؤں پڑتے ہیں یا تمہارے گھر پر آتے ہیں اور اپنی آفات کی کہانی سُناتے ہیں اُن کو ہم کچھہ دیدیتے ہیں اس دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہزاروں آدمیوں کو جو اپنی محنت مزدوری سے گذارہ کرسکتے ہیں سُست و کاہل بنا دیتے ہیں اُنکو میلے پھٹے پُرانے کپڑے پہنواتے ہیں اور جھوٹی افسانہ سازی سکھاتے ہیں ایک بزرگ کا قول ہے کہ قصہ گویوں اور بھیک مانگنے والوں کی برابر کوئی دنیا میں جھوٹا نہیں ہوتا یہ دینا اس سبب سے نہیں ہوتا کہ ہم لوگوں کی حالت زار دیکھتے ہیں کہ وہ جاڑے میں ننگے ہیں یا گرمی میں گودڑا اوڑھے ہوئے ہیں بلکہ وہ اُن کی دعائیں و خوشامد کی باتیں اچھی لگتی ہیں اسلئے دیدیتے ہیں اُن کے ہم حال بہت سے آدمی ہم دیکھتے ہیں جو ہم سے سوال نہیں کرتے اُن کو کچھہ نہیں دیتے

سوم جو محتاج کہ ہم سے کچھہ مانگتے نہیں اُن کو دیدیتے ہیں یہ عمدہ خیرات ہے کہ جب ہم کو کسی شخص کی احتیاج ایسی معلوم ہو کہ وہ اسکے رفع کرنے پر خود قادر نہو تو ہم اسکو کچھہ دیدیں۔

چہارم محتاج کو احتیاج کے موافق دیں یہ بہی ایک خیرات میں خوبی ہے کہ محتاج کو اسقدر دیدیں کہ اسکی احتیاج رفع ہو جائے اور اُسکو کسی دوسرے کے پاس احتیاج لے کر نہ جانا پڑے جس سے اُسکو سوال کی ذلت اُٹھانی پڑے۔ اظہار افلاس سے پردہ دری ہوتی ہے +

پنجم محتاج کی احتیاج کے موافق نہ دیں اگر آدمی کسی کی پوری احتیاج رفع کرسکتا ہو اور نہ کرے تو خیرات میں خست کرتا ہے +

چہٹا لینے والا دینے والے کے نام سے آگاہ ہو مگر دینے والا لینے والے کو نہیں جانتا ہو۔ یہ اکثر مسلمانوں میں خیرات کے لنگر خانوں میں اور ہندوؤں کے ہاں سداورت میں ہوتا ہے کہ بہوکوں کو کہانا کہلایا جاتا ہے۔ کہانے والے جانتے ہیں کہ کون کہلاتا ہے۔ مگر کہلانے والا نہیں جانتا کہ کون کہا گئے۔ یہ خیرات ایسی ہے کہ جس میں ادنے وہن کو دخل نہیں ساتواں لینے والے اور دینے والے دونوں ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوں نہ پہچانتے۔ یہ خیرات ایسی ہے جیسے کہ اسپتالوں اور مکتبوں میں اور لاوارث بچوں کی تعلیم و تربیت میں ہوتا ہے کہ بیمار آتے ہیں اور علاج کراتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ کون اس شفا خانہ کا خرچ چلاتا ہے خرچ چلانے والا یہ نہیں جانتا کہ کون بیمار اچھا ہوگیا۔ سب سے زیادہ عمدہ خیرات یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت میں روپیہ خرچ کرنے سے ہوتی ہے۔ اسواسطے بچے یہ سمجہہ ہی نہیں سکتے کہ کون ہماری تعلیم کا بار اپنے سر پر اُٹہا رہا ہے۔ وہ اس احسان کا شکریہ ادا کرنا ہی نہیں جانتے اگر لاوارث بچوں کی تربیت میں روپیہ صرف کرو تو بچے یہ نہیں سمجہتے کہ تم اُن پر احسان کرتے ہو ہم کو اُسکا شکریہ بجالانا چاہیئے۔ یہی خیرات اس قسم کی ہے کہ محتاج پر احسان کیا جاتا ہے جس کو نہ وہ احسان سمجہتا ہے نہ اُسکا شکر ادا کرنا جانتا ہے +

آٹہواں افلاس و مصیبت کے انسداد و انتظام کے واسطے پہلے سے خیرات دینا۔ جیسے بڑے بڑے عمارات میں مزدوروں کا لگانا۔ اور صنعت کے کارخانوں کا کہولنا جس میں ہزاروں آدمی افلاس کی مصیبت سے بچتے ہیں التعمیر نصف الخیرات مشہور ہے۔ یہی آٹہہ طرح خیرات کی ساری دنیا میں جاری ہیں۔

(۸) اپنے عیب پہچاننے

جو شخص اپنے عیبوں کو پہچانتا ہے اُسکو یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ اُس کے حال پر نہایت مہربان ہے جو شخص بہت عقل ہوتا ہے وہ اپنے عیب پہچانتا ہے۔ کوئی عیب اُس کا پوشیدہ نہیں رہتا۔ اور وہ اُس کے علاج کے بہی درپے ہوتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اکثر آدمی اپنے عیبوں سے جاہل ہوتے ہیں اوروں کے عیب ذرا ذرا معلوم کرتے ہیں لیکن اپنے بڑے بڑے عیب نہیں دیکھتے۔

ای ہنرہا نہادہ بر کف دست	عیبہا را گرفتہ زیر بغل
تا چہ خواہی خریدن اے مغرور	روز درماندگی بسیم دغل

اپنے عیب جاننے کے چار طور ہیں اوّل کوئی بزرگ ایسا جو عیوب نفس جانتا ہو اور پوشیدہ آفات روحانی کو پہچانتا ہو اُسکے حوالے اپنے تئیں کر دے اور جو عیب وہ بتلائے اُسے تسلیم کرے اور جو علاج کہے وہ کرے۔ مگر یہ عمل کہیں ہوتا نہیں نہ کوئی ایسا کامل شخص ہوتا ہے اور نہ کوئی اپنے تئیں ایسے کامل کے حوالے کرتا ہے۔ دوم یہ کہ کسی اپنے دوست صادق متدین عقیل سے کہے کہ میرے احوال اور افعال کو تاکتا رہے اور جو کچھ میرے اخلاق اور افعال ظاہری و باطنی میں بُرا معلوم ہو اُس سے مجھ کو اطلاع دے بزرگان دین نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے۔ مگر ایسا دوست ملنا دشوار ہے کہ منہ دیکھے کا لحاظ برطرف کرکے عیب بتلا دے یا حسد کے باعث جتنا چاہیے اُس سے زیادہ نہ کہے۔ اکثر دوست حاسد و خود غرض ہوتے ہیں کہ جو عیب ہو اُس کو عیب نہیں جانتے یا خوشامد کے مارے عیب چھپا دیں۔ زمانہ کا دستور ہو گیا ہے کہ ہم سے جو کوئی نصیحت کی بات کہے اور ہم کو ہمارے عیب بتلاوے ہم اُسکو سب سے بڑھ کر دشمن سمجھتے ہیں افسوس ہے کہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اخلاق بد مثل سانپ اور بچھو کے ہیں پس اگر کوئی ہم سے یہ کہے کہ تمہارے کپڑوں میں بچھو ہے تو اُس کا ممنون ہونا چاہیے اور جلد ہوکر اُسکو علیحدہ کرنا چاہیے اور اُسکو مارنا چاہیے بچھو کا زہر تو ایک دن رہتا ہے اُس سے بہی کم تکلیف پہنچتی ہے اور اخلاق بد کا وبال تو زندگی تک پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اہل مذہب کے نزدیک تو وہ ابدالاباد تک پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ تیسرا طور یہ ہے کہ اپنے عیب دشمنوں کی زبانی معلوم کرے کہ دشمن عیب ہی کے

در پے رہتے ہیں اور غالب ہے کہ آدمی اس باب میں بہ نسبت دوستوں کے دشمنان عیب جو سے زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے اسلئے کہ دوست خوشامد کی جہت سے عیب نہیں ظاہر کرتے مگر آدمی کی فطرت میں یہ بات ہے کہ دشمن کے قول کو جھوٹا اور مبنی بہ حسد جانتے ہیں۔ لیکن اہل بصیرت دشمنوں کے قول سے بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں اسلئے کہ بُرائیاں ضرور اُن کی زبانوں پر مذکور ہوتی ہیں۔ چوتھا طور یہ ہے کہ آدمیوں سے مل کر جو بات اُن میں بُری دیکھے اپنے نفس کو اُس پر متنبہ کرے اسلئے کہ ایماندار ایک دوسرے کا آئینہ ہوتا ہے۔ دوسرے کے عیب دیکھ کر اپنے عیب کو معلوم کرلے اور جان لے کہ طبیعتیں سب کی قریب قریب ہوتی ہیں جو بات ایک میں ہوگی اُسکی اصل دوسرے میں بھی ہوگی یا اُس سے بڑھ کر ہوگی اس طرح جو بات دوسرے میں بُری معلوم ہو اُس بات کو اپنے نفس سے دور کردے اور یہ تادیب بہت عمدہ ہے اگر آدمی اُس پر عمل کرے تو مرشد و مؤدب کی کچھ حاجت نہیں۔

(۱۹) اپنا عیب اوروں کو لگانا

راہ میں ایک زنگی کو آئینہ پڑا ہوا ملا۔ اُس نے اپنی صورت زشت کو اُس میں دیکھا کہ آنکھیں مثل آتش اور رخ مثل انگشت ہے۔ جب آئینہ نے یہ عیب اُس کو بتلائے تو اُس نے اس کو زمین پر دے مارا اور کہا کہ یہ جو راہ میں ایسا خوار پڑا ہے اسکا سبب یہی ہے کہ وہ ایسا زشت ہے۔ اگر میری طرح رعنا ہوتا تو کیوں اُس کی یہ بُری گت ہوتی۔ یہ ذلت اِسکی زشت خوئی اور سیاہ روئی کی وجہ سے ہے بس یہی حال جاہل کا دانا کے ساتھ ہے۔ کہ وہ اپنے عیب کو اُس کے ساتھ لگاتا ہے۔ آدمی جب کشتی میں بیٹھتا ہے تو نظر اوسکی کج ہو جاتی ہے اپنے تئیں ساکن اور ساحل کو متحرک جانتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ میں چلتا ہوں اور ساحل ساکن ہے۔ مرد دنیا پرست کا بھی یہی حال ہے کہ وہ لڑکے کی طرح ضعیف و نادان ہے کہ اپنی نخوت و کبر و عجب خشم و خشنودی و عزت و علم جانتا ہے اگر تجھے علم ہو اُس کے ساتھ عمل نہ ہو تو اپنے تئیں گدھا سمجھ کہ بار کو اٹھاتا ہے اور گھاس کھاتا ہے۔ دانش کے معنی عمل کرنا ہے جیسے خنجر کا کام صف توڑنا ہے۔ علم با کار سود مند ہوتا ہے۔ علم بے کار بے سود ہوتا ہے۔ تجھے اس کوچہ کی خبر نہیں۔ تو تعصب سے زبان پر رواں کر رکھا ہے کہ فلاں ملحد ہے فلاں کافر ہے۔ تو اپنے گریبان

منہ ڈال کہ ایمان تیرا سلامت رہے۔ تو اپنی غمخواری کر دوسرے کا اندیشہ نہ کر۔ اپنی گفتار کو کردار کے موافق کر۔ علم مخلص جان کے اندر ہوتا ہے علم دو زبان پر۔ ماہ کو روشنی جیسے آفتاب سے ملتی ہے ایسے ہی دانش کو تازگی صواب سے ملتی ہے +

باب سوم

علم و عمل و عقل

(۱) علم

علم کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کوئی چیز ہے اسکو اسطرح جانے۔ علم مال سے ...
کرتا ہے اور تو مال کی۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم۔ مال خرچ کرنے سے گ...
ہے۔ کوئی چیز علم سے بڑھ کر عزت والی نہیں کہ بادشاہ ا...
حاکم ہوتے ہیں۔ علم کے ماتحت مال اور حکومت ہ...
ہوتی ہے وہ علم ہے۔ انسان جب ہی انسان ک...
انسان کی شرافت نہ تو جسم کے زور کے باعث...
ہونے کی جہت سے ہے کہ ہاتھی اس سے بڑا ہ...
نہ کھانے کی وجہ سے کہ بیل کا پیٹ اُ...
کے سبب سے۔ علم کے لئے وہ پیدا...
باقی رہا۔ دل کی غذا علم ا...
جس سے وہ جیتا ہ...
اپنے دل کی...
رہنے...
ہنا...

ذخیرہ کی جائے تو جواب دیا کہ وہ چیز ذخیرہ کرنی چاہیے کہ جب تیری کشتی ڈوب جائے تو وہ تیرے ساتھ
تیرنے لگے یعنی علم ذخیرہ کرنے کے قابل ہے کہ جب کشتی بدن غرقاب موت ہو تو بھی ساتھ رہے
بعض حکما کا قول ہے کہ جو شخص حکمت کو اپنی لگام بناتا ہے۔ لوگ اسکو امام بناتے ہیں جو شخص حکمت
میں معروف ہوتا ہے لوگ اسکی عزت او وقار کرتے ہیں۔ اگر آدمی مفلس بھی ہوجائے مگر علم
پاس ہو تو وہ بڑی دولت ہے۔ دل نور حکمت سے ایسا زندہ ہوتا ہے جیسے کہ زمین بہاری مینہ سے
سرسبز ہوتی ہے۔ علما ہدایتوں کے چراغ ہوتے ہیں۔ ہر ایک اپنے وقت میں شمع ہوتا ہے کہ اس
کے عہد کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔ انہیں کے علم کی بدولت انسان حالت بہیمی سے نکل کر
پہنچتا ہے۔ یہی علم ہے کہ صبح سے لیکر شام تک ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتا تنہائی
گفتگو کرنے والا اور ذہن کا رہنما۔ حالت تونگری میں اور افلاس
اجنبی شخص کو اقرب بنانے والا۔ دشمنوں کے حق میں ہتھیار
کی طاعت اور توحید اور عبادت وتمجید ہوتی
حلال وحرام حاصل ہوتی ہے۔ علم امام ہے عمل
اتا ہے۔ عمدہ اخلاق اور سعادت کی طرف راہ بتاتا
شناسی پر موقوف ہے جس علم کی وہ
ہے

است کا مادہ فضل ہے جس کے
کی بات زیادہ ہو تو
کا کمال ہو
اسکی
کہ

بالذات اور غیر کے لئے مطلوب ہو ان تینوں قسموں میں جو بالذات مطلوب ہوتی ہے وہ اول کی نسبت اشرف اور افضل ہے اور اول قسم کی جو چیزیں غیر کے لئے مطلوب ہوتی ہیں وہ بمنزلہ اشرفی ہیں کہ ان خود سے کسی طرح کا فائدہ نہیں آدمیوں کی حاجتیں ان سے روا نہ ہوں تو ان کا حال کنکروں کا سا ہو جو چیز بالذات بھی اور غیر کے لئے بھی مطلوب ہوتی ہے اسکی مثال بدن کی سلامتی ہے مثلاً پاؤں کی سلامتی اس جہت سے بھی مطلوب ہے کہ بدن درد سے سلامت رہے اور اسلئے بھی مطلوب ہے کہ اس سے چل کر اپنے مطالب اور مقاصد پورے کریں اب علم میں یہ تینوں اوصاف موجود ہیں وہ خود بالذات بھی لذیذ ہے اسکے بالطبع انسان کو بے غرض مسرت حاصل ہوتی ہے اور وسیلہ معاش و معاد بھی ہے جیسے آخرت میں نجات اور دنیا میں عزت و وقار اور سلاطین پر حکم کرنا حاصل ہوتا ہے عالم کی قدر و منزلت طبیعتوں میں ضرور ہوتی ہے جیسے علوم مختلف ہیں ان کے فضائل میں بھی تفاوت ہے غرض علم کے افضل ہونے میں کچھ شبہ نہیں اسلئے اس کا سیکھنا افضل بات کا حاصل کرنا ہے اور سکھانا افضل امر کی تعلیم ہے۔ انسان کے تمام مقاصد دین یا دنیا سے متعلق ہوتے ہیں اور دین کا انتظام بدون دنیا کے انتظام کے نہیں ہو سکتا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ لیکن علوم دنیا کے کام کے ہیں انکا سیکھنا مقدم ہے اور ایسا ضروری ہے جیسا دین کے علوم کا کیونکہ جب تک معاش درست نہ ہو معاد درست نہیں ہو سکتی۔ دنیا کے معاش کے کاروبار کے اصول چار ہیں جنکے بغیر عالم کا قیام نہیں اول زراعت جس پر کھانا موقوف ہے۔ دوم نور بافی لباس کے لئے۔ سوم تعمیر رہنے کے واسطے چہارم سیاست آپس میں مانوس رہنے اور اجتماع کے لئے اور اسباب معیشت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے اب تمام علوم دنیاوی انہیں چار اصول کے خادم ہیں اب علوم دینی جنپر اہل مذہب کی نجات اخروی موقوف ہے۔ ان میں علم معاملہ ہے وہ دل کی حالات کا معلوم کرنا ہے خواہ وہ اچھی حالات ہوں جیسے صبر و شکر اور خوف و رجا۔ رضا۔ زہد و تقوی۔ قناعت سخاوت سب حالات میں خدا تعالی کے احسان کو پہچاننا۔ لوگوں کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آنا۔ خدا تعالی پر گمان اچھا رکھنا۔ حسن خلق اور حسن معاشرت اور صدق و اخلاص اور ان کے مثل ہیں اور بری حالات دل کی جیسے کہ کینہ رکھنا

حسد کرنی۔ نفاق۔ برتری کی طلب اور خواہش ثنا۔ دنیا میں اترانے کی محبت۔ کبر۔ نمود۔ غصہ
سنیخی۔ عداوت۔ بغض۔ طمع۔ بخل۔ حرص۔ تکبر۔ اترانا۔ تونگروں کی تعظیم کرنی۔ فقیروں کی اہانت کا
خواہاں ہونا۔ آپس میں ایک دوسرے کی برائی کرنی۔ ہر بات میں تکبر کرنا۔ بیفائدہ امر میں خوض کرنا۔
زیادہ گفتگو کرنے کی محبت۔ دوسرے کی کٹتی بات کہنی۔ لوگوں میں بن سنور کر رہنا۔ دین میں سستی کرنا۔
اپنے نفس کو برا جاننا۔ اپنی برائیوں سے غافل ہوکر لوگوں کی عیب چینی کرنی۔ خوف الٰہی کا جاتا رہنا
جب نفس کو ذلت پہونچے تو اس کا بدلہ سختی سے لینا۔ حق بات کے انتقام میں ضعیف ہونا۔ مکر۔ خباثت۔ فریب
سخت دلی۔ سخت کلامی۔ ظلم کرنا۔ ہلکاپن۔ حیا و رحم کا کم ہونا۔ چوری اور جو ایسی چیزیں ہیں یہ سب بُری ہیں
یہ برائیاں تمام اعمال کی ہیں۔ غرض ان بری بھلی صفات کی تعریفوں اور حقیقتوں اور سببوں اور
ثمروں اور علاجوں کا معلوم کرنا علم تہذیب اخلاق ہے۔ جو دنیا اور آخرت دونوں میں کام آتا ہے۔
جو ظاہری اعمال بد کرتے ہیں وہ دنیا کے بادشاہوں کی ہاتھ سے سزا پاتے ہیں۔ جو باطنی اعمال بد
کرینگے وہ بادشاہ حقیقی کے ہاتھ سے سزا پائینگے۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جو بری صفتوں سے مبرا ہو۔ اور حرص
وحسد و ریا و کبر و عجب و غیرہ سے خالی ہو۔ یہ صفات اسکو ہلاک کرنے والی ہیں ان کو دل سے چھوڑ دینا
اور اپنے اعمال ظاہری میں مشغول رہنا ایسا ہی کہ آدمی خارش یا پھوڑوں کی تکلیف میں ظاہر بدن
پر لیپ کرے اور اندر کا مواد فصد و سینگی سے نکالنے میں سستی کرے جب تک باطن کو بری باتوں سے
خالی نہ کروگے اچھی باتوں سے وہ پُر نہیں ہوگا۔ زمین سے جب تک گھاس نولائی نہیں جائے گی
کھیتی اور چمن کی بہار اس میں نہیں ہوگی۔ علم دنیاوی ہو یا دینی ہر ایک وہ دریا ہے کہ جسکی تھاہ نہیں
معلوم ہوتی تیرنے والے اسکے کناروں ہی پر پھرتے ہیں۔ جتنا جس سے ہوسکتا ہے اتنی وہ گردش
کرتا ہے کبھی کوئی اس کی انتہا پر نہیں پہنچا جو بڑے غواص ہیں وہ بھی کبھی اس کے پار نہیں گئے۔
ہاتھ پاؤں بہت مارے مگر پانی کی تھپیڑوں نے انکو الٹا ہی پھیر دیا۔ جاہ و مال کی زینت ایسی ہے جیسے
بٹنے کا رنگ مستعار۔ علم و کمال کی شرافت ایسی ہے جیسے کہ عارض پر زلف و خال کہ وہ قائم ہوتے
ہیں۔ علم و کمال وہ حسن خداداد ہے کہ رنجوری و پیری سے باطل نہیں ہوتا۔ نوشتۂ دانش وہ نہیں ہے کہ

گزلکِ مرگ سے صفحۂ روزگار سے وہ زائل ہو جائے۔ اہل علم گو خود چلے جاتے ہیں مگر اُن کے نقوش و آثار باقی رہتے ہیں۔

(۳) علم کی تمثیل

حضرت علی مرتضیٰ کے کلام سے منقول ہے کہ علم کو ایسے شخص سے تمثیل دی ہے کہ جسکا سر تواضع ہو۔ آنکھیں اُسکی حسد سے بری ہوں۔ گوش اُس کے فہم ہو۔ لب زبان اُس کی راست گوئی۔ حافظہ اُس کا تفحص و تجسس اور دل اُس کا نیک نیتی۔ عقل اُسکی معرفت اشیاء۔ ہاتھ اُس کے رحمت ضعیفوں و درویشوں پر عطا سے دستگیری کرتی ہو۔ پاؤں اُسکے زیارت علما ہوں۔ ہمت و قصد اُس کا سلامت ہو (یعنی نفس کو دوسرے کی اذیت پہنچانے سے بچاتا یا دین و دنیا کے خطروں سے بچاتا ہو) حکمت اُسکی امور معاش و معاد کا منتظم کرنا۔ پرہیزگاری اُسکی منع حرام ہو۔ قصر اور آرام گاہ اُس کی رستگاری ہو۔ پیش رو اُس کی عاقبت ہو۔ سواری اُسکی وفاداری اصلاح ہو۔ آلہ جنگ اُسکی نرم گفتاری۔ شمشیر اُس کی رضا ہو۔ کمال اُسکی مدارا و ہمواری۔ لشکر اُسکا محاورہ (آپس میں باتیں کرنی) مال اُس کا ادب ہو۔ ذخیرہ اُس کا گناہوں کا اجتناب ہو۔ توشہ اُس کا خلق کے ساتھ نکوئی۔ اس کا پانی مصالحہ ہو۔ دلیل یعنی رہنما اُس کا ہدیٰ و ارشاد ہو۔ رفیق اُس کا نیکوں کی محبت ہو+

(۴) عقل

(۱) عقل کا شرف بداہۃً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے بیان کرنے میں تکلف کی حاجت نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ علم کی فضیلت کو ہم نے بیان کر دیا ہو اور یہ جانتے ہوں کہ وہ عقل کا منبع اور مطلع اور اصل ہے۔ علم کو عقل سے وہ نسبت ہے جو اصل کو پھل سے۔ آفتاب کو نور سے۔ آنکھ کو نگاہ سے۔ عقل کی بدولت دنیا کی فضیلت اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ چوپائے خواہ کیسے ہی تندرست ہوں وہ عقل کے زور سے دب جاتے ہیں۔ مخلوقات میں کوئی چیز اکرم عقل سے زیادہ خدا تعالیٰ نے نہیں پیدا کی۔ سارے کام عذاب ثواب کے اُسی سے ہوتے ہیں۔ عقل کی زیادتی کمائی میں معاون۔ نیک کاموں کی طرف رہنما۔ کوئی کام دین دنیا کا اُس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اُسی کے موافق انسان سارے بُرے بھلے اعمال کرتا۔ عقل انسان کی نگہبان ہے+

اس کے ایمان کا سامان ہے۔ وہی اچھی قوم کی محافظ ہے۔ اچھے گھروں کی منتظم ہے۔ اچھے سوداگروں کی بضاعت ہے۔ مسافروں کے لئے ایک بڑا خیمہ ہے۔ ویرانیوں کی آبادی ہے۔ وہی انسان کے بعد اس کی یادگار رہ سکتی ہے جبکہ ذکر مدتوں چلا جائے۔ جس شخص کی عقل پوری ہے وہ اپنے نفس کو نصیحت کرتا رہتا ہے۔ اور بموجب عقل کے زندگی بھر عمل کر کے فلاح و نجات کو پہنچتا ہے۔ وہ خدا سے ڈرتا ہے اور اس کے حکموں کو بجا لاتا ہے

(۵) عقل کے معانی

عقل کے معانی مختلف چار لئے جاتے ہیں۔ اول عقل سے مراد وہ وصف ہے جس کے باعث انسان سب چارپایوں سے ممتاز ہے یعنی جس کے باعث علوم نظری قبول کرنے اور حصہ صناعات فکری کے سمجھنے کی اس کو استعداد ہوتی ہے۔ غرض وہ ایک نور انسان کے دل میں ہوتا ہے جس سے وہ ادراک کے قابل ہوتا ہے۔ اور علوم نظری کا ادراک کرنے کے لئے مستعد ہوتا ہے جیسے زندگی ایک قوت ہے کہ جس سے جسم حرکات اختیاری اور ارادی پر مستعد ہوتا ہے اور حس کی چیزیں ادراک کرتا ہے۔ اسی طرح کی قوت عقل بھی ہے کہ جس سے انسان علوم نظری کے قابل ہو جاتا ہے۔ دوم عقل سے مراد وہ علوم ہیں جو تمیزدار لڑکے کی ذات میں ہوا کرتے ہیں یعنی جائز چیزوں کے جائز ہونے اور محال چیزوں کے محال ہونے کا علم مثلاً اس بات کا علم کہ ایک سے دو زیادہ ہیں اور ایک شخص کا ایک ہی وقت میں دو جگہ ہونا ممکن نہیں سوم عقل ان علوم کو کہتے ہیں جو روزمرہ کے حالات دیکھنے سے اور ان کے تجربوں سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ جو شخص تجربوں سے مشاق اور طریقوں سے واقف ہو جاتا ہے اس کو سب کے بموجب عاقل کہا کرتے ہیں اور جو تجربہ وغیرہ سے متصف نہیں ہوتا اس کو جاہل غبی و ناتجربہ کار کہتے ہیں غرض علوم تجربہ کی بھی ایک جداگانہ قسم علوم ہے جس کو عقل کہا کرتے ہیں۔ چہارم عقل اس کو کہتے ہیں کہ قوت طبیعی کی قوت ایسی ہو جائے کہ امور کے انجاموں کو جاننے لگے اور جو خواہش کہ سردست کی لذت کی خواہاں ہو اس کو اکھاڑ دے اور دبائے رکھے جب یہ قوت آدمی میں آ جاتی ہے تو اس قوت والے کو عاقل کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ وہ امور پر اقدام اور جرأت اس طرح کرتا ہے جس طرح کہ انجاموں میں فکر مقتضی ہے۔ یہ نہیں کہ بموجب سردست کی خواہش لذت کے مرتکب ہو جائے

غرض اول معنی تو سب کی جڑ اور بنیاد اور منبع ہے اور دوسرے اول کی فرع۔ اور اس کے قریب تیسرے اول اور دوم کی فرع اسلئے کہ قوت طبیعی اور علوم بدیہی سے تجربوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور چوتھے معنی ثمرہ آخر ہیں اور علت غائی ہے۔ پس اول کی دو نو عقلیں سرشتی ہیں اور آخر کی دو نو کسب سے حاصل ہوتی ہیں اسیلئے حضرت علی رضہ نے فرمایا ہے +

دو ہیں عقلیں میرے نزدیک ای بسیر	اک طبیعی اک سمعی یاد کر
فائدہ سمعی سے کچھ ہوتا نہیں	جب نہ ہو طبعی کا دل میں کچھ اثر
جیسے سورج سے نہیں کچھ منفعت	گر نہ ہووے آنکھ میں نور نظر

غرض حقیقی معنی عقل کے تو اس قوت جبلی کے ہیں اور مجازاً اور علوم پر اس سبب سے اطلاق ہوتا ہے کہ اُس قوت کے ثمرات ہیں۔ یہ علوم اس قوت جبلی میں چھپے رہتے ہیں اور پھر کسی وجہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں وہ اِس قوت کے باہر سے نہیں آتے۔ اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ پانی کہ کنواں کھودنے سے نکل آتا ہے اور جمع ہو کر محسوس ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ باہر سے کوئی چیز اُس میں ڈالی جاتی ہے اسی طرح بادام میں تیل اور گل میں گلاب رہتا ہے۔

(۶) عقل کا کم اور زیادہ ہونا

عقل کی کمی و زیادتی سب قسموں میں سوا قسم دوم کے ہو سکتی ہے۔ یعنی علم بدیہی میں کچھہ تفاوت نہیں ہو سکتا سب انسانوں کی عقل اس باب میں یکساں ہے۔ کہ ایک سے زیادہ دو ہوتے ہیں اور ایک جسم دو جگہہ نہیں رہ سکتا۔ باقی تین قسموں میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ اول قسم کی عقل کا کم و بیش ہونا ظاہر ہے کہ لوگ علوم کے سمجھنے میں متفاوت ہوتی ہیں کوئی تو کم ذہن ایسا ہوتا ہے کہ بہت سا سمجھانے اور استاد مارنے سے سمجھتا ہے کوئی تیز ذہن ہوتا ہے ادنی رمز و اشارہ میں سمجھہ جاتا ہے۔ کوئی ایسا کامل ہوتا ہے کہ خود اُس کے نفس سے امور حقائق جوش مارتے ہیں سیکھنے کی نوبت نہیں آتی۔ تیسری قسم کی عقل جو تجربوں کا علم ہے اُس میں بھی لوگ کم و بیش ہوتے ہیں بعض جلد بات کو پا جاتے ہیں اور انکی رائے [illegible] ایسے نہیں ہوتے چوتھی قسم میں یعنی قوت عقل کا اس درجہ پر زیادہ ہونا

کہ وہ قوت شہوات کو اکھاڑ دے اُس میں ظاہر ہے کہ لوگ متفاوت ہوتے ہیں۔ بلکہ اس بات میں صرف ایک شخص کی حالات میں بھی وہ کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ یہ تفاوت کبھی شہوت کی تفاوت کی جہت سے ہوتا ہے کبھی اُس کے ضرر کے علموں کے تفاوت کے سبب سے ایک عالم گناہ کے ضرر جانتا ہے۔ جاہل نہیں جانتا بعض آدمیوں کے نفس میں عقل ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود متنبہ ہو کر بات کو سمجھ جاتے ہیں بعض بدون تنبیہ اور تعلیم کے نہیں سمجھتے۔ اور بعض کو تنبیہ و تعلیم بھی کارگر نہیں ہوتی اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ زمین کی کہ اُس کی تین قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جسمیں پانی جمع ہوتا ہے اور زور پکڑتا ہے اور خود اُس میں سے چشمہ بہنے لگتا ہے۔ دوسری قسم وہ جسمیں حاجت کنواں کھودنے کی ہوتی ہے اور پانی بغیر کنوے کے نہیں نکلتا۔ تیسری قسم وہ ہے کہ جسمیں کنوئے سے بھی پانی نہیں نکلتا خشک ہی رہتی ہے اس منقسم ہونے کا سبب ہے کہ زمین کے جواہر اپنی صفات میں مختلف ہوتے ہیں اس طرح کا حال انسان کی عقل کا ہے +

(۷) عقل

جو کچھ زیر چرخ نیک و بد ہے وہ خرمن خرد کا خوشہ چین ہے۔ علم و عمل سب اُسی سے درست ہوتے ہیں سارے کاموں کی کنجی اُسکے ہاتھ میں ہے تمام امور بستہ کو وہی کشادہ کرتی ہے۔ مایہ نیک و سایہ بد میں وہی تمیز کراتی ہے۔ دولت دین و صلاح میں کسی کی آنکھ آخر بیں ہوتی ہے عقل سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کیا ہوا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہوگا۔ عقل کے سخن میں صوت و حرف نہیں ہوتے اُس کا نطق جہاں دم مارتا ہے وہاں حرف و آواز عدم میں چلے جاتے ہیں۔ وہ خود ہی گوہر ہے خود ہی کان ہے خود ہی رسول ہے خود ہی نگہبان ہے جسم و جان کو بردباری اور نفس کو علم و یاری دیتی ہے یہ فسون و افسانہ نہیں بلکہ حکیمانہ بات ہے کہ آفتاب عقل کے مشرق و مغرب میں فوق و تحت و چپ و راست نہیں ہے بلکہ اُس کا مشرق ازل ہے اور مغرب اُس کا خداوند عز و جل ہے اُسی کی رو سے بہتی دین ہوتی ہے۔ اُسی سے دنیا کی پایگاہ قائم ہے وہی بنی آدم کی شادی ہے۔ فہم۔ وہم۔ ہوش۔ اُسی سے قائم ہوتے ہیں۔ وہی دونوں جہان کے عیبوں کو کبھی چھپاتی ہے کبھی صریح دکھاتی ہے۔

عقل ہی راہ حق کی دلیل ہے۔ عقل کا دامن پکڑ کہ تیری رہائی ہو۔ جو اُس کا فرمان کرنے اور نکرنے کا ہو وہ دل وجان سے مان۔ اہل عرب اُس کو مدبر الاقرب کہتے ہیں عقل کا نام فعال ہے۔ پانچوں حواس اُس کے غلام ہیں حس وطبیعت اُس کو اپنا امیر کہتے ہیں نفس ناطقہ اُس کا وزیر ہے مصلحت کی وجہ سے نہ کسی ہوس کی جہت سے اُس کا میل خسرو عادل اور عالم عامل کی طرف ہوتا ہے اس جوہر کے یہی دو عرض ہیں اور متابع غرض ہیں ان دونوں بغیر ملک ودین برباد ہوتے ہیں جہاں یہ دو نہیں ہوتے وہاں عقل نہیں ہوتی۔ یہ عقل ہی کا جوہر ہے جو نفس کو ہوا و نفسانی ومقتضیات شہواتی سے روکتا ہے۔ وہی شرع ودین کی وارث ہے۔ وہی زیرکوں کی غمخوار اس دنیا میں ہے۔ انسان کی جان کی حکمت فزاے عقل ہی ہے۔ جہالت سے عقل ہی تجھے رہائی دیتی ہے تیری دستگیری کے واسطے عقل ہی کافی ہے۔ یہی زاد راہ بس ہے جس شخص میں عقل کی بو آتی ہے۔ اُس کی باتوں میں نکتے نکلتے ہیں +

(۸) عقل

عقل ایک سلطان خوشخو صاحب قدرت ہے۔ اُسے سایہ خدا کہتے ہیں۔ ذات کے ساتھ سایہ آشنا ہوتا ہے۔ اُس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ سایہ بندہ وار ہوتا ہے اُسکو خود اختیار نہیں ہوتا ہے۔ گو ذات کے نیچے ہوتا ہے پس عقل بھی خدا کے ماتحت ہے۔ جو وہ حکم کرتا ہے اُس کو کہہ دیتی ہے۔ وہ پیشکار فرمان ہے اُس کی بات ہم قرین قران ہے۔ اُس کا فیض صفا میں سکینہ روح ہے۔ اُس کا فضل وفا میں سفینہ نوح ہے۔ بات اُس کی بارگاہ فرمان سے نہیں وہ تیرے درد کی درمان نہیں عقل بہتر وہم وحس وقیاس اور فلک ستارہ شناس سے ہے مصالح میں مدبر جان ممالک پرور وبہبود یزداں۔ اگر شیطان اور آگ و دھواں پاس تم کے ہو تو عقل تم کو جلد چھٹا دیگی۔ جو کوئی اُس کا مخالف ہوا وہ خراب خستہ ہوا جو اُس کا تابع ہوا وہ بلا سے چھوٹ گیا۔ عقل انسانی ہر چیز کو جانتی ہے وہ بہتر وبدتر و پاک ومردار میں تمیز کرتی ہے تن بشر کی کد خدا ہے۔ سب حال سے باخبر ہے جو اُس سے آشنا ہوا سب عیبوں سے جدا ہوا۔ سارے فساد میں نظم فلاح وصلاح کے واسطے وہی صلاح ہے۔ مرد ہنر گویا بانی ہے مگر اُس کی روح سر لوح ربانی ہوتی ہے

ہنرمند کے لئے ایسا ہی جیسا تن کے لئے جان۔ بے ہنر کے بدن زندہ ہو مگر جان مردہ ہوتی ہے جو
بُردبار ہے وہ شربت عقل چکھتا ہے۔ خر بے خرد بار کھینچتا ہے عقل کو ابجد حق از بر ہوتی ہے۔
جامۂ باطل اُسکے سر سے الگ ہوتا ہے جو شخص عقل میں نااہل ہے اُسکا حلم و علم جہل ہے۔ مرد عقل سوائے
خیال کے کچھ نہیں ہوتا۔ عاقل قادر و مقتدر و آمر و مامور ہے عقل بادشاہ ہے اور سب اُسکے لشکر
ہیں کیونکہ مرتبے میں اُس سے کمتر ہیں۔ عقل کو یہ عزت خدا ہی نے دی ہے ورنہ یہ شرف اس میں کیونکر
نہ ہوتا جو عقل حیلہ کی رہنما ہے وہ عقل نہیں ہے تیرے لئے عقیلہ ہے جو شخص عقل کو بدی کے ساتھ ملاتا ہے
اُس سے عقل بھاگ جاتی ہے اور وہ خود بہک جاتا ہے جو عقل راہ دکھلائے اُس پر چل جسکو عقل نہیں
دیوانہ ہے۔ وہ کسی کا آشنا نہیں بیگانہ ہے جس گھر میں عقل ہے وہاں غم درد کی انگور نہیں جس گھر
میں وہ نہیں وہاں می و شطرنج و نرد و بربط و نائے ہے۔ عقل مُٹی امر کے لئے ہے نہ قمار و خمر کے لئے جو سلاطین
عقل سے قرین نہیں وہ شیاطین ہیں عقل طرار و حیلہ گر نہیں ہوتی۔ عقل میں دو روئی و کینہ وری نہیں
ہوتی عقل کو اشعار سے عار ہوتا ہے اُسکو دروغ و ہرزہ کاری سے کیا کار ہوتا ہے۔ عقل طمع سے
کسی کی مدح و ذم نہیں کرتی کسی دل پر ستم نہیں کرتی۔ عقل بُرے کام نہیں کرتی جس کام کو وہ خود
نہیں پسند کرتی وہ نہیں کرتی عقل خواجہ محقق ہے صوفی بق بق کرنے والا نہیں عقل کبھی کذب سے
راضی نہیں ہوتی عقل ہرگز وکیل قاضی نہیں ہوتی عقل سوا راست گوئی کے کارساز نہیں گلو بیہ
و حیلہ ساز نہیں عقل ہرگز خطا نہیں کرتی کسی کے لئے بلا کا منصوبہ نہیں سوچتی عقل کو سوا صلاح کے
اور کام نہیں اپنی صلاح میں عقل کو معطل نہ کر۔ خودرائے کے ہاتھ میں خرد ایسی ہے جیسے کسی نابینا
کے ہاتھ میں چراغ۔ عقل نہ عیب و بہتان کی دمساز نہیں فلاں و بہمان کی پردہ پوش نہیں جو مال و جاہ و
مندینی کے واسطے عقل کہتا ہے وہ عقل عاریتی ہے عقل ایسے کاموں سے کنارہ کرتی ہے۔ دام و دانہ
کا قصد نہیں کرتی۔ جو عقل سے خالی ہیں وہ اپنے جہل سے اپنے گرد کرم کی طرح جالا تنتے ہیں اگر وہ تیز
رائے حکیم بھی ہوں تو ظاہر میں مار اور باطن میں کژدم ہیں سخا میں کند جفا میں تیز ہیں ایسے آدمیوں کی
عقل کو استراق اہرمن کہنا چاہئے۔ قلاب و کاہن و ساحر کے ذہن کو ضرور شعبدہ و شاعر کی

اسے کوطاری ومکاری جاننا چاہئے۔ جو خرد بدی کی طرف رہ نما ہو وہ سر لعنت ہے۔ عقل ہی خوے بخل کو جود سے اور بوے بید کو عود سے تیز کرتی ہے۔ گیاست او باش ہے در گذر عقل دین تلاش کر اور سروار وچلا جا۔ نہ عقل دین تیری نیک یار ہے۔ اگر وہ ٹل جائے تو اس کو سرسری کار نہ جان عقل دین سوا ہدایت کے کچھ اور نہیں عطا کرتی جب تک وہ حق پاس تجھ کو نہیں لے جاتی وہ تجھے نہیں چھوڑتی عقل دین تجھکو مخلوق پر میر بنا دیتی ہے۔ اس پیرہن میں عقل مادر زاد سے زیادہ کوئی دایہ آدمی کے لئے نہیں ہے۔ عقل بتلاتی ہے فلاں خوب ہے فلاں زشت ہے وہ زمین شور ہے وہ قابل کشت ہے اس خار کا گل اچھا ہے۔ یہ آب سرد ہے۔ اس پست کی عقل فتنہ ہے۔ یہ بلند ہے وہ کوتاہ ہے۔ وہ سرخ و سفید یہ سیاہ ہے۔ اس بیہودگی سے در گذر۔ شاہ بن کر فرزین کی چال نہ چل (ٹیڑھی چال نہ چل) کسب معانی کے واسطے کاسہ و کیسہ کو عقل سے پر کر۔ در غیب عقل ہی ترجمان ہے۔ تن کی جان اور جان کی بادشاہ خرد ہے۔ جو کوئی ہوا و ہوس کے لئے خرد کو کام میں لاتا ہے وہ دو گرہوں کے درمیان پیادہ چلتا ہے ایسے خرد کو فضل و ہنر ایسا برا معلوم ہوتا ہے جیسے چیونٹی کو پر۔ خدا ہر شخص کو بقدر عقل ثواب دیگا تجھ پر افسوس ہے اگر تو عقل کو ایک جھوٹی عورت سمجھے۔ تجھے چاہئے کہ جب عقل تیرے پاس آئے تو اسکو جان کی برابر عزیز رکھ وہ تجھ کو خوبرو بنائے گی۔ اگر تو اس کی تسبیح توڑے گا تو تیری صورت مسخ ہو جائے گی خرد ہی تیری جان کی مشاطہ ہے خرد ہی تیرے ایمان کا چراغ ہے۔ اس جہان میں عقدہ حق خرد ہے جو سربمہر و پائدار ہے۔ راستی عقل عاقبت کا اور کثرتی کینہ و حسد کا نام ہے الفقر جاہلی ہے۔ دین عاقلی ہے جہل عیب جوئی کرتی ہے عقل غیب گوئی۔ عاقل تجھ پر خفا ہو اس سے بہتر ہے کہ جاہل تجھے آنکھوں پر بٹھائے۔ خدا عاقلوں سے کام ڈالے جاہلوں کی صحبت سے دور رکھے۔ مایہ عقل سے آدمی بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی کے سایہ سے آفتاب بنتا ہے۔

(۹) عقل و شرع

عقل و شرع دونوں ایسے پاس پاس ہیں جیسے چشم و نور۔ نور بے چشم۔ شاخ بے بر۔ [illegible] جسم بے سر ہیں جو شہوت و خشم کے ہاتھ میں پھنسے ہوئے ہیں وہ چشم بے نور اور نور بے چشم [illegible]

۳/۱۱/۶۰

ایک تو اضع تلبیس کے ساتھہ کرتا ہی دوسرا ابلیس کی طرح تکبر کرتا ہی۔ دین و دنیا کے چشم و چراغ عقل و شرع ہیں۔ اگر تیرے دل میں خرد کی ہوا ہی تو سب چیزوں سے سوا، جدل کے تو خوش ہوتا ہی۔ خرد ہر دل کی طرف دوڑتی ہی۔ ہر دل سے باتیں کرتی ہی۔ عقل کا کام سوا کرم و داد کے نہیں۔ جب عقل پردہ کھولتی ہے تو نزاع ہوس بدرو کی طرح سر کو حسن میں چھپاتا ہی۔ جس سوار کے ہاتھہ میں عقل کی باگ ہی نیک انجامی کا گھوڑا اُس کی ران کے نیچے ہے۔ جس چہرہ کی مشاطہ خرد ہی اُس کو روز بد کبھی نہیں پیش آتا۔ جو بدگوہر ہیں وہ خرد سے قرب نہیں حاصل کرتے۔ سنگ بدگوہر گوہر نہیں ہوتا۔ باخرد ہوا انفسانی کو ایک علت زہر آمیز سمجھہ کر اُس سے بھاگتا ہی۔ اہل عاطفت کی عمر خرد ہی پر ختم ہوتی ہے۔ زبان پر حرف بد زبان ہوتا ہے۔ اہل دین کبھی بددل نہیں ہوتا۔ عقل کا مالک ہونا زر و جواہر کے مالک ہونے سے بہتر ہے۔ بادشاہی پاسبانی سے اچھی ہوتی ہے۔ عقل کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ جو ملک عقل میں پہونچ گیا۔ اُس نے دونو عالم کو جیسے وہ ہیں دیکھہ لیے ؎

اے خداوند خالق سبحاں ... تن رہی را بملک عقل رساں

(١٥) علماء

عالم جو لوگ بنتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دنیاوی علوم سیکھتے ہیں۔ اور جنکی غرض علم سے اپنی کشایش ہوتی ہے جس سے دنیا کے چین حاصل ہوں۔ اور اہل دنیا کے نزدیک جاہ و منزلت کا ذریعہ ہو۔ انسان کی عادت ہے کہ وہ ایسی چیز کو اختیار کرتا ہے جو اُس کو سہل اور اپنی طبیعت کے موافق معلوم ہوتی ہے اسلیے آدمی زیادہ تر دنیا کے حاصل کرنے کے لیے علم سیکھتے ہیں۔ کسب کمال سے غرض حب جاہ و ریاست مرجع خلائق اور انتظام ملکی میں شریک ہونا ہوتا ہی وہ مدرسے کے چراغ کے دہوئیں کو دماغ میں لیے پھرتے ہیں کہ مشعلیں اُن کے آگے جلیں وہ اوراق پر متوجہ ہوکر کتابوں کی سطور کو ایوان دولت کا نردبان بناتے ہیں اور منصبوں پر عروج کرتے ہیں۔ کتابوں کی طرف رجوع اُن کو اسی سبب سے ہوتی ہے کہ مرجع خلائق اور پیشواے عوام بنیں۔ دوسرے وہ جو دین کا علم سیکھتے ہیں آخرت کے کاموں کا خیال دنیا میں کرنا مشکل ہے

حق تلخ اور گراں ہوتا ہے اُس پر آگاہ ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اور اُس کا دریافت کرنا نہایت سخت ہے۔ اُس کا طریق دقیق ہے خصوصاً دل کی صفات کو معلوم کرنا اور اُس کو بُرے اخلاق سے پاک کرنا جو ایک ہمیشہ کی جان کندنی ہے۔ اور جو شخص اُس کے درپے ہوتا ہے وہ ایسا ہی جیسے دوا پینے والا کہ دوا کی تلخی پر بامید شفائے آیندہ صبر کرتا ہے پس ایسے طریق کی رغبت کس طرح بہت ہوسکتی ہے۔ صفت باطنی پیدا کرنے کے اہل خواص ہوتے ہیں۔ اور جو چیز عوام کو دی جاتی ہے وہ سہل ہوتی ہے۔ اُس کے خواستگار بہت ہوتے ہیں ایک بزرگ کا قول ہے کہ سارا علم دُنیا ہے مگر اُس کا عمل آخرت ہے۔ پس جو علم حاصل کرتے ہیں اور اُس پر عمل نہیں کرتے ہیں اُن کا علم بیکار ہے علم عمل کو پکارتا ہے۔ اگر عمل نے ہاں کہا تو خیر ورنہ علم رخصت ہوتا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ تین شخصوں کا حال قابل افسوس ہوتا ہے۔ ایک شخص وہ جو اپنی قوم میں عزت رکھتا تھا وہ ذلیل ہو گیا ہو دوم وہ جو قوم میں تونگر تھا مفلس ہو گیا ہو۔ سوم وہ عالم آخرت جو دنیا میں مشغول ہو گیا ہو حقیقت میں آخرت کے عمل کو چھوڑ کر دُنیا کی طلب میں مشغول ہونا عالم کے دل کی موت ہے ایسے عالموں کا حال ایسا ہی جیسا کہ کوئی پتھر نہر کے مُنہ پر رکھا ہے کہ وہ نہ خود پانی پیئے نہ پانی کو پہنچنے دے نہ کھیتی میں جانے دیوے۔ یا وہ باغوں کے تختوں کی پختہ نالیاں ہیں کہ باہر سے گچ ہے۔ اور اندر بدبو یا قبر کہ اوپر سے آباد اور اندر مُردوں کی ہڈیاں۔ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد۔ اور مثل دو سوکنوں کے ہیں کہ جب ایک کو راضی کرو تو دوسری ناخوش ہو۔ یا ترازو دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ جتنا ایک جھکے اُتنا دوسرا اُٹھے۔ یا مشرق و مغرب جیسے ہیں کہ جتنا ایک سے پاس ہو اُتنا دوسرے سے دور ہو۔ یا دو پیالوں کی طرح جن میں سے ایک بھرا ہے اور ایک خالی جسقدر بھرے ہوئے میں سے خالی میں بھرنے کے لئے ڈالو گے اُتنا ہی بھرا ہوا خالی ہوگا۔ ایک شخص نے اپنے بھائی کو لکھا تھا کہ تجھ کو خدا نے علم عنایت کیا اپنے علم کے نور کو گناہوں کے اندھیرے سے مت بجھانا۔ ورنہ جس روز اہل علم اپنے علم کے اُجالے میں چلیں گے تو تو تاریکی میں رہے گا۔ جب کسی قوم کے عالم دنیا میں نہایت مصروف ہو جاتے ہیں تو اُن کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے۔

جب خود نمک ہی میں فساد آجائے تو وہ اور کھانوں کا مصلح کیسے ہوسکتا ہے علما و آخرت جو زاہدی
لباس میں دنیا کو طلب کرتے ہیں تو وہ بکریوں کی کھال پہنتے ہیں اور اُن کے دل بھیڑیوں کے ہیں
و زبان اُن کی شہد سے میٹھی اور دل ایلوے سے زیادہ کڑوا ہے۔ ایک وہ عالم ہیں جو اپنے علم کو جمع کر رکھتے
ہیں اور ایسا بخل ہوتا ہے کہ یہ نہیں چاہتے کہ وہ دوسرے کے پاس بھی موجود ہو۔ بعض عالم اپنے علم کی حکومت
شاہانہ چاہتے ہیں کہ اگر اُن پر ذرا اعتراض ہوتا ہے یا اُن کے حق میں سستی کی جاتی ہے تو وہ
غصہ کے مارے آگ بگولا ہو جاتے ہیں ایک وہ عالم ہیں جب وعظ کہینگے تو بڑی درستی سے مگر جب
کوئی اُنکو نصیحت کرتا ہے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ ایک وہ عالم ہیں کہ عجب و کبر کرتے ہیں فروتنی
اور تواضع اُن میں نہیں ہوتی۔ غرض علما آخرت وہ ہیں جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں اُن کا
فعل قول کے خلاف نہیں ہوتا۔ وہ پہلے اپنے نفس کو نصیحت پذیر بناتے ہیں پھر اوروں کو نصیحت
کرتے ہیں یہ نہیں کہ اوروں کو کہے کہ خیر کرو اور آپ نہ کریں۔ جو ناصح ایسا ہے کہ وہ جو عیب اوروں کے
بتاتا ہے وہ خود کرتا ہے۔ جو اوروں کو کہتا ہے کہ دنیا کی طرف نہ مائل ہو اور آپ خود اُس پر مرتا ہے
اُس کی نصیحت دلوں پر سے ایسی ریٹ جاتی ہے جیسے کہ پتھر پر سے قطرہ ڈھل جاتا ہے۔ وہ
اوروں کو خدا یاد دلاتے ہیں اور خود بھولے ہوئے ہیں۔ اوروں کو خدا سے ڈراتے ہیں اور آپ اُس پر
دلیر ہیں۔ خدا کے نزدیک اوروں کو بلاتے ہیں آپ اُس سے دور بھاگتے ہیں بس ایسے عالموں کا
حال ایسا ہے کہ جیسے کوئی عورت خفیہ زنا کرے اور حمل رہ جائے اور جب حمل ظاہر ہو تو رسوا ہو جب علما
آخرت لغزش کرتے ہیں تو اُس کا بہت بڑا اثر لوگوں پر ہوتا ہے وہ اُن کے دلوں کو زمین شور
بنا دیتے ہیں کہ اُن پر میٹھے پانی کے قطرے گرتے ہیں مگر اُن کو ذرا شیرینی نہیں معلوم ہوتی۔
ایسے عالم بے عمل بہت سے جھگڑے کھڑے کر دیتے ہیں اور اعمال سے روگرداں ہوتے ہیں اُن کا حال
ایسا ہے جیسے کسی بیمار کو بہت روگ ہوں اور وہ کسی حاذق طبیب سے ملے اور وقت بھی تنگ ہو کہ وہ
چلا جاوے ایسے وقت میں وہ طبیب سے دواؤں کی خاصیت اور علم کی عجیب باتیں پوچھے اور جس ضرورت
میں خود گر پڑتا ہے اُس کو دریافت نہ کرے تو اُسکی حالت میں کیا شک ہے جو علما آخرت ...

جانتے ہیں کہ ہر شخص جو دنیا کسی چیز کو محبوب کہتا ہے وہ اس سے پہلے چھوٹ جاتی ہے مگر نیکیاں ایسی وفادار و محبوب ہیں کہ وہ قبر میں ساتھ جاتی ہیں جن شخصوں کے پاس کوئی چیز قدر و قیمت کی ہوتی ہے اُس کو اٹھا کے احتیاط سے رکھتے ہیں اور حفاظت کرتے ہیں نیک علما کا حال ہے جو چیز قدر و قیمت کی ہوتی ہے وہ خدا تعالے کی طرف پھیر دیتے ہیں لوگوں کا میل مال اور حسب نسب شرافت کی طرف ہوتا ہے علماء آخرت کے نزدیک یہ سب امور ہیچ ہوتے ہیں وہ تقوی و ورع ہی کو بزرگی و شرافت جانتے ہیں حسد کے سبب سے لوگ اوروں پر بدگمانی کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں مگر وہ خلق سے عداوت نہیں کرتے۔ رفق و مدارا کرتے ہیں غرض وہ سب طرح سے خدا کی طاعت پر جمے رہتے ہیں۔ دنیا کی خواہشوں کے لیے اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتے۔ خدا پر توکل رکھتے ہیں وہ اور لوگوں کی طرح تجارت۔ حرفے ہنر بدن کی تن درستی پر اپنی قسم کی مخلوق پر بھروسا نہیں رکھتے۔ وہ زیب و زینت میں پہنے نہیں رہتے۔ نہ اُس سے اُنس رکھتے ہیں وہ حکام سے دور رہتے ہیں کیونکہ جو شخص حکام سے ملتا ہے اُس کو بہت کچھ تکلف اُن کی رضا جوئی اور دلداری میں کرنا پڑتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ امیروں کے دروازے فتنے سے خالی نہیں ہوتے اسلئے وہ اُس سے گریز کرتے ہیں وہ علما بدتر ہیں جو بادشاہوں کے پاس جائیں اور وہ بادشاہ بہتر ہیں جو عالموں کے پاس آئیں۔ ظالم بادشاہوں کے پاس ہدایت کے لیے عالم کا جانا اچھا ہے۔ مگر اُن پاس جاکر مشکل پڑتی ہے کہ کلام میں نرمی اور مداہنت نہ کرے اور اُن کی تعریف اور خوشامد نہ کرے۔ غرض نہ دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ سلاطین سے ملتے ہیں وہ تو علم باطن کے سیکھنے کا اور دل کی نگرانی اور طریق آخرت کے پہچاننے اور اُس کے چلنے کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں خدا کے یقین کو لوگوں کے دلوں میں قوی کرتے ہیں اور ان کو شبہ سے نکالتے ہیں (فصل اول میں پڑھو) ایسے علما اکثر گفتگو علم و اعمال کے کرتے ہیں اور جو چیزیں کہ عمل کو فاسد کرتی ہیں اور دلوں کو پریشان کرتی ہیں اور وسواس کو ابھارتی ہیں اور شر کو اٹھا کر کھڑا کرتی ہیں اُن کے حال سے بحث کرتے ہیں کیونکہ دین کی اصل شر سے بچنا ہے۔ اشعار

بدی کے علم سے ہم کو بدی نہیں منظور
کہ لے بچے رہیں اُس سے یہی ہے اپنی مراد

گزشتہ کے حال سے جو آدمی نہیں آگاہ　　بعید کیا ہے کہ وہ شر میں پڑ کے ہو برباد

ایسے لوگ اپنی عمر کو زیادہ نہیں سمجھتے۔ جانتے ہیں کہ جو چیز آنی والی ہے وہ نزدیک ہے دور وہی ہے جو آنی نہیں۔ اسلئے وہ امور خیر میں جلدی کرتے ہیں نفس کی تہذیب اور باطن کی درستی کی طرف خیال رکھتے ہیں۔ اپنے علم کے موافق عمل کرتے ہیں کسی کو ایذا پہنچانے سے حذر کرتے ہیں جو مال ان پاس پہنچتا ہے وہ نیک راہ میں خرچ کرتے ہیں جو بات کہ زائد از حاجت ہوتی ہے اُس کو زبان سے نہیں نکالتے۔

(۱۱) علم و عمل

علم بہر کمال باید خواند　　نہ بسودائے مال باید خواند

ہم عقل کا بیان لکھ چکے اب علم کا بیان لکھتے ہیں علم ہی انسان کو درگاہ الٰہی تک پہونچاتا ہے ہوائے نفسانی و مال و جاہ سے بے پروا کرتا ہے۔ جتنا علم آتا ہو اُس کو کام میں لاؤ اور کام کے واسطے اُس کو پڑھو۔ علم کے ساتھ حلم ضرور ہے بے حلم کے آدمی علم سے متمتع نہیں ہوتا علم بے حلم خاک کو ہے اور علم با حلم آبرو ہے جان بے علم شاخ بے بار ہے۔ علم بغیر آدمی گمراہ ہے اور سرائے الٰہی کی رسائی میں دست کوتاہ ہے جسکا دمساز علم ہوا وہ نعمت و ناز میں سرفراز ہوا۔ اہل علم و ہنر کا سینہ آسمان ہوتا ہے اور اس میں دقائق و نکات اختر ہوتے ہیں سنگ بے سنگ کے لعل نہیں ہوتا۔ ایسا ہی آدمی کا علم بغیر حلم کے نیک نہیں ہوتا۔ سب باتوں کی طرف کان لگانے چاہئیں جو اُن میں بہتر معلوم ہو وہ دل پہ نقش کرنی چاہئیے خذ ما صفا و دع ما کدر۔ (جو چیز صاف ہو اسکو لے جو کدورت رکھتی ہو اُسے چھوڑ) علم والی کہ خدا سے جہان در خاصگان خدا میں ہوتے ہیں جیسے کاہ کاہ ربا سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا جاتا ایسے ہی بدون کو نیکوں کے ذریعہ سے سلامتی نہیں حاصل ہوتی۔ اگر علم پڑھنے سے اہل ہنر نہ ہو تو تمہارے علم سے جہل بہتر ہے جو شخص علم کے واسطے آمادہ نہیں ہے وہ مثل کاہ و کاہربا کی ہے کہ کاہربا کو کاہ کی جذب سے کچھ نہیں حاصل ہوتا۔ علم کا عالم بڑا فراخ و عجیب ہے اُسکی اطراف و حدود نہیں ہیں اگر آدمی سے ہو سکے تو اُس عالم کی سیر علم گلشن جان کا بام ہے۔ عقل و حواس اُسکی نردبان ہے جو عالم عمل سے دور رہا اُسکا

سال مہندس و مزدور کا سا ہے۔ مہندس جو ایک دم میں سوچ لیتا ہے وہ مزدور سے پانچ مہینے میں نہیں
سوچا جاتا۔ دو مہینے میں جو مہندس کام بنا لیتا ہے وہ اُس کے شاگرد سے برسوں میں نہیں ہوتا اور
جو یہ شاگرد کام کرتا ہے وہ مزدور سے عمر بھر نہیں ہوتا۔ اسی سبب سے مہندس سے مزدور کی مزدوری
کم ہوتی ہے یہ جسم سے کام کرتا ہے اور وہ علم سے۔ دیدۂ عالم مآل میں ہوتا ہے دیدۂ جاہل حال میں
ہوتا ہے جو ناداں نیک ہوتا ہے وہ اصل میں نیک نہیں ہوتا۔ بد دانا اُس سے زیادہ نیک ہوتا ہے عالم
کی ایک لحظہ کی بہا ایک عالم ہوتا ہے۔ جاہل کی ایک سال کی کام کی بہا چند درم ہوتے ہیں علم اور
عمل سواری ہے اسلئے عمل بار بردار علم کا ہے۔ علم بے عمل بادہ ہے۔ دین و دولت انہیں سے
پیدا ہوتے ہیں اول عالم اس عالم میں کم ہیں اور پھر عامل ان میں کمتر۔ علم بغیر کوئی کام بارور نہیں
ہوتا تخم بے مغز کے طرح ثمر نہیں دیتا۔ علم جو دین و داد کے واسطے ہے وہ آتش و آب خاک و باد ہے
جو علم باغ و راغ کے واسطے ہے سو وہ دزد کے ہاتھ میں چراغ ہے۔ علم داں علم خواں نہیں ہوتا۔ جو
عالم اپنی گفتار پرست ہوتا ہے وہ کبھی ہشیار نہیں ہوتا۔ علم سخن فروشی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ خموشی
کے واسطے جو علم میں دعوی ہوس کے لئے کرتا ہے وہ بانگ جرس ہے جس کے کچھ معنی نہیں جو اہل معنی ہیں وہ
بکواس نہیں کرتے ہیں۔ جس نے علم سے صدق و حق کو ڈھونڈا وہ سبقت لے گیا جس نے اُس سے دنیا
کا قصد کیا وہ ہلاک ہوا۔ علم مخلص جان میں ہوتا ہے علم دور و زبان پر۔ جو علم باکار ہے وہ نیرو مند
جو علم بے کار ہے وہ پا بند ہے۔ اہل صواب کے دل میں علم حق جو سے خرد میں آب روشن ہے علم مغز
عمل پوست ہے ایک نور چراغ دوسرا روغن ہے۔ افسوس ہے کہ عمل میں ایک مرد صادق نہیں لیکن مدعی بہت
سے ہیں ایک حکیم حاذق نہیں جو پیر فالج کا اور جوان کی دق کا معالج ہو۔ وہ اپنی دانش کا رنج خلق
کو دکھاتے ہیں اور اُسکی مزد پا لیتے ہیں مال و جاہ کے واسطے علم کی ہوس نہیں چاہئے خدا کے
واسطے علم چاہئے۔ آسمان ازل کے واسطے علم و عمل سے بہتر کوئی نردبان نہیں ہے یہی دو پر ہیں
جو اوج قرب الٰہی میں پہونچاتے ہیں یہی دو بازو ہیں جو دل کے باغ کو ہوسہا نفسانی کے خار و خس
سے پاک صاف کرتے ہیں اہل علم با عمل کی برابر کسی فرقہ کو عیبوں سے پاک صاف رہنا ضرور نہیں

کیونکہ اُن سے اور وں کے حال کی اصلاح و تہذیب اخلاق ہوتی ہے عوام انہیں کی پیروی کرتے ہیں اُن کے محاسن دیکھنے سے ایک خلق نکوکار ہو جاتی ہے۔ اگر اُن کے اوضاع زشت و ناصواب ہوں تو اُس سے خلق کے اخلاق میں فساد ہوتا ہے۔ عوام کی زشتی اعمال تو نجاست خشک ہے کہ اُن سے اثر دوسرے کو نہیں پہنچتا اور اہل علم کی بداطواری نجاست تر ہے کہ ایک خلق اُنسے پلید و ناپاک ہوتی ہے۔ انسانی گوہر کی آب علم ہے۔ اسلئے علو شان کے آسمان پر آفتاب ہی علم ہے۔ جمال علم کے کمال کے سبب سے انسان بہائم و دواب سے جدا و ممتاز ہے۔ اسی ہنر کی آبرو سے وہ محفل ہستی میں سب پر مقدم نشین ہے۔ علم ہی سے حرام و حلال معلوم ہوتا ہے۔ وہی راہ بہشت کا منارہ ہے۔ وحشت میں مونس و غربت و تنہائی میں مصاحب۔ خلوت میں سخن گو۔ سستی و سختی روزگار میں دلیل۔ دشمنوں پر سلاح اور دوستوں کی فلاح۔ ضعف میں قوت بدن۔ علم دل کی زندگی اور دیدوں کی روشنی ہے جہل موت و ظلمت ہے۔ وہی اخیار کی منازل اور ابرار کی مجالس میں پہونچاتی ہے۔ دنیا و آخرت میں اُسی سے درجے بلند ہوتے ہیں۔ علم کوئی مال نہیں ہے کہ صندوق میں جُدا رکھا ہوا ہو۔ وہ دل میں ہوتا ہے ہر وقت ساتھ رہتا ہے گھر اور بازار میں جدا نہیں ہوتا۔ کیا خوشوقت وہ صاحب توفیق ہے کہ شمع جہل سوز سے اپنا دل روشن کرتا ہے چراغ مدرسے سے اپنی ظلمت نادانی کو دور کرتا ہے۔ فرخ فال وہ صاحب اقبال ہے کہ ممالک علم و دانش کی تسخیر کے لئے علم بلند کرتا ہے۔ زندہ دل وہ عاقل ہے کہ کتب معتبرہ کی سواد ظلمات میں آب حیات تحقیق سے اپنے تئیں زندہ کرتا ہے وہ کیا شیریں کام ہے کہ چار پانچ کتب مستندہ میں شاخسار سطور سے معارف کے اثمار خوشگوار کے مزے لیتا ہے۔ علم کے لئے عمل اور عمل کے لیے علم درکار ہے۔ کیونکہ ہر کام کے کرنے کے لیے اس کا جاننا ضرور ہے اور ہر مقصد کے طلب میں اُسکے حاصل کرنے کا طریقہ جاننا مقدم ہے۔ غرض علم کو عمل پر تقدم ہے۔ نساجی و حلاجی و نجاری۔ حدادی میں شاگردی و استادی ضرور چاہیے۔ اُستاد بتلائے تو شاگرد عمل کریگا۔ جو لوگ بے علم کے عمل کرتے ہیں وہ جہل و نادانی کی باریک و تاریک راہ میں قدم رکھتے ہیں عمل بے علم ہمیشہ اصلاح کی نسبت فساد زیادہ کرتا ہے۔ عامل بے علم ایسا راہ رو

ہوتا ہی کہ راہ مقصد پر نہیں چلتا۔ جتنا جلد چلتا ہی اُتنا ہی منزل مقصود سے دور ہوتا ہی۔ جو لوگ خدا کی راہ میں چلنا چاہتے ہیں اُن کے لئے ہادی و مرشد کی ضرورت ہی۔ جو شخص بے ہادی علم کے عمل کے وادی میں قدم رکھتا ہی وہ ضلالت میں پڑتا ہی۔ جیسے عمل کے لئے علم درکار ہے ایسا ہی علم کے لئے عمل کی ضرورت ہی۔ اہل علم و کمال عوام و جہال میں ایسے ہوتے ہیں جیسے اندھوں میں دیکھنے والے۔ اندھوں کی نسبت دیکھنے والوں کا کنوئے میں گرنا یا راہ جو مدعا کی طرف جاتی ہے اُس سے بہک جانا زیادہ قبیح و بُرا ہے۔ اِس طرح اگر اہل علم طریق بندگی میں بے پروائی کر کے گھاٹیوں کے اندھے کنوئے میں گر پڑیں تو بہ نسبت جاہلوں کے زیادہ بُرا ہے۔ جاہل تو اپنے جہل کے سبب سے عمل نہ کریں تو اتنا بُرا نہیں ہی جیسا کہ اہل علم کا باوجود علم کے عمل نہ کرنا بُرا ہے

سنائیؒ	نہ ازاں لعنت است برابلیس	کہ نداند ہمیں مسیس زیار	
	زاں بر او لعنت است کاندریں	علم دارد بعلم نہ کند کار	

تو دزد حرص سے ڈر نہیں رات کو وہ چراغ لے کر آئے گا اور تیرے گھر میں سے عمدہ اسباب لے جائے گا۔ عالم فاسق جاہل فاسق سے زیادہ بدبخت ہوتا ہی۔ اور اس سے مواخذہ سخت ہوتا ہے۔ سچ ہے علم کے ساتھہ رنج عمل ضرور ہے۔ ان ہی دو مقدموں کی ترتیب سے نتیجہ رستگاری دین و دنیا پیدا ہوتا ہے۔

(۱۲) جہالت اور عالم بے عمل کی مذمت

تو نے عقل سے بہت دور اپنا خیمہ لگایا ہی اور جہالت کے پاس جا کر پڑا ہی جسنے تیرے منہ پر مہر لگا دی ہے تو اس راہ پر چلا نہیں جس میں آدمیوں کو چلنا چاہئے۔ بلکہ جنگل میں گمراہ ہو رہا ہی علم کی مدد سے تجھے فراغ نہیں ہے۔ شب تاریک میں تیرے پاس چراغ نہیں ہے جسکی راہ میں چراغ نہ ہو وہ چاہ میں گرتا ہی۔ اور پہر راہ بھی وہ ہو جسمیں سو چاہ ہوں۔ اور تو اُن سے بے خبر ہو۔ تو تیرا چلنا اُس میں ایسا ہی جیسا کہ چہلنی میں چینوٹی کا چلنا۔ جو شخص دانش کے سبب عزیز نہیں ہوتا وہ کائے سیل ہوتا ہے۔ جاہل پاس زر خواہ کتنا ہی ہو وہ گدا ہی۔ جو مرد علم سے تو نگر ہوتا ہے

اُسکی نظر گوہر و زر پر نہیں ہوتی۔ علم و درم دونوں کسی شخص کے پاس نہیں ہوتے عالم تونگر جاہل سے
بہتر ہوتا ہے۔ اگر جاہل اپنے زر پر خروش کرے تو ارباب ہوش اُس کو عیب سمجھتے ہیں گائے
پر اگر موتیوں کی جھول ہو تو اُس پر بوجھ زیادہ ہوگا۔ کوئی ہنر اُس میں نہیں پیدا ہوگا سفیہ سر پر
عمامہ رکھنے سے فقیہ نہیں بن جائیگا خر جل دیبا سے اہل نہیں ہوگا۔ جب سرمایہ علم نہیں تو اُسے
دستار کے پیچ میں کیوں اپنے تئیں ڈالتا ہے۔ سب لباسوں میں جہل کا لباس زشت ہے۔
اگر کوئی اہل علم کا جاہل لباس پہن لے تو اُس سے جہل پوشیدہ نہیں ہوتی۔ یہ ایسا ہے کہ
جبہ سفید ہے مگر استر اندر سے رنگین۔ اوپر لطیف ہے نیچے خارا ہے۔ اگر آدمی فقط لباس ہی پہن کر
صدر جوئی کرے تو جسوقت کوئی اُس سے مسئلہ پوچھے گا تو کیا کہے گا منصب بے مایہ کو سزاوار ہی نہیں
خواہ وہ پیغمبر زادہ ہی کیوں نہو جسکی جگہ صف نعال میں ہونی چاہیئے اُس کے واسطے گاؤ تکیہ
لگانا وبال ہے۔ جو جاہل پایہ اعلیٰ طلب کرتا ہے وہ اجہل ہے۔ جاہ نگاہ کی کمی و بیشی کو ذلت و
جاہ بے بصر جانتے ہیں۔ مگر جو بینا ہیں وہ اُس کی کمی و بیشی پر کچھ خیال نہیں کرتے۔ دیدہ
فربہ ہو نہ لاغر۔ فائدہ خاص یہ ہے کہ جاہ تکبر سے خلاص ہو۔ جہالت بے دینی کے دیباچہ کا مطلع
ہے اور خود بینی کا سبق ہے۔ جو شخص دانش کو آبرو کے لیئے تلاش کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے
کہ اہل تکلف میری تعظیم کے لئے کھڑے ہوں صدر بلند پر بٹھائیں۔ وہ اپنی آبرو سے ہاتھ دھوتا ہے
دانشمند اُس کو اپنا شرف نہیں سمجھتا کہ صدر بلند پر اُسے بٹھائیں محراب اُسی کو سزاوار ہے جو
دین و دیانت کی باتیں بہت جانتا ہے اگر وہ ہمسروں کی صفوں میں بیٹھ کر نمائش کے لیئے
ہرزہ درائی کرے تو وہ گدہا ہے اُسکو چاہیئے کہ وہ نیشکر کی طرح بُری سے خموش ہو۔ خالی
نَے کی طرح خروش نہ کرے۔ جو عالم سوال و جواب سے غافل ہو اُس کا بیان ایسا ہوتا ہے جیسے
کہ خواب میں بڑانا۔ جو علم کہ خواب کی طرح بیان ہو وہ علم نہیں ہے بلکہ افسانہ ہے علم وہ زندہ
دلی سے پڑھ کہ تیرا خواب بھی عبادت ہو جب تو ہی شاہد و معنی کے لئے بہانے علم سے بتائے گا
تو اُس کو علم نہ کہو خواب پریشان کہو۔ تورات میں زہر کا ہونا زہر ہے۔ الٰہی کا بادہ و قرآن کا

ایک سینہ میں ہونا قہر ہے۔ جو حافظ قرآن ہو کر شراب پیے تو وہ قرآن کو شراب سے دہوتا ہے جو کفر ہے۔ علم وہی ہے کہ سلامتی کی راہ بتائے اور راہ قیامت کا بدرقہ ہو۔ جو بدرقہ راہ کو رہزنی سکہاتا ہے وہ اپنے وطن میں آگ لگاتا ہے۔ تعلیم وہی ہے جو دل فروزی کرے نہ یہ کہ دوزخ کے واسطے سبق آموزی کرے۔ جو تیشہ زن ہنر سکہاتا ہے وہ تختہ جلانے کے واسطے نہیں بناتا ہے شمع گہر کی شب افروزی کے واسطے ہوتی ہے نہ گہر میں آگ لگانے کے واسطے۔ سوئی اس لئے ہوتی ہے کہ جو پاؤں میں کانٹا چبہہ جائے اُس سے نکالے نہ یہ کہ وہ خود اپنی نوک پاؤں میں اور چبہوئے۔ تو جو مسائل مذہب کو مکر و فریب سے بیان کرتا ہے تو فرشتہ کے نیچے بیضہ شیطان رکہتا ہے۔ ہما کے نیچے خواہ کسی مرغ کا بیضہ ہو وہ اپنے نسب پر پیدا ہوگا۔ تجہے شرم نہیں آتی کہ فرمانبری کے وقت تو تیغ نبی کو شیطان کے ہاتہہ میں دیتا ہے۔ جو عالم ربانی ہوتے ہیں وہ حیلہ و مکر سے ایسے دور رہتے ہیں جیسے سایہ سے نور۔ جاہل اگر نیک و بد میں فرق نہ کریں تو مضائقہ نہیں کیونکہ ورق بے نگار میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ مگر عالم ہو کر ایسا کرے تو غضب ہے۔ علم وہی ہے جو راہ تحقیق میں نفس نفی کرے۔ خشم خدا سے ترسناک ہو کر صواب اور پاک باتیں کہے۔ اگر تجہے اپنی خطا کی بیم نہ ہو تو تیرے لئے علم خلل عظیم ہے۔ تو اپنے عمل سست سے فتنوں کے واسطے کمر چست کرتا ہے۔ جو علم کہ عمل کا نشان نہیں رکہتا وہ ایک کالبد بے جان ہے۔

(۱۳) صوفی

اگر تجہکو صوفی ہونے کا شوق ہو تو تو خود بینی سے آنکہہ بند کر لے گنج عرفان کو اپنا حاصل کسب بنا فقط خدا کی ذات کو اپنا قبلہ بنا جلوہ وحدت تو ہمیشہ آنکہوں کے سامنے رکہہ لطف و قہر کو نوش و زہر کو یکساں جان۔ صوفی صافی صفت تو یہی خوبیاں رکہتے ہیں جو صوفی اپنا آوازہ بلند کرتے ہیں اور اسی شغل کو پسند کرتے ہیں وہ مثل خم تہی کے ہیں کہ جتنے آواز نکلتی ہے۔ وہ صوفی نہیں اُن کو اس دعوی سے کچہہ سود نہیں خام جو پختگی کا دعوی کرے اسے کچہہ حاصل نہیں ہیچ زنگی کا نام کافور رکہو تو اس سے سیاہی اسکی دور نہیں ہوتی۔ طوطی قدسی ہونے کا دعوی

اور ہوا میں مکس کی طرح ہوس کے سبب سے لوگوں کے خوان پر پر زنی - خرقہ صد پارہ کیا کام آئیگا
جب تیرا دین ہی صد پارہ ہو گیا یہ صوفی ہونا نہیں ہے بلکہ اپنے تئیں بدی میں مشہور کرنا ہے
اور درد و بلا کو جمع کرنا - ریا سازی کی عادت کو طاعت بازی بنا رکھا ہے سجادہ کو کندھے پر
سجادہ فروشوں کی طرح ڈال رکھا ہے - اہل بازار دیدہ ور ہیں وہ تیری ایسی جنس کو پھوٹی
کوڑی کو بھی نہیں خریدیں گے - اہل دل کی راہ میں ہمت پست کے سبب سے سوا عصا کے کچھہ
اور تیرے پاس نہیں ہے - اگر لغزش پا سے کنوئیں میں گرے گا تو یہ عصا کچھہ تیری مدد نہیں کریگا
مسواک کو تو نے دندان طمع کے تیز کرنے کے لئے سوہان بنا رکھا ہے - وہ تیرے دانتوں کو آرہ
کی طرح کاٹ ڈالے گی - تو تسبیح کو انگلیوں پر پیچ دے رہا ہے تیرے اس پیچ میں کوئی نہیں آئیگا
چند مہرے سر و پا کی بست و کشاد سے نقش مراد حاصل نہیں ہوتا ہے - اگر تجھہ کو حساب حسنات مطلوب ہے
تو انگلیوں کی پوریں ہی کافی ہیں - تو اپنی ڈاڑھی کے بالوں کو کنگھی سے ایسا آراستہ کرتا ہے
جیسے کہ عورتیں اپنے بالوں کو سنوارتی ہیں - اگر مرد ہے تو شانہ کو پھینک دے - تو جو اوروں کے ساتھہ
لیکر دانتوں کی طرح صف باندھ کے غیروں کی روٹیوں پر بیٹھا ہے تو اس سے تجھہ کو کچھہ بہرہ نہیں
حاصل ہوگا حرص و شرہ سے دست کوتاہ کر اہل قناعت کی صف میں آ - اس دیر مجازی میں دست
درازی سے کوتاہ دستی کرنی سب باتوں سے زیادہ اچھی ہے +

(۱۴) صوفی

اگر تو راہ تصوف میں چلنا چاہتا ہے تو اس راہ میں خدا کی رضا کا توشہ لے اور اپنے سب آرام کو
ایک کونہ میں کہہ دے - اسباب دنیا کی محبت کو اس راہ میں لیکر نہ چل ہزاروں راہ زن اس میں موجود
ہیں - اگر اس بار کو سر سے نہ اتارے گا تو تیرا حال دنبے کا سا ہوگا جسکے پیچھے بھیڑیا دوڑے تو
اُس کی دُم کی چکتی کا بوجھہ ہے اُسکے پاؤں کے لئے سنگ راہ ہوگا جب تک تو اپنے تئیں خاک و
گھاس کی طرح پا کوب نہیں بنائے گا درگاہ کبریائی میں قدم نہیں رکھنے پائے گا جب تک
سو جگہہ سے دل کو خستہ نہیں کریگا نور حقائق تجھہ کو نہیں حاصل ہوگا - بہت سی خلائق

پشمینہ پوش ہیں جنکے گوش میں آوازِ اذاں نہیں جاتی۔ بہت سے زاہد خشک ایسے ہیں کہ اپنی ظاہری طہارت دکھانے کے واسطے بدن کو بار بار دھوتے ہیں جب کہ آبرو لوگوں میں حاصل ہو ایسی آبرو روغن دوزخ ہے جو آلودگی میں اپنے تئیں پاک دکھاتا ہے وہ اہل نظر کی نظر میں تابناک نہیں ہوگا۔ جو حقیقت میں پاک ہیں جیسے آفتاب گو اُس کی تابش کی نگاہ کو تاب نہیں مگر اُس کو آب میں دیکھ لیتے ہیں غرض کسی ذریعہ سے پاکوں کو لوگ جان جاتے ہیں بہت سے زاہد زر دوست ہیں کہ وہ زر کی خوب مضبوط گرہیں باندھتے ہیں مگر زر فقیر لے اور وہ کسی کو نہ دے تو وہ خسیس ہے صوفی کو دولت سے پرہیز چاہیئے۔ یہ کیا کہ سر پر بالوں کا بوجھ نہ اٹھائیں اُس کو مُنڈائیں مگر یہ بار زر سر پر لیں اگر فقیر سے غرض زر طلبی ہو تو فقیر اور تجارت میں کیا فرق ہے بھاری جو پاک باز دست بال ہارنے والا ہے وہ اس عابد سے اچھا ہے جسکی عبادت کا سبب حرص آز ہے صوفی کو یہ سمجھنا چاہیئے جیسا برہمنوں کے واسطے بت زریں بد ہے ایسے ہی میرے لئے اس زر کا بت بنانا بُرا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آدمی دین دنیا دونوں کے ساتھ موافقت نہیں کر سکتا۔ زہر و تریاق ایک جگہ نہیں اکٹھے ہوتے۔ ایک پلڑے میں شیر کی موچھیں اور گوزن کی پلکیں نہیں تل سکتیں +

(۱۵) اُستاد کے آداب

علم کے باب میں آدمی کے چار حال ہیں جیسے مال کے حاصل کرنے میں ہوتے ہیں مثلاً مال اول تو مال پیدا کرتا ہے اُس وقت کمانے والا کہلاتا ہے دوم اپنی کمائی کو جمع کرتا ہے تو تو نگر ہو جاتا ہے کہ حاجت دوسرے کے مانگنے کی نہیں رہتی سوم اپنے مال کو خود اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے تو اس سے مستفید و متمتع ہوتا ہے چہارم وہ دوسروں کو دیتا ہے تو اس صورت میں سخی اور اہل فضل گنا جاتا ہے۔ اور یہ پچھلی حالت سب حالتوں سے اشرف ہے پس یہی حال علم کا ہے۔ وہ بھی مال کی طرح تحصیل کیا جاتا ہے اور چار حالتیں اسکی بھی ہیں اول طلب کا زمانہ۔ دوم حاصل کئے ہوئے علم پر ایسا عبور ہونا کہ حاجت سوال کی نہ رہے سوم جس بات کو حاصل کیا ہے اُس کو فکر کرکے اس سے مستفید ہونا چہارم اسکے فائدہ پہنچانا اور یہ حال سب میں اشرف ہے پس جو شخص اور لوگوں کو علم سکھاتا ہے اس کا حال آفتاب کی

طرح ہے کہ دوسروںکو روشنی دیتا ہے اور آپ بھی روشن ہے۔ یا مشک جیسا ہے کہ دوسروںکو معطر کرتا ہے اور خود بھی خوشبودار ہے۔ جو شخص معلمی کا کام اپنے ذمے لیتا ہے۔ وہ ایک امر خطیر کو اختیار کرتا ہے اُسکو ان آداب اور قواعد پر عمل کرنا چاہیئے۔

آداب اول شاگردوں پر شفقت کرے اور اُن کو اپنے بیٹوں کی برابر جانے۔ اور اپنے شاگردوں میں باہم وہ محبت پیدا کرے جو بھائیوں میں ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک باپ کے بیٹے آپس میں محبت وسلوک رکھتے ہیں ایسے ہی اُسکے سب شاگرد آپسمیں پیار اخلاق سے رہیں +

دوم آداب علم سکہانے پر نہ مزدوری طلب کرے اور نہ کسی اور طرح کے بدلہ کی نیت ہو کہ شکر کا خواہاں ہو نہ اُن پر اپنا احسان جتائے غرض پڑہانے سے صرف علم پہیلانے سے ہو تا کہ تہذیب وشائستگی بڑہے۔ نیک کمائیوں کی طرف لوگ متوجہ ہوں۔

آداب سوم شاگرد کی نصیحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ اُستاد اپنے طلبہ کی اخلاق اور تہذیب نفس کو دیکہتا رہے اور جب وہ تہذیب کے خلاف کام کریں تو اُن کا مزاحم ہو۔ اور جہانتک ہوسکے کنایۃً اور پیار کی راہ سے اخلاق بد سے منع کرے۔ تصریح وتوبیخ کے ساتھہ نہ جہڑکے اسلیئے کہ تصریح ہیبت کا حجاب دور کر دیتی ہے اور خلاف کرنے پر جرأت کا باعث اور اصرار پر حریص ہونے کا موجب ہوتا ہے علاوہ اسکے کنایۃً سمجہانے میں یہ خوبی ہے کہ جن طلبہ کے نفوس اچہے اور ذہن تیز ہوتے ہیں وہ اوس کے معانی نکال لیتے اور مقصود کے سمجہہ جانے کی خوشی کے سبب اوسپر عمل کرنے کی رغبت کرتے ہیں جسکے سبب اُن کی دانائی کا اظہار اوروں پر ہو +

چہارم۔ اُستاد جس علم کو سکہاتا ہو شاگرد کے دل میں اُس علم کے سوا اور علوم کی برائی نہ ڈالے اور علوم کے سیکہنے کی بہی راہ بتلائے کہ وہ اُن کو اور عالموں سے سیکہے۔ یہ نہیں کہ وہ جو منطق وفلسفہ پڑہاتا ہے تو وہ علم لغت کو کہے کہ وہ کسی کام کا نہیں اُس کا سیکہنا ضرور نہیں

پانچواں ادب شاگرد کے سامنے بیان کرنے میں صرف اُس کی سمجہہ پر کفایت کرے۔ ایسی بات اُس سے نہ کہے جس تک اُس کی عقل نہ پہونچے۔ نہ سمجہنے کے سبب سے وہ اُس شے سے نفرت کرنے لگے

یا اُس کی عقل میں خبط نہ ہو۔ غرض اُن کی فہم کے موافق باتیں کرے۔ وہی باتیں شاگرد کے آگے بیان کرے جس کو جانے کہ وہ اچھی طرح سمجھے گا۔ اور وہ اس سے فائدہ اٹھانے کا اہل ہے جس صورت میں کہ شاگرد ایک بات کو سمجھتا ہی نہیں ہو بہتر ہے کہ اُسکے آگے ذکر نہ کرو۔ بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ سوروں کی گردن میں جواہر مت ڈالو کہ حکمت جو ہیروں سے بہتر ہے اور جو شخص اُسکو بُرا جانتا ہو وہ سوروں سے بدتر ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ہر شخص کو اُسکی عقل کے پیمانے کے بموجب ناپو۔ اور اُسکی سمجھ کی ترازو کے بموجب اُس کے لیے سخن سنج ہو تا کہ وہ تم سے نفع پاوے علم تو جہل نہیں ہوتا۔ مگر اُسکی تاثیر ضرر پہنچانے میں نا اہلوں پر جہل کی طرح ہوتی ہے۔

چھٹا ادب جب شاگرد کا حال معلوم ہو جاوے کہ کم فہم ہے تو اُستاد کو چاہیے کہ اُسکو موٹی بات جو اُس کے لایق ہو بتاوے اور اس سے یہ نہ کہے کہ اُس میں کوئی دقیق بات بھی ہے جو میں نے تم کو نہیں بتائی کیونکہ اِس کہنے سے شاگرد کی رغبت اُس موٹی بات میں پھیکی پڑ جائے گی اور اس کے دل کو پراگندگی ہو جائے گی اور یہ وہم کرے گا کہ مجھے بتانے میں دریغ کرتے ہیں کیونکہ اپنے گمان میں ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں ہر ایک علم دقیق کے قابل ہوں اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ میری عقل کامل بنائی ہے اور حقیقت میں وہ شخص بڑا احمق اور کم عقل ہے جو اپنی عقل کے کامل جاننے سے زیادہ خوش ہو

ساتواں ادب اُستاد اپنے علم کے بموجب عمل کرتا ہو ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ اسلیئے علم تو دل کی آنکھ سے معلوم ہوتا ہے اور عمل ظاہر کی آنکھ سے۔ ظاہر کے دیکھنے والے لوگ بہت ہیں اسلیئے جو شخص ایک کام خود کرے اور دوسروں کو کہے کہ اُس کام کو نہ کرو کہ زہر قاتل ہے تو اس سے لوگ تمسخر کرینگے اور تہمت لگائینگے کہ اُستاد جی خود ایک کام کو کرتے ہیں تو ضرور وہ اچھا اور مزہ دار ہو گا تو ہم بھی کریں اُستاد کو شاگرد کے لحاظ سے دیکھو تو ایسا ہے جیسے مُہر اور نقش یا لکڑی و سایہ جس مُہر پر خود نقش اچھے نہ ہونگے وہ موم پر کیسے اچھے نقش کرے گی جو لکڑی خود سیدھی ہی نہیں وہ اپنا سایہ کیسا سیدھا ڈال سکتی ہے۔ پس جو اُستاد کسی خطا میں خود

مشغول ہے اور وہ اپنے شاگردوں کو منع کرتا ہے وہ بڑا نامعقول ہے جو ایک اچھی بات ایسے
دوسرے شاگردوں پر کرے پہلے اسکے کہ آپ مانے پس جن برائیوں سے اوروں کو منع کرے
آپ اُس سے باز رہے

(۱۲) آداب طالب علم

پہلا ادب طالب علم اور شغلوں کے تعلقات کو کم کرے ہو سکے تو سب
اپنے عزیز و اقارب اور وطن سے دوری اختیار کرے۔ اسلئے کہ ایسے سب علاقے تحصیل علم
کے حارج اور مانع ہیں اور کسی انسان کے دو دل نہیں ہوتے پس جب دل بٹا رہے تو تحصیل علم
اندر قصور رہے گا کسی بزرگ کا قول ہے کہ علم تجھہ کو اپنا تھوڑا حصہ دے گا جب تک تو اسکو
اپنا سب دل و جان حوالہ نہ کرے گا غرض جب آدمی کا ذہن بہت کاموں میں بٹا رہتا ہے
اُس کا حال نالے کا ہوتا ہے جس کا پانی پھیل گیا ہو کہ کچھہ تو زمین پی جاتی ہے اور کچھہ ہوا
سکھا دیتی ہے تو اُس میں اتنا پانی نہیں رہتا کہ اکٹھا ہو کر کھیتی میں پہنچے۔

دوسرا ادب کہ علم پر تکبر نہ کرے اور نہ استاد پر حکومت۔ بلکہ اپنے معاملہ کو ہر حال میں بالکل
استاد کے اختیار میں چھوڑ دے اور اُسکی نصیحت کو ایسا مانے جیسے جاہل بیمار طبیب شفیق و حاذق
کو مانتا ہے۔ استاد سے چاہئے کہ انکسار کے ساتھہ پیش آئے اور اُسکی خدمت کو اپنا شرف جانے
طالب علم کو تکبر کرنا منع ہے۔ کبھی تکبر یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی مشہور عالم سے پڑھینگے اور دوسرے
عالموں سے پڑھنے سے کترائیں۔ یہ امر عین حماقت ہے علم ہر عالم سے حاصل ہو سکتا ہے غرض
علم کو تکبر سے تنفر ہے علم بغیر انکسار اور کان لگانے کے نہیں آتا جو کان میں ڈالا جائے اُس کو
اچھی طرح سن کر خوشی کے ساتھہ قبول کرے استاد کے سامنے شاگرد کو ایسا رہنا چاہئے جیسے کہ
نرم زمین جس پر بہت سا مینہ برسے اور وہ سب پی جائے ایسے ہی جو استاد بتائے اُسکو قبول کرے
اور اُس میں اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ جو شاگرد اپنے استاد کی رائے کے سامنے اپنی رائے
اور اختیار باقی رکھے گا تو وہ اپنی حاجت سے محروم رہے گا بے شک استاد سے پوچھنا چاہئے
اور جو اپنی سمجھ میں آئے وہ کہنا چاہئے مگر استاد جہانتک پوچھنے کی اور اپنی اظہار رائے کی اجازت دے

اور جن چیزوں کی استفسار کو کہے ہاں تک تو یہ کام جائز ہے ایسی بات پوچھنی کہ جسکے سمجھنے کا رتبہ ہمکو حاصل نہیں ہوا ابھی جس چیز کے
بتانے کا وقت ہوتا ہے وہی وقت اُسکے پوچھنے کا ہے استاد سے بہت سوال نہ کرو جواب میں اُسکو طعنہ مت دو +

تیسرا ادب طالب علم ابتدا میں ایسے امور کے سننے سے احتراز کرے کہ جسمیں اختلاف آرا ہو اسلیے
کہ اختلافوں کے سننے سے مبتدی کی عقل متحیر اور ذہن پریشان اور رائے سست ہو جاتی ہے
اور ادراک اور اطلاع سے یاس ہو جاتا ہے۔ بلکہ اُس کو چاہیے کہ اول ایک عمدہ طریقے اسی باب
میں جو اُستاد کے نزدیک پسندیدہ ہو اُس کو یقین کر لے اور پھر اُس کے بعد جو اختلافات ہوں ان
اُن کو سُنے۔ اگر اُستاد کی رائے اچھی نہ ہو تو یہ مجبوری ہے ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
غرض مبتدی کو منتہیوں کی رایوں میں دخل دے کر اپنے دل میں شبہات نہ پیدا کرنے چاہئیں
جس سے خاطر پریشاں ہو۔

چوتھا ادب طالب علم عمدہ علوم میں سے کوئی فن بدون دیکھے نہ چھوڑے۔ اور اس طرح پر دیکھے
کہ اُس کے مقصود اور علت غائی سے مطلع ہو جاوے۔ پھر اگر زندگی وفا کرے تو اُس میں کمال پیدا کرنے کا
طالب ہو۔ اور جو اُن میں اہم معلوم ہو اُسکو اول سیکھ کر اُس میں کمال پیدا کرے۔ غرض کسی ایک علم میں
کامل ہو اور باقی علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرے کیونکہ علوم ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور آپس میں
وابستہ ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جو چیز آدمی کو نہیں آتی اُس کا دشمن ہوتا ہے۔ اسلئے آدمی جانے کہ کوئی علم
مجھے جو اچھا نہیں معلوم ہوتا وہ میرے جہل کے سبب سے ہے۔ جیسے مریض کا منہ کڑوا ہو تو میٹھا پانی بھی کڑوا معلوم
ہوتا ہے۔ ایسے ہی میرا مذاق اس علم کے لئے درست نہیں جبھی وہ بُرا معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں ادب علوم و فنون کو بالترتیب سیکھے جو ضروری وجہ معاش کے لئے زمانہ کے موافق
ہوں اُن کو اہم سمجھ کر اول سیکھے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اُس میں کمال ہی حاصل کرے۔ غرض جو کچھ
حاصل کرے وہ عمدہ علم ہو۔ اور تھوڑے ہی پر قانع ہو۔ اور اس سے جو قوت حاصل ہوئی ہو وہ سب اپنے
علم کے پورا کر دینے میں صرف کر دے۔ علوم کو وہ یہ دیکھ لے کہ اس کا ثمرہ کیا ہے اور اُس کا شرف کیا

چھٹا ادب علم کا مقصد سر دست یہ ہو کہ جس سے اپنے باطن کو آراستہ اور فضیلت سے مزین کر لے

تحصیل معاد و معاش میں عقل بڑہاؤں۔ شاگرد میں تین باتیں ہونی ضرور چاہئیں جن سے کہ وہ استاد سے پوری تعلیم پا سکتا ہے۔ اول عقل دوم ادب۔ سوم اچھی سمجھہ +

(۱۷) عالم بے عمل

جو عالم ایسا ہو کہ اپنے علم کے بموجب عمل نہیں کرتا۔ اُس کا حال قبر کا سا ہے کہ دوسرے کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اور وہ خود علم سے خالی ہوتا ہے یا سان کا سا ہے کہ لوہے کو تیز کرتا ہے اور خود نہیں کاٹتا یا سوئی کا سا ہے کہ اوروں کے لئے لباس سیتی ہے اور آپ ننگی ہے۔ عالم بے عمل فتیلہ شمع ہے کہ اُس سے ایک مجمع روشن ہوتا ہے۔ اور وہ خود جلتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو جانتا ہے اور واقع میں جانتا ہے اور جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں تو وہ شخص عالم ہے۔ اس کا اتباع کرو اور ایک وہ ہے کہ جانتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جانتا ہوں تو وہ سونے والا ہے۔ اُس کو ہوشیار کرو اور ایک وہ کہ نہیں جانتا اور جانتا ہے کہ نہیں جانتا۔ ایسا شخص ہدایت کے قابل ہے اس کو ہدایت کرو اور ایک وہ نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ میں نہیں جانتا تو وہ جاہل ہے اُس کو ترک کرو کہ علم عمل کو پکارتا ہے۔ اگر عمل نے ہاں کہا تو خیر نہیں علم رخصت ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جب تک آدمی طلب علم میں رہتا ہے تب تک عالم ہوتا ہے اور جب یہ گمان کرتا ہے کہ میں جان چکا تب جاہل ہو جاتا ہے۔

(۱۸) انبیا و جہلا کا بیان

انبیاء دین میں سچے تھے۔ انہوں نے خلق کو راہ راست دکھلائی۔ جب مغرب فنا میں چلے گئے تو پھر جہالت کا زور ہوا۔ ظلمت نے شب شرک کے پردہ لگا دئے۔ کفر اب شرک پر بوسے دینے لگا۔ کسی نے چلیپا کو شاخ گل کی طرح ہاتھ میں لیا۔ کسی نے نیلوفر کی طرح آفتاب پرستی شروع کی کسی نے صنم کو معبود بنایا۔ کسی نے بت کو اپنا خدا بنایا۔ جہل سے بدی کو دیو سے اور نیکی کو یزدان سے شمار کیا۔ کسی مذہب نے شراب کی طرح مغز سے عقل زدائی کی۔ کسی نے آندھی کی طرح سر سے عمامہ اُتارا۔ کوئی سحر و تنجیم کی امید و بیم میں لگا۔ غرض بہت خوب سیرت اور اچھی طینت

ہو گئے۔ دین میں عوام مکر کرنے لگے خواص گھر میں ہو بیٹھے۔ دین حق نے منہ اپنا نہاں کیا
دین باطل نے منہ اپنا عیاں۔ بیہودگی کی تلقین اور تخیل شروع ہوئی۔ عوام و خواص غیبت
و فضولی کے پابند ہوئے۔ خواص لذات شہوات میں ڈوبے۔ عوام ہزل و ترہات میں غرض عالم
سباع و دیو و ستور سے پر ہو گیا۔ ہزاروں راہیں اور ان میں چاہ و غول و نہنگ رہبر
اندھے ہمراہ لنگ۔ غرض راہ دین پر چلنا دشوار ہو گیا۔ لوگ جہالت کی نیند میں خوب سوتے تھے
اگر اٹھتے تھے تو جب کہ حمق کا بچھو ان کو کاٹتا تھا۔ جو نیک نہاد سنت انبیا پر چلتے تھے وہ اس
دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انکا نام باقی رہا جن لوگ ان کے قائم مقام ہوئے وہ اپنے دل و جان
کے عشووں میں مصروف ہو گئے اب انہوں نے باغ و زمین پر دل لگایا عقل و دین و شرع کو بھلایا
راہ صدق سے بے خبر ہوئے۔ آدمی سے خر بنے۔ انہوں نے مکتب شرع کی صورت تک نہ دیکھی
عقل کے دروازہ پر قدم تک نہ رکھا۔ باہر و تیرہ ہوش اور جاہ جو دین فروش ہوئے۔ رعنا مگر عقل سے
دماغ خالی۔ اندھے خر آواز بنے۔ اپنے ہم آواز سے پرہیز کریں۔ اپنی آواز سے آپ بھاگیں اصل کو
چھوڑ دیا فرع کو لے لیا۔ ہر کام میں ایک شرع کا بہانہ بنایا۔ باز آشیان شاہیں خشم طوطی زبان
کرگس چشم ہوئے۔ مگر عاقبت کے کاموں میں کور۔ اپنے خواب و خور کی بندگی میں مثل ستور۔
بلکہ مگس و فرس سے بدتر۔ علم میں ابتر۔ باتوں میں فربہ۔ دین میں لاغر۔ بے فراغ بے فروغ۔
بالکل دروغ عیش و آرام میں مشغول۔ اُن کی زندگی مرگ سے بدتر۔ معلوم نہیں اُن کے مرگ
کا کیا برگ ہوا۔ امام اجل بنے ہوئے ہیں روپیوں کی تھیلیاں بغل میں۔ کبر و تمکین کی جستجو ہے
شریعت و دین سے کچھ غرض نہیں یہ چاہتے ہیں کہ لوگ اپنا سر ہمارے پاؤں میں رکھیں جب ہمارا جاہ بڑھے کہیں قتل کے
فتوے دیتے ہیں بغض سے کبھی کافر کسی کو ملحد بتاتے ہیں جیسے شمع نابینا کے آگے ایسا ہی علم اُس گروہ رعنا کے نزدیک ہو
گیا گو کہ علم شیطان جو اُن کو تو کہے تو اُس سے زیادہ شیطنت کر کے سمجھے دکھا دیں۔ نفاق و خباثت و تلبیس میں ابلیس
سے سو درجہ زیادہ۔ باتوں میں شہد ہے ہمارے یتیموں اور بیواؤں کے مال کو حلال سمجھتے ہیں
تقویٰ کی بو نہیں سبو کی طرح پانی سے خالی۔ کوئی خوبی نہیں +

باب چہارم

کہنا سننا

(۱) زبان

اِنَّ اللِّسَانَ صَغِيْرٌ جِرْمُهٗ وَلَهٗ جُرْمٌ كَبِيْرٌ كَمَا قَدْ قِيْلَ فِي الْمَثَلِ

حقیقت میں زبان کا جِرم (یعنی جسم) چھوٹا ہے اور اُس کا جُرم (یعنی گناہ) بڑا جیسا کہ عرب کی مثل میں کہا گیا ہے۔

زبان یوں تو ایک گوشت کا ہی ٹکڑا ہے۔ مگر اُس میں خدا کی عجب حکمت بالغہ پائی جاتی ہے زبان ہی انسان کے تمام خیالات کی ترجمان ہے۔ وہی دل کی تمام باتوں کو ظاہر کرتی ہے اِس سے ہمارا کفر اور ایمان ظاہر ہوتا ہے جو کچھ ہماری عقل و وہم و خیال میں آتا ہے زبان اُس کو تعبیر اور تقریر کرتی ہے۔ جو زبان کا میدان وسیع ہے وہ کسی عضو کا نہیں شکل اور رنگت کے سوا آنکھ کسی اور چیز کو نہیں دیکھ سکتی کان آواز کے سوا کسی اور شے کو سُن نہیں سکتے۔ ہاتھ اجسام کے سوا نہیں پہنچ سکتے۔ مگر زبان کے لئے کوئی حد و انتہا نہیں جو دل میں آئے خواہ وہ معدوم ہو یا موجود خالق ہو یا مخلوق معلوم ہو یا موہوم۔ وہ خیالی ہو یا عینی سب کی سب زبان پر آتی ہیں۔ اُس کو اختیار ہے کہ خیر کی باتیں کرے یا شر کی۔ غرض جو بات زبان پر آتی ہے وہ دل میں ایک صفت پیدا کرتی ہے۔ اگر خوشی کی باتیں کرتی ہے تو دل میں خوشی پیدا ہوتی ہے۔ اگر رنج کی باتیں کرتی ہے تو رنج اگر بُری باتیں کہتی ہے تو دل تاریک ہو جاتا ہے۔ اور اگر نیک باتیں کرتی ہے تو دل روشن ہو جاتا ہے اور جب جھوٹی اور ٹیڑھی بات کہتی ہے تو دل کا حال ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ آئینہ ٹیڑھا ہو جائے کہ اس میں کوئی صورت سیدھی نہیں دکھائی دیتی۔ غرض زبان پر انسان کے سب کاموں کا مدار ہے۔ اگر اُس کو اختیار میں رکھے تو معلوم نہیں کیا کیا آفتیں وہ سر پر لائے وہی شخص زبان کی شرارت سے بچ سکتا ہے جو اُسکو ابتدا ہی سے لگام دیگا۔ مُنہ سے وہی بات نکالے گا

کہ جس میں نفع دنیا و آخرت کا ہو اور جس بات کی ابتدا و انتہا میں کچھہ شک پاویگا اُس کو زبان تک نہ لائے گا۔ مگر یہ دریافت کرنا کہ کس بات کا کہنا اچھا ہی اور کس کا برا بہت مشکل اور دقیق کام ہے اور اُس پر عمل کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ زبان انسان کے تمام اعضا میں زیادہ نافرمان ہے۔ کیونکہ اُس کے ہلانے میں ذرا بھی مشقت نہیں پڑتی۔ اور انسان اُس کی آفات سے بچنے میں اور مضرت سے خوف کرنے میں سہل انگاری کرتا ہے اسلیے ہم زبان کی سب آفات مع اُن کی تعریف اور اسباب اور علاج کے آگے بیان کرینگے۔ پہلے خاموشی کا ذکر کرتے ہیں +

(۲) خاموشی

من صمت نجا (جو چپ رہا نجات پائی)

اگرچہ پیش خردمند خامشی ادب است	بوقت مصلحت آن بہ کہ در سخن کوشی
دو چیز طیرۂ عقل است دم فرو بستن	بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید +

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے کہ اگر کلام بالفرض چاندی ہو تو چپ رہنا سونا ہی حضرت طاؤس رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میری زبان درندہ ہی اگر چھوڑ دوں تو مجھے چٹ کر جائے۔ غرض عاقل پر واجب ہے کہ عارف زبان اور حافظ زبان ہو۔ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ آدمی کو زبان کا روکنا روپیہ پیسے کی حفاظت سے زیادہ دشوار ہے۔ یونس بن سعد رح فرماتے ہیں کہ جس کی زبان ایک ٹھکانے پر رہتی ہے اُس کے سب کام ٹھیک رہتے ہیں ایک بار چار بادشاہ جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ جو میں کہتا ہوں اُس سے پچتاتا ہوں۔ اور جو کچھہ نہیں کہتا اُس پر کبھی ندامت نہیں ہوتی۔ دوسرے نے کہا کہ جب میں کلمہ بولتا ہوں میں اُس کے اختیار میں ہوجاتا ہوں وہ میرے قابو میں نہیں رہتا۔ اور جب تک نہیں بولتا تو وہ میرے اختیار میں رہتا ہے میں اُس کے قابو سے باہر رہتا ہوں۔ تیسرے نے کہا کہ مجھے اُس بولنے والے سے تعجب ہی کہ اگر وہی بات اُس پر واپس آوے تو ضرر دے۔ اور اگر واپس نہ آوے تو کچھہ فائدہ نہ دے۔ چوتھے نے کہا کہ میں بہی

بات کے ہٹا لینے پر زیادہ قادر ہوں کہی ہوئی کو نہیں ہٹا سکتا - غرض خاموشی کے یہ فوائد بیان کئے جاتے ہیں بولنے میں زیادہ آفات یہ ہیں - جھوٹ - خطا - غیبت - چغلی - ریا - نفاق - فحش - تکرار - اپنے آپ کو بتلانا - دوسرے کی بات کاٹنی - زیادہ گوئی - بات بدلنی گھٹانی بڑھانی - خلق کو ایذا دینا - پردہ دری - یہ ساری باتیں زبان ہی کے سبب سے ہوتی ہیں - زبان ہلانے کے وقت وہ کچھ نہیں معلوم ہوتیں دل میں مزا معلوم ہوتا ہے - جہاں بولنے کی عادت ہوئی پھر یہ مشکل ہوتا ہے کہ زبان قابو میں رہے - کہ جہاں بولنا چاہئے وہاں بولے جس بات کو نہ کہنا چاہے اُس سے باز رہے کیونکہ یہ تمیز نہایت مشکل ہے کہ کونسی بات کہنی چاہئے کونسی نہیں اسیلئے لوگ کہتے ہیں کہ بولنے میں خطرہ ہے اور خاموشی میں سلامتی ہے - اسلئے خاموشی کو فضیلت بولنے پر لوگ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سکوت سے ہمت اٹھی رہتی ہے اور ہیبت بنی رہتی ہے - فکر - ذکر - عبادت کی فراغت ملتی ہوتی ہے - مگر یہ انسان سے نہیں ہوسکتا کہ + زبان بُریدہ بکنجے نشستہ صُمٌّ بُکمٌ + انسان کو چاہئے کہ اشعار سعدی پر عمل کرے جو اول ہم نے لکھے ہیں زبان کو ان آفات سے بچائے جو ہم نے نیچے لکھے ہیں -

(۳) انسانوں کی صحبت میں ہم زبانی خویشی و پیوندی پیدا کرتی ہے اور غیر زبانی تنزی بہت سے ہندو مسلمان ہم زبان ہیں اور دو مسلمان غیر زبان - اگر زبان محرمی اور چیز ہے اور ہمدلی اور چیز ہے - نطق - ایما - رمز کے سوا دل سے ہزاروں ترجمان پیدا ہوتے ہیں ہمزبانی سے ہمدلی بہتر ہے - زبان مثل سنگ و آہن ہے - اس سے آگ نکلتی ہے تو فضل و لاف میں بیہودہ طور پر آگ نہ نکال اسلئے کہ چاروں طرف ایک پنبہ زار ہے - اس میں آگ لگ جائیگی - ایک سخن سے عالم ویران ہوجاتا ہے - زبان ہی سے آدمی کا زیان ہوتا ہے جب ہی کچھ کہے تو اسے آدمی کیا کہہ سکتا ہے - وہی آتش ہے وہی خرمن ہے جو کچھ کہتی ہے وہ کرتی ہے - اے زبان تو ہی گنج بے پایاں ہے اور تو ہی رنج بے درمان ہے - تو ہی ہم صفیر بن کر مرغوں کو فریب دیتی ہے - تو ہی مرغوں کی رہبر ہوتی ہے اے زبان تیرے ہی نیچے آدمی مخفی ہے ۵ تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اے زبان تو ہی درگاہ جان پر پردہ ہے۔ جب ہوا اُسکو اُٹھاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحن درگاہ میں کیا رکھا ہے موتی ہیں گندم ہیں یا مار کژدم یا گنج ہے جسکے کنارہ پر سانپ بیٹھا ہے کیونکہ گنج زر بے پاسبان نہیں ہوتا۔ اے زبان تو ہی بعضوں کی سچے موتیوں کا دریا برساتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بولنے والے کے باطن میں دریائے سخن جوش مار رہا ہے جس سے باہر موتی نکلے پڑتے ہیں جو حق و باطل میں فرق بتلاتا ہے +

(۳) کلام بیفائدہ کرنا اور زیادہ گوئی

زِیَادَۃُ الْقَوْلِ تَحْکِی النَّقْصَ فِی الْعَمَلِ ‎ ‎ وَمَنْطِقُ الْمَرْءِ قَدْ یَہْدِیْ بِہٖ لِلزَّلَلِ +

آدمی کی زیادہ گوئی نقصان کو ظاہر کرتی ہے اور اُس کی گفتگو کبھی اُس کو لغزش کا رستہ دکھاتی ہے۔ زیادہ گوئی اُسے کہتے ہیں کہ آدمی ایسی باتیں کرے کہ جنکی کچھ حاجت نہیں اور اگر نہ کہے تو اُس کو کسی طرح کی دینی اور دنیوی مضرت نہ پہونچے۔ ایسی باتوں کا ترک کر دینا حسن اسلام میں داخل ہے جیسا کہ کلام بیفائدہ کا ترک کرنا چاہئے ایسا ہی کلام مفید کا بے موقع نہ کہنا چاہئے۔ اسلئے کہ اکثر کلام مفید بے موقع کہا جاتا ہے تو اُس سے خرابی ہوتی ہے۔ ایسے ہی حلیم اور احمق سے بحث کرنی بھی زیادہ گوئی میں داخل ہے۔ کیونکہ بحث کرنے سے حلیم کو غصہ دلانا ہے اور بیوقوف سے ایذا اُٹھانی ہے۔ کلام بیفائدہ کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنی محفل میں اپنے سفروں کا ذکر کرے اور اُس میں کچھ کم و بیش اس نظر سے کرے کہ بیان دلچسپ ہو جائے اور اُس سے فخر اُسکی سیاحت کا ظاہر ہو۔ اکثر آدمی اپنی تضیع اوقات زیادہ گوئی میں کرتے ہیں اور بے فائدہ کلام کرتے ہیں کہ جن سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ دینی اکثر وہ دوسرے آدمی سے بیفائدہ سوالات کیا کرتے ہیں کہ جواب دینے میں دوسرے آدمی کو دقت و زحمت پیش آتی ہیں اگر جواب نہیں دیتا تو پوچھنے والے کی تحقیر ہوتی ہے۔ اگر سچ کہتا ہے تو اپنا راز کہتا ہے اگر بات کو بدل کر کہتا ہے تو جھوٹا ہو جاتا ہے مثلاً رمضان میں پوچھینگے کہ تم آج روزہ سے ہو یا نہیں اب جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہاں میں روزہ سے ہوں تو عبادت کا اظہار ہوتا ہے اور کہیں نہیں تو

ترک فرض کے اظہار سے اپنی خفت ہوتی ہے اور اگر کچھ جواب نہ دیں تو سائل کی تحقیر ہوتی ہے
یا کسی مولوی صاحب سے ایک مسئلہ مجلس میں بے ضرورت پوچھ رہا ہے کہ چھپکلی کے پتے کو سرمہ
میں پیس کر آنکھ میں لگانا کیسا ہے۔ اگر مولوی صاحب کو معلوم نہیں تو وہ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں اور شرمندہ
ہوتے ہیں یا کچھ گھڑ دیتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں یا جواب دینے کو جی نہیں چاہتا تو پوچھنے والا
ذلیل ہوتا ہے۔ غرض کلام بے فائدہ کرنے میں وقت جو انسان کا بڑا راس المال ہے ضائع کرنا
نہیں چاہیے۔ عوام الناس بعض اوقات ایسے سوال کرتے ہیں کہ جس کا جواب سمجھنا ان کی
عقل سے پرے ہوتا ہے۔ ان کو خوشی دخل در معقولات دینے سے ہوتی ہے۔ مثلاً وہ بعض اوقات
خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کی نسبت ایسے سوالات کرتے ہیں۔ جو ان کو کرنے نہیں چاہیے
وہ راز کی باتیں خاص بندگان خدا پر کھلتی ہیں عوام کو ان کا دریافت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی
سائیس معاملات ملکی کو دریافت کرنے لگے۔

زغن را بہر طاؤسی نزادند		مگس را فر عنقائی ندادند

ایک زیادہ گوئی یہ ہے کہ ضروری کلام میں مقدار ضرورت سے زیادہ باتیں ہوں۔ ایک بات چار
لفظوں میں بیان ہو سکتی ہے وہ دس لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ زبان کو
زائد بات سے روکے اور زائد مال کو خرچ کرے مگر آدمی زائد مال کو جوڑتا ہے اور زبان کو مطلق العنان
چھوڑتا ہے۔ اور سوا ان امور مذکورہ کے زیادہ گوئی میں یہ بھی لوگ کرتے ہیں کہ امور باطلہ کا ذکر
داخل کر دیتے ہیں یعنی سوا اور زائد از مطلب ہونے کے ایسی بات داخل کر دیں کہ جس میں حرمت ہو
مثلاً گناہوں کی باتوں کا ذکر عورتوں اور شراب کا ذکر۔ بدکاروں کی مفلسی کا بیان۔ دولتمندوں
اور بادشاہوں کی عیاشی کا بیان لوگوں کی گالیوں کی نقل یہ عادت یوں ہی پڑتی ہے
کہ پہلے کلام بے فائدہ اور زائد از مطلب کہنے کی عادت ہوئی پھر رفتہ رفتہ اس میں ان حرام کاموں
کی داستانیں شروع ہوتی ہیں ایک اور آفت زیادہ گوئی میں مراء یعنی دوسرے کی بات کاٹنی
ہے۔ مراء کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے شخص کی بات میں براہ اعتراض خواہ لفظوں میں یا مضمون میں

یا ارادہ میں خلل ظاہر کرنا۔ دوسرے کی بات میں لفظوں میں عیب بتلانا اس طرح کہ علم نحو یا لغت یا محاورہ
کے برخلاف کہتے ہو یا اُس کلام کی بندش اچھی نہیں اسکے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے اور
ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جو شخص کم علم ہوتا ہے وہ صحیح عبارت نہیں بول سکتا یا زبان بہک جاتی ہے
کچھہ سے کچھہ منہ سے نکل جاتا ہے تو جس میں عادت اعتراض کی ہوتی ہے وہ فوراً عیب جوئی پر آمادہ ہوتا ہے
حالانکہ اظہار عیب کی کوئی وجہ نہیں معنوں پر طعن کرنا یہ ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا نہیں ہے۔ اسمیں
یہ غلطیاں ہیں یا دراداہ میں عیب ظاہر کرنا یہ ہے کہ اس طرح کہے کہ تمہارا کلام تو درست ہے مگر تم نے
اثبات حق کے لئے نہیں کہا بلکہ اُس میں تمہارا کچھہ مطلب ہے۔ غرض بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ
کہ جب کوئی بات کہتا ہے تو وہ اُس کی بات کو کاٹتا ہے یا رد کرتا ہے اور ایسی باتیں کہتا ہے کہ جسکے معنی یہ
ہوتے ہیں کہ کہنے والا احمق نادان جھوٹا ہے اور میں زیرک اور عاقل و سچا ہوں دنیا میں دیکھو
کہ ایسی عادت سے کیا کیا جھگڑے اور اختلاف امور دنیا اور دین میں پیدا ہوتے ہیں آدمی اپنا فضل
اور برتری دوسروں پر اُن کے نقصان کے اظہار سے چاہتا ہے۔ اپنا اظہار فضل قبیل خودستائی سے
ہے جو بڑائی اور بزرگی یعنی صفات ربوبیت کے جوش میں پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کو ناقص جاننا صفات
سبعی کے مقتضاء پر بُرے سے کار آتا ہے کیونکہ درندہ یہی چاہتا ہے کہ دوسرے کو چیر پھاڑ کر برابر کرے
یا صدمہ و ایذا پہنچائے۔ انسان کو اُس سے پرہیز چاہیئے کہ ان دونوں بُرائیوں سے بچے۔ ایک اور آفت
زبان کی یہ ہے کہ کلام کو خوب بنا بنا کر کہنا اور سجع اور قافیہ اور فصاحت کے لئے تکلف کرنا اور تمہید
اور مقدمات گھڑنے جیسا کہ اکثر مدعیان تقریر کی عادت ہے۔ اس طرح کا تکلف و تصنع گفتگو اور بول
چال میں مذموم ہے۔ آدمی کلام اس طرح کرے کہ مقصود حاصل ہو اور مطلب دوسرے کی سمجھہ میں آجائے
اسکے سوا جو کچھہ ہے وہ تکلف میں داخل ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اُس میں وہ قافیہ بندی اور فصاحت داخل
نہیں جو خطبہ یا وعظ میں بے افراط اور مبالغہ کے کرتے ہیں کیونکہ وعظ سے دلوں کا شوق دلانا ہے
اور اُس میں الفاظ کی خوبی کو بڑی تاثیر ہے۔ مگر جو محاورے کہ روزمرہ کی حاجات میں بولے جاتے
ہیں اُن میں وزن و قافیہ کی کچھہ ضرورت نہیں ہے۔ اس میں ایک تصنع اپنی فصاحت و بلاغت کے اظہار کا

ہوتا ہے۔ ایک اور آفت زبان کی فحش بکنا ہے۔ گالی دینا۔ جھگڑا لڑنا۔ مسخراپن کرنا خبث باطنی یا کمینہ پن کے سبب سے ہوتا ہے فحش اس کا نام ہے کہ امور قبیحہ کو صریح الفاظ سے ذکر کرنا مثلاً شرمگاہ کا نام لینا وغیرہ جیسا کہ اکثر مسخرے دن رات بکا کرتے ہیں نیک بخت لوگ ایسی چیزوں کا نام کنایتہً لینے سے بھی بچتے ہیں بضرورت وقت رمز کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

فحش کا سبب یا ایذا دینی ہوتی ہے یا بُروں کی صحبت سے عادت پڑ جاتی ہے کہ یونہیں زبان پر گالیاں آتی ہیں سب سے زیادہ بڑی گالی یہ ہے کہ آدمی کسی پر لعنت بھیجے لعنت کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے ہاں سے دور نکال دینا پس یہ لفظ اُسی شخص پر بولنا درست ہوگا کہ جس میں ایسی صفت پائی جائے جس سے اللہ تعالیٰ سے بعد ہو اور وہ صفت کفر اور ظلم کی ہے۔ تو یہ کہنا جائز ہے۔ کہ ظالموں پر خدا کی لعنت اور کافروں پر خدا کی لعنت۔ کسی خاص معین شخص کو ملعون نہیں کہہ سکتے اسلئے اُس کو کہنا گویا غیب دانی کا دعویٰ ہے سوا خدا کے کون جان سکتا ہے کہ کوئی خاص آدمی اُس سے بعید رہتا ہے۔ ایک اور آفت زبان کی ہنسی ٹھٹا جسے مزاح اور خوش طبعی بھی کہتے ہیں ہر وقت مزاح کرنا معیوب ہے مگر کبھی کبھی تھوڑی سی خوش طبعی کرنی مباح ہے۔ ایک اور آفت استہزا اور تمسخر ہے۔ تمسخر اور استہزا کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی حقارت اور اہانت کرنی اور اُس کے عیب نقصان اس طرح بیان کرنے جس سے ہنسی آئے۔ اور یہ امر کئی طور سے ہو سکتا ہے کسی فعل کی نقل کرنے سے یا قول کی نقل سے یا اشارہ اور ایما سے اگر یہ امر پیٹھ پیچھے ہو تو غیبت ہے ورنہ تمسخر اور استہزا نام ہے۔ استہزا میں ہمیشہ دوسرے کو ایذا پہونچتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی بات میں بہک جائے۔ تو اُس پر ہنسنے لگنا یا افعال پر استہزا کرنا کہ خط کیا خوب لکھتے ہیں یا فلانا کام کیا اچھا کرتے ہیں یا قد و قامت و صورت پر ہنسنا جیسے بونے یا ملیے آدمی پر ہنسا کرتے ہیں یا کوئی عیب اور نقصان دیکھ کر ہنسنا سب داخل تمسخر ہے اُن سے اجتناب چاہئے۔ ایک لوگ وہ ہوتے ہیں کہ استہزا اور تمسخر کی صحبتوں کا نام خوش صحبتی اور دانائی رکھتے ہیں ستم ظریفی ایسی کرتے ہیں کہ ہر دم ایک دل کو جلاتے ہیں اور ایسی باتیں پہلودار کہتے ہیں کہ دوسرے شخص کی شگفتگی پژمردہ ہو جاتی ہے۔ اخلاق ذمیمہ شوخ طبعی کو دانائی

وہ اہانت جانتے ہیں خود گناہوں میں وہ گرانبار ہوتے ہیں اسلئے بزرگوں درویشوں وزاہدوں کی خفت وسبکی کا اعلان کرتے ہیں قرب حق سے خود محروم ہیں نزدیکان درگاہ الہی پر نام رکھتے ہیں متحمل بردباروں کے تحمل کو گدھا پن بتاتے ہیں خاکساروں کے انکسار اور خاموشی پر کہتے ہیں ایک خاموشی اور سو شرارت جن امرا کی مجالس میں مسخرے ندیم جمع ہوتے ہیں اُن کا حال ایسا ہے جیسا کہ ایک شاہزادہ کا تھا کہ جس نے اپنی خبث طینت اور شوخی طبیعت سے ملازموں کو حکم دے رکھا تھا کہ بچھو پکڑ پکڑ کر کلھڑوں میں بند کرکے جمع کریں جب وہ بہت سے جمع ہو جاتے تو کسی دن مجلس جمع کرتا اور اُن میں کلھڑوں کو پھوڑ کر بچھوؤں کو چھوڑ کر اہل مجلس کا تماشا دیکھتا جب کسی کو بچھو کاٹتا اور وہ تڑپتا تو یہ خوش ہوتا۔ بس ان امرا کی مجلس میں بچھو مسخروں کی زبانیں ہوتی ہیں جو اپنی جاں گزا اور کلفت افزا باتوں سے لوگوں کے دلوں کو تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی زبان درازی سانپ کی سی نیش زنی دلوں پر کرتی ہے۔ وہ انبیا۔ اولیا کی اہانت کرتے ہیں سچے مسلمانوں کی باتوں پر قہقہے اڑاتے ہیں اُن کی طینت میں وہ خباثت بھری ہوئی ہوتی ہے کہ۔

می تراود آنچہ در آوندمن است ۔ ایک آفت راز کا ظاہر کردینا یہ بھی ممنوع ہے اسلئے کہ اُس میں بھی دوسرے کو اذیت ہوتی ہے اور حق معرفت برباد جاتا ہے کسی دوست یا عزیز کا راز کہدینا بھی خباثت میں داخل ہے۔ ایک آفت جھوٹا وعدہ کرنا ہے۔ زبان وعدہ کرنے میں پیش قدمی کیا کرتی ہے مگر نفس پر پورا کرنا ناگوار ہوتا ہے تو وعدہ جھوٹا ہو جاتا ہے۔ وعدہ ایک طرح کا قرض ہی ہوتا ہے اُس کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے وہ منافق کامل ہے کہ بات کہے تو جھوٹی کہے دوسرے وعدے کے خلاف کرے سوم عہد کرکے فریب اور دغا کرے چہارم خصومت کے وقت گالیاں سنا دے اور یہی حال اُس شخص کا ہے کہ وعدہ کرنے کے وقت نیت وفا کی نہ ہو۔ عہد وفا نہ کرے مگر جو شخص وعدہ کے وقت اُس کے پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور کسی عذر کے سبب سے پورا نہ کرسکے تو وہ منافق نہیں ہے مگر بے ضرورت شدید اپنے نفس کو معذور کرنا نہ چاہئے۔ سب سے بڑی آفت جھوٹ بولنا ہے۔

(۴) جھوٹ بولنا

جھوٹ بولنا اور قسم کھانی عیب فاحش اور گناہِ عظیم ہے۔ ظاہر و باطن اور قول و فعل اور مدخل اور مخرج کا اختلاف نفاق کہلاتا ہے اور جس اصل پر مبنی ہے وہ دروغ ہے۔ جھوٹی باتیں وہی بناتے ہیں جنکو خدا کا یقین نہیں ہوتا۔ جھوٹ کو شیطان کی چٹنی کہتے ہیں۔ حضرت لقمان رح نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ جھوٹ مت بولنا۔ گو وہ چڑیا کے گوشت کی طرح مزہ دار ہوتا ہے الا تھوڑی سی بات میں متکلم کو اس کی برائی معلوم ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضہ فرماتے ہیں کہ جب تک تم سے ملاقات نہیں ہوتی تب تک تو تم میں سے زیادہ وہ معلوم ہوتا ہے جسکا نام اچھا ہو اور جب ملاقات ہو جاتی ہے تو وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو عادت اچھی رکھتا ہو۔ اور معاملہ کرنے کے بعد وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو بات کا سچا اور امانت کا پکا ہو۔ قاعدہ ہے کہ آدمی کے دل میں جھوٹ اور سچ لڑتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک غالب ہو کر دوسرے کو نکال دیتا ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جھوٹ اپنی ذات سے حرام نہیں ہے۔ بلکہ اس وجہ سے حرام ہے کہ اُس سے دوسرے شخص کو ضرر پہنچتا ہے ادنی سی بات جھوٹ کی یہ ہے کہ ایک بے اصل بات کو اعتقاد کرے اور حقیقت سے جاہل رہے۔ اور اس سے کبھی نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ پس اگر حقیقت امر کے جاہل رہنے میں نفع اور مصلحت معلوم ہو تو جھوٹ کچھ برا نہیں بلکہ بعض کا تو یہ قول ہے کہ۔ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ گو بعض قومیں اس کے برخلاف رائے کہتی ہوں مگر دنیا میں عمل اسی پر ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص بھاگ کر ایک گھر میں تمہارے سامنے چھپ جاے اور دوسرا شخص ناحق مار ڈالنے کے لئے تلوار لے کر پیچھے سے آئے اور تم سے پوچھے کہ فلاں شخص کہاں ہے تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں جھوٹ اور سچ دونوں سے عمدہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے تو وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر صرف جھوٹ ہی سے وہ مطلب حاصل ہو سکتا ہے تو جھوٹ مباح ہے بشرطیکہ وہ مطلب بھی مباح ہو اور اگر مطلب واجب ہے تو جھوٹ بھی واجب ہے جیسا کہ اوپر کی مثال میں خون ناحق سے بچانا واجب تھا تو جھوٹ بولنا بھی واجب تھا۔ صلح و جنگ کے مقاصد بغیر جھوٹ کے بہت نہیں

تو ایسے مقامات میں جھوٹ بولنا ساری قوموں نے جائز کہا ہے۔ مگر حتی الوسع اس سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ جھوٹ کی عادت ہونے میں اس بات کا خوف ہے کہ جس جھوٹ کی حاجت نہ ہو وہ بھی زبان سے نکل جاوے یا ضرورت سے زیادہ کہدے۔ حقیقت میں جھوٹ حرام ہے مگر ضرورت کے لیے بعض اس کو جائز سمجھتے ہیں مگر اکثر لوگ جو جھوٹ بولتے ہیں وہ حظ نفسانی کے لیے اور زیادتی جاہ و مال کے لیے اور یہ ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ اگر فوت ہو جاتیں تو کچھ خرابی لازم نہیں آتی۔ دوکاندار قسمیں کھا کھا کے اپنی چیزوں کی قیمتیں بڑھاتے ہیں تو وہ بہت برا کام کرتے ہیں۔ عالم بلا تحقیق فتویٰ دے دیتے ہیں جس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنا فضل ظاہر ہو اسی واسطے یہ منہ سے نہیں نکلتا کہ میں نہیں جانتا۔ لڑکوں کو مکتب میں بھیجنے کے لیے جھوٹے ڈراوے سے ڈرانا یا جھوٹے وعدوں سے ترغیب دینی بری ہے۔ اس سے لڑکپن ہی میں عادت خود جھوٹ بولنے کی اور دوسرے کے وعدہ پر یقین نہیں کرنے کی پڑتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ کنایۃً بھی جھوٹ نہ بولے مثال کنایۃً کی یہ ہے کہ کوئی دوست کسی اپنے دوست پاس مدت کے بعد جاوے اور جب وہ سبب اس دیر کی ملاقات کا پوچھے تو کہے کہ میں بیمار تھا اسلیے حاضری سے مقصر رہا۔ غرض لوگ سیکڑوں طرح سے جھوٹ بولتے ہیں کوئی کنایۃً کوئی مزاحاً کوئی صریحاً۔ جھوٹ کا بڑا رواج انسانوں میں ہے بعض اوقات مبالغہ سے ایسی جھوٹی باتیں بنا کر کہتے ہیں کہ اسپر لوگوں کو ہنسی آتی ہے۔ بہت سی باتوں کی عادت ایسی پڑ جاتی ہے کہ اگرچہ وہ اصل میں جھوٹی ہوتی ہیں مگر وہ جھوٹ سمجھی نہیں جاتیں مثلاً کوئی شخص کہے کہ ہم نے تم کو ہزار دفع منع کیا مگر تم کہنا نہیں مانتے تو یہاں غرض شمار عدد منظور نہیں فقط کثرت بطور مبالغہ منظور ہے۔ ایک جھوٹ جسکی عادت اور سہل انگاری لوگوں میں شایع ہے یہ ہے کہ جب دوسرے آدمی سے کہیں کہ کھانا کھاؤ تو وہ کہے کہ میں کھانا کھا آیا ہوں یا بھوک نہیں ہے یہ بھی بیجا بات ہے۔ بعض آدمی جھوٹے خواب بنایا کرتے ہیں۔ بعض آدمیوں کی عادت ہی ہوا کرتی ہے کہ جو بات اپنے تئیں نہیں معلوم اس کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ آگے خدا جانے۔ یوں کہنا بھی برا ہے +

(۳) جھوٹ آدمی کو اور آدمیوں کی نظر میں خوار کرتا ہے اور وہ اُس کی قدر و قیمت گھٹاتا ہے۔ ہر کسی کی بے اعتباری اور خواری کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اندوہ و ملال کا سرمایہ جمع کرتا ہے۔ عرق انفعال کا سرچشمہ بہاتا ہے۔ آبروریزی کرتا ہے۔ اُس کی گفتگو کی قدر کھوتا ہے۔ عزت کو غارت کرتا ہے۔ خجلت پیدا کرتا ہے۔ نکوئی کو باطل کرتا ہے۔ سیاہ روئی کو ظاہر کرتا ہے۔ بیزاری کی جڑ جماتا ہے۔ کیا وہ شخص اچھا ہے! کہ اس جھوٹ کی سموم جاں سوز عافیت گداز سے بچکر بحر صدق میں غوطے لگاتا ہے۔ اور راستی کے سفینہ میں بیٹھ کر کجی اور فساد کے گرداب سے بچتا ہے۔ اور راستی کو جانتا کہ وہ حصار امن و امان ہے۔ چراغ ایمان کی فانوس ہے۔ گلشن حیات کا پانی۔ نجات کی راہ۔ اقتدار و اعتبار کا تعویذ۔ علم نصرت کا پرچم۔ گوہر آبرو کا خازن۔ طریق معاش کا عصا۔ راہ انتعاش کا رہبر۔ شعلۂ بیان کا نور۔ دلہائے ریش کا مرہم۔ چراغ عزت کا روغن۔ دروغ گوئی کا سر اُجاڑ کرتا ہے۔ صدق و صفا کا آب صافی گل و ریحاں کا تختہ لگاتا ہے۔ سب سے اول آدمی کو سچ بولنا سیکھنا چاہیئے +

(۵) غیبت کا بیان

غیبت اُسے کہتے ہیں کہ دوسرے آدمی کا ذکر اس طرح کریں کہ اگر وہ سُنے تو بُرا مانے۔ اب یہ ذکر خواہ کسی قسم کا ہو۔ اُسکے ناقص الاعضا ہونے کا ہو یا نسب کا یا خلق کا یا قول و فعل کا یا دین و دُنیا یا کپڑے اور گھر اور سواری وغیرہ کا۔ بدن کا عیب تو یہ ہے کہ اُس شخص کی آنکھیں چُندھی ہیں یا وہ بھینگا۔ کانڑا۔ گنجا۔ بونا۔ لمبا۔ غرض کوئی عیب بدن کا ظاہر کیا جائے۔ نسب کا عیب یہ ہے کہ وہ کنیزک زادہ ہے۔ یا باپ اُس کا موچی ہے۔ یا کمہار ہے۔ یا کوئی اور مکروہ پیشہ رکھنے والا۔ خلق کا عیب یہ ہے کہ فلاں شخص بدمزاج یا بخیل و متکبر یا ریاکار یا غصیلا یا نامرد بزدل ہے۔ مذہب کے عیبوں کو یوں بیان کرنا کہ وہ شخص شراب خوار۔ خائن۔ ظالم۔ بے نماز۔ بے روزہ۔ والدین سے سلوک نہیں کرتا دُنیا کے عیبوں کو یوں بیان کریں کہ وہ شخص ادب سے لوگوں کی تعظیم نہیں کرتا۔ اپنا حق سب جانتا ہے اور اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا یا بُرا بکتا ہے یا بسیار خور اور بہت سونے والا ہے۔ کپڑے کے

عیب کہ فلاں شخص کے کپڑے جھابڑ جھلے ہوتے ہیں یا ہمیشہ میلے کپڑے پہنتا ہے۔ بعض آدمیوں کا قول ہے کہ دین کے باب میں جو کسی کو کچھ کہے تو داخل غیبت نہیں اس لیے کہ جس چیز کو کہ خدا نے برا کہا ہے اُسی کی مذمت کرتے ہیں تو ایسے شخص کے برا کہنے میں کیا گناہ ہے جو خلاف احکام مذہبی کام کر رہا ہو۔ مگر غیبت تو اُس کا نام ہے کہ دوسرے آدمی کو ایسا کہنا کہ وہ سُنے تو برا مانے۔ پس ایسا کہنا اس میں داخل ہے۔ اگر آدمی کی کسی بری بات کا ذکر کیا جائے جو اُس میں ہو وہ غیبت ہے اور اگر نہ ہو تو وہ بہتان ہے۔ بعض اوقات غیبت نقل اتارنے سے ہوتی ہے جیسے کوئی لنگڑے آدمی کی نقل اُتارے اور خود اُسکی چال چلنے لگے۔ بلکہ نقل کرنا غیبت سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ اس سے زیادہ تر صورت دوسرے شخص کی ذہن میں آتی ہے گویا تصویر پیش ہو جاتی ہے اور یہی حال لکھنے کا ہے کہ قلم بھی بنصف زبان ہے۔ پس اگر کوئی معین شخص کی نسبت برا لکھے تو بھی داخل غیبت ہے۔ یہ بعین شخص خواہ صراحتاً ہو یا کنایتاً ہو۔ بعض ریاکار مکار پڑھے لکھے غیبت ایسے پیرایہ میں کرتے ہیں کہ اُن کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور اچھے کے اچھے بنے رہتے ہیں مثلاً کسی شخص کی حکام میں عزت ہو۔ اُس کا ذکر اُن کے روبرو ہو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ ہمکو حکام سے غرض نہیں پڑی اور نہ ہم دنیا کے واسطے اُن کے سامنے جا کر ذلیل ہوئے بے شرمی سے خدا بچائے۔ غرض ان الفاظ سے یہی ہوتی ہے کہ دوسرا شخص معیوب ہے۔ مگر اُس کو خدا کے شکر اور دعا کے پیرایہ میں ادا کرتے ہیں۔ بعض اوقات کسی شخص کی مدح بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلانا شخص کتنا اچھا ہے اُسکے تمام افعال و اقوال درست ہیں مگر بے عیب خدا کی ذات ہے۔ وہ بھی ایک بلا میں مبتلا ہے جسمیں ہم سب گرفتار ہیں وہ یہ کہ صبر نہیں کر سکتا ہے پس اول اپنے نفس کا ذکر کر لیتے ہیں اور اُس کے ضمن میں دوسرے کی مذمت کرتے ہیں اپنے تئیں صلحا سے مشابہ کرتے ہیں تو اس صورت میں تین خطائیں جمع ہو جاتی ہیں غیبت۔ ریا۔ اپنے نفس کو صاف و بے عیب جاننا خود بھی سمجھتے ہیں کہ ہم بے عیب ہیں کسی کی غیبت سے سروکار نہیں رکھتے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی جلسہ میں ایک آدمی کے عیب کا ذکر کرتے ہیں اور بعض شخص اُس پر کان نہیں لگاتے تو ذاکر

وہ پیرایہ بدل کر یوں کہتے ہیں کہ سبحان اللہ عجیب غریب بات ہی تاکہ لوگ خوب متوجہ ہو کر سنیں
اپنے خبث باطن کے اظہار میں خدا کا نام لیا جاتا ہی۔ خدا کو بھی دھوکہ دیتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے
کہ خدا تو دلوں کی بات جانتا ہے کہ اُن کی کیا غرض ہی۔ بعض اوقات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دوست
پر جو یہ حال گذرا ہم کو بھی رنج ہوا کہ اُن کی سُبکی و ذلت ہوئی خدا تعالیٰ اُس کے عوض راحت دے
یہ غم کا اظہار اور دعا کا اظہار دونو جھوٹے ہوتے ہیں وہ اپنے خبث باطن کو ان پیرایوں میں
چھپاتے ہیں۔ غیبت کا سُننا بھی داخل غیبت ہی اگر لوگ غیبت سنتے نہیں تو کوئی کہے بھی نہیں
جب غیبت کو سُنکر لوگ تعجب کرتے ہیں تو غیبت کنندہ خوش ہوتا ہے اور زیادہ کہنے کو تیار ہوتا ہے
مثلاً جب کسی نے دوسرے کا عیب بیان کیا اور سُننے والے نے کہا کہ ہم اُس کو ایسا نہیں جانتے
تھے ہم تو اُس کو کچھ اور ہی سمجھے بیٹھے تھے۔ یہ تو آج تم نے ایک نئی بات کہی خدا اُس سے بچائے
اس سے وہ شخص غیبت کنندہ اور ایسی ہی باتیں اُس آدمی کی نسبت کہنے لگتا ہے جس سے زیادہ تر
تعجب ہوا اور سُننے والا بھی اُسکی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ غرض غیبت کا سُننا اور اس کا تصدیق
کرنا بھی داخل غیبت ہی۔ سُننے والا بھی ایک غیبت کرنے والا ہی۔ آدمی کو چاہئے کہ جب دوسرا غیبت
کرنی شروع کرے تو اُسے زبان سے منع کر دے اور اگر زبان سے منع نہ کر سکے تو دل میں بُرا جانے
یا مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے۔ یا کہنے والے کو دوسری بات میں لگا لے کسی اشارہ چشم و ابرو و ہاتھ سے
منع کرے یا ظاہر منع کرے کہ خبردار ایسا ذکر مت کرنا۔ آدمی ان سببوں سے لوگوں کی غیبت کیا کرتا
ہے۔ اول جب آدمی کو دوسرے آدمی پر غصہ آتا ہے تو اُسکو بُرا کہنے لگتا ہے اور اپنے دل کی بھڑاس
نکالتا ہی۔ یہ امر بمقتضائے طبع ہی۔ کبھی بظاہر کچھ نہیں کہتا۔ مگر دل میں بُرا جانتا ہی جس سے دل میں کینہ
پیدا ہوتا ہی جس سے آیندہ بُرا کہنے کی بنیاد پڑتی ہی پس کینہ اور غضب دونو غیبت کے سبب ہوتے ہیں
آدمی یہ سمجھ لے کہ یہ غصہ و کینہ دونو کیسے انسان کی جان کے لئے عذاب ہیں اُن سے بچنا چاہئے
جسکے سبب سے اور غیبت کی مصیبت نہ زیادہ ہو۔ دوسرا سبب یہ ہوتا ہی کہ اوروں کی دیکھا دیکھی ہاں
میں ہاں ملاتا ہی مثلاً اگر اپنے رفیق اور اہل جلسہ کسی کی بُرائی کریں تو اسوقت یہ سمجھتا ہی کہ انہیں کی طرح

میں نہ کہوں گا تو ناراض ہونگے یا مجھ کو برا سمجھینگے اور کنارہ کشی کرینگے تو ان کی سی یہ بھی کہنے
لگتا ہے اور اس امر کو حسن معاشرت اور ملنساری جانتا ہے۔ تو جب وہ کینہ اور غصہ کے سبب سے کسی
کو برا کہتے ہیں تو یہ بھی ان کو برا کہنے لگتا ہے یہ انسان کا بڑا کمینہ پن ہے کہ اپنے تئیں اچھا کہلانے
کے لیے برے کام کرنے لگے۔ اسکو چاہیے کہ وہ خود غیبت سے باز رہے اور اوروں کو منع کرے۔
تیسرا سبب جہاں پیش بندی منظور ہوتی ہے جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی بڑے آدمی کے
حق میں بدزبانی کریگا یا میرے خلاف گواہی دیگا تو وہ پہلے کی برائی کرنے لگتا ہے۔ اگر پھر وہ
اسکی نسبت کچھ کہے تو شنوائی نہ ہو۔ اور دشمنی پر محمول ہو۔ یا اول ہی سے مخاطب کے دل میں
جم جائے کہ یہ آدمی لغو اور فضول گو ہے یا اول اول اوس کے سچے حالات بیان کرے۔ بعد اسکے
کچھ جھوٹے معاملات بھی اسکی طرف منسوب کرکے کہدے۔ تاکہ پہلے حالات کی طرح مخاطب ان کو بھی
صحیح تصور کرے اور اس کا جھوٹا اور فریبی ہونا مشہور ہو جائے۔ وہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ میری
عادت جھوٹ بولنے کی نہیں ہے میں نے تم سے فلاں فلاں حال جو اس شخص کے بیان کیے سب ایسے
ہی نکلے جیسے میں نے کہے تھے۔ ان بیانوں کی تصدیق کراکے وہ اپنے جھوٹی باتوں کو تصدیق
کرانا چاہتا ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ کسی عیب سے اپنے تئیں بری کرنا منظور ہوتا ہے اس وقت دوسرے
شخص کا نام لے کر کہتا ہے کہ اس نے بھی ایسا کیا یا وہ بھی میرے ساتھ شریک تھا میں اسمیں معذور
ہوں۔ اسکو چاہیے تھا کہ خود عذر کرتا اور دوسرے کا نام لیتا۔ آدمی خوب سمجھے کہ انسان کا نفس
یوں برائی سے بری نہیں ہو سکتا بلکہ اور زیادہ لوگوں کو برا معلوم ہونے لگتا ہے۔ پانچواں
سبب زیادہ فخر اور مباہات ہے کہ دوسرے کے ناقص بتلانے سے اپنا افضل ہونا ثابت کرے
مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ وہ جاہل آدمی ہے اسکی سمجھ اچھی نہیں کلام ہیچ کرتا ہے۔ اس سے غرض
یہی ہوتی ہے کہ ہم اس کی نسبت زیادہ جانتے ہیں یا یہ خوف ہو کہ شاید میری سی تعظیم کہیں
اسکی نہ ہونے لگے اسلیے اس میں عیب نکالنے شروع کیے۔ یہ امر موہومی ہے کہ اس طرح
اس کو عزت حاصل ہو تجربہ سے معلوم ہوگا کہ وہ خود لوگوں کی نظروں میں اس سے ذلیل ہو جاتا ہے

چھٹا سبب یعنی جب لوگوں کو دیکھا کہ کسی کی تعریف اور تعظیم کرتے ہیں اور اس سے محبت پیش آتے ہیں تو آگ حسد کی جوش کرتی ہی اور یہ دل چاہتا ہی کہ یہ نعمت اُس کے پاس نہ رہے تو اور کچھ نہیں بن پڑتا اُس کا عیب ظاہر کرنے شروع کرتا ہی تا کہ لوگوں کے نزدیک اُس کی عزت نہ رہے تعظیم و اکرام و مدح سے باز آئیں اس لئے اُسکو تعریف کا سُننا اور تعظیم ناگوار گذرتی ہے اُسکا نام حسد ہی۔ غصّہ اور کینہ کی صورت میں تو یہ ہوتا ہی کہ دوسرا شخص کچھہ اپنا بگاڑ کرتا ہے تو غصّہ آتا ہے اور کینہ ہوتا ہی اور حسد بگاڑ پر موقوف نہیں دوست محسن رشتہ دار پر بھی ہوا کرتی ہے آدمی سمجھہ لے کہ حسد اپنی جان کے لئے ایک عذاب ہی کسی استاد کا شعر ہے کہ ؎

حاسد کو ایک دم نہیں راحت جہان میں　　رنج حسد ہی جان ہی جب تک کہ جان میں

اپنے بھلے کے لئے اوروں کا بُرا چاہنا بُرے شگون کے واسطے ناک کٹانا ہی قاعدہ ہی کہ حسد اور غیبت کے سبب دوسرے کا فضل اور زیادہ ہوجاتا ہی۔ اور اپنی حماقت جہالت ظاہر ہوتی ہے جس سے ندامت ہوتی ہے۔ ساتواں سبب کھیل اور دل لگی ہے کہ دوسرے کی بُرائی بیان کرکے ہنسنا اور ہنسانا اور وقت کا ٹالنا منظور ہوتا ہے۔ آٹھواں سبب کسی کو پیٹھہ پیچھے بنا لینا اس سے غرض اپنی بڑائی اور دوسرے کی ذلّت منظور ہوتی ہی۔ نواں سبب کسی کا استہزا کرنا اور اُس کو بنا لینا گو کسی شخص کو رسوا کردے۔ یہ بنانا صرف چند آدمیوں کے روبرو ہوتا ہے مگر آدمی سوچے کہ اُس کا نتیجہ کیا بُرا اپنے حق میں ہوتا ہی۔ نواں سبب کسی خاص دیندار کا نام لے کر اُس کے عیب بُرائی کو تعجباً کہنا یا اُسکے واسطے دعا مانگنی یا اپنا غصّہ و غضب جتلانا۔

انسان کو جب غیبت کا خیال آئے تو اپنے نفس میں فکر کرے کہ کوئی عیب مجھہ میں بھی ہے یا نہیں اگر کوئی عیب پائے تو اُس کے دور کرنے میں مشغول ہو جائے۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے کہ جو اپنے عیبوں کی درستی سے شغل رکھے اور دوسروں کی عیب جوئی نہ کرے۔ آدمی کو اس سے شرم آنی چاہئے کہ اپنے تئیں تو عیبوں پر ملامت نہ کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ جیسا میں اپنے عیب کے دور کرنے میں مجبور تھا ویسا ہی دوسرا شخص معذور تھا کہ اپنے عیب نہیں دور کر سکتا تھا۔ ورنہ پھر وہی

ہوگی۔ خود را نصیحت دیگرے را نصیحت۔ یہ امر اس صورت میں ہے کہ دوسرے شخص میں عیب اس قسم کا ہو جو اُس کے فعل و اختیار سے ہو۔ ورنہ اور کوئی جبلّی امر اعضاء ظاہری میں ہو تو اُسپر بُرا کہنا تو خالق کو بُرا کہنا ہے معاذ اللہ جیسا کہ منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی حکیم سے کہا کہ اے بدصورت اس نے جواب دیا کہ صورت کا بنانا میرے اختیار میں نہیں تھا۔ کہ میں اُس کو اچھا کر لیتا بنظر انصاف دیکھو تو کوئی آدمی عیب سے خالی نہیں اگر کوئی شخص اپنے تئیں عیب سے پاک تصور کرے تو محض حماقت اور نادانی ہے۔ غرض دوسرے شخص کے عیب چھانٹنے سے یہ بہتر ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور یہ سوچے کہ اگر کوئی شخص مجھکو بُرا کہے تو مجھے کیسا بُرا معلوم ہوگا ایسا ہی دوسرے شخص کو سمجھے پس جیسے آدمی یہ پسند نہیں کرتا کہ دوسرا آدمی میری غیبت کرے ایسا ہی یہ امر نا پسند کرے کہ دوسرے کی غیبت یہ خود کرے۔ انسان کو چاہئے کہ جیسے زبان سے غیبت کرنے کو بُرا جانے ایسے ہی دل میں بھی کسی طرف سے بدگمانی نہیں کرنی چاہئے۔ بدگمانی سے غرض یہ ہے کہ کسی کو قصداً دل سے بُرا نہ سمجھے سوء ظن اس سبب سے بُرا ہے کہ اسرار قلوب کو سوائے عالم الغیب کے کوئی نہیں جانتا پس بندہ کا یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے کی طرف بدی کو اپنے دل میں جمائے۔ ہاں اس صورت میں کہ بدی کا معائنہ ایسی طرح پر ہو جائے جسمیں محل تاویل نہ رہے کیونکہ پھر اُسکے خلاف دل میں جمنا دشوار ہے۔ مگر جبتک کسی کا حال نہ دیکھا ہو نہ سُنا خواہ مخواہ دل میں اُس کی طرف سے بدگمان ہونا شیطان سیرتوں کا کام ہے جب کسی کی طرف سے دل میں بُرائی پیدا ہوتی ہے تو اُس سے کسی قدر نفرت دل میں سما جاتی ہے اُس کا پاس بیٹھنا ناگوار ہوتا ہے۔ اُس کی تعظیم و اکرام میں بھی سُستی ہونے لگتی ہے۔

(۳) الحاصل غیبت بُری خوئے زشت ناپسند ہے۔ دوستوں کو دشمن بناتی ہے اور دشمنوں کو اور زیادہ دشمن بناتی ہے جب تم لوگوں کو بُرا کہتے ہو تو لوگ تم کو بُرا کہتے ہیں۔ گویا تم اوروں کی غیبت کیا کرتے ہو اپنے تئیں رسوا کرتے ہو۔ اپنی تیغ زبان کو اوروں پر کیا چلاتے ہو اپنا گلا کاٹتے ہو جو مرد عاقبت اندیش ہے وہ اپنے حفظ ناموس کے لئے اوروں پر زبان درازی نہیں کرتا ؎

عیب تو خواہی نگوید خصم عیب او مگو ۔۔۔ باخموشی میتواں خاموش کردن کوہ را

اگر تم میں عیب ہو تو سو عیبوں کا یہ ایک عیب ہی کہ تم اوروں کی عیب پوشی نہیں کرتے اور اسمیں اپنی اوقات شریف کو ضائع کرتے ہو ؎

درگفتن عیب دگراں بستہ زباں باش — از خوبی خود عیب نمائے دگراں باش

اوروں کے افعال و اقوال کو بدی پر حمل کرنا اور لوگوں کے عیبہائے نہانی کا ڈہونڈنا عین بدذاتی اور بدطینتی کی نشانی ہے۔ شیطان سیرتی اور شرارت نفس کی دلیل۔ انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ نظر خلق کی خوبیوں اور محاسن پر رکھے ٭

(۶) کہاں کہاں غیبت کرنی درست ہی

اول ظلم کی دادرسی کے لئے غیبت مثلاً مظلوم آدمی اگر حاکم اعلی سے کہے کہ فلاں حاکم ادنی نے میرے اوپر ظلم کیا یا خیانت کی یا رشوت لی تو یہ داخل غیبت نہیں۔ اسکے بدون دادرسی نہیں ہوسکتی مگر سوائے مظلوم کے اور کوئی شخص ایسا کہے تو غیبت ہوگی مظلوم کو ظالم کا کہنا درست ہے۔ دوسرے یہ کہ بری بات کے دور کرنے کے لئے یا گناہگار کی راہ راست پر آنے کے لئے استعانت منظور ہو۔ غرض جہاں شرارت سے بچاؤ غیبت کے سبب سے ہوسکے۔ اور اُس کے سبب سے خیر پیدا ہو ٭

(۷) چغلی

چغلی کی تعریف لوگوں میں یہ مشہور ہی کہ ایک آدمی دوسرے سے جاکر یہ کہہ دے کہ فلانا شخص تم کو یہ کہتا تہا مگر چغلی واقع میں اسی پر منحصر نہیں بلکہ تعریف اُسکی یہ ہے کہ جس چیز کا ظاہر کرنا بُرا ہو اُسی کو ظاہر کردے خواہ جسکی طرف سے کہا ہے اُسکو بُرا لگے یا جس سے کہا ہی اُس کو بُرا معلوم ہو خواہ کسی تیسرے آدمی کو ناگوار گذرے۔ یہ ظاہر کرنا بھی خواہ قول سے یا لکھنے سے یا اشارہ کنایہ سے ہو۔ اور جو چیز ظاہر کی ہی وہ بھی خواہ عمل ہو یا کلام خواہ غیبت و نقصان دوسرے کا ہو یا نہ ہو غرض کہ چغلی افشاء راز اور مکروہات کے اظہار کا نام ہی آدمی کو چاہئے کہ جب اسکی نظر لوگوں کے حال پر پڑے تو سکوت اختیار کرے۔ مگر ہاں وہاں بولے جہاں کسی دوسرے کا نقصان ہوتا دیکھے مثلاً جب کسی شخص کو دیکھے کہ وہ دوسرے کا مال لئے لیتا ہی تو چاہیے کہ اُسکے واسطے گواہی دے اسمیں رعایت مال والے کی ہوگی لیکن اگر کوئی

اپنا مال چھپا کر رکھتا ہو اُس کو اگر ظاہر کر دیگا تو چغلی ہوگی۔ اگر کسی کا عیب یا نقصان کا ذکر کرے گا تو غیبت اور چغلی دونو ہونگے۔ چغلی کھانے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ جسکی بات کہے اُس کو کچھ برائی پہنچے یا یہ کہ جس سے بیان کرتا ہے اوسکی دوستی کا اظہار منظور ہو۔ یا باتوں میں دل لگی کے طور پر مذکور ہو یا فضول اور باطل بکنے کا شوق ہو بہر صورت جب کسی شخص کے سامنے اُس قسم کی چغلی پیش ہو مثلاً یوں کہے کہ فلاں شخص تم کو ایسا ایسا کہتا تھا۔ یا تمہارے باب میں یہ تدبیر کی یا تمہارے بگاڑ کی فکر میں ہے یا تمہارے دشمن سے ساز رکھتا ہے یا کوئی اور ایسی بات کہے تو سننے والے کو پانچ باتیں چاہئیں اول اُسکو سچا نہ جانے چغل خور اکثر بدکار ہوتے ہیں اُس کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ دوم کہنے والے کو منع کرے کہ پھر تم ایسی بات مت کہنا اور نصیحت کر دے کہ یہ حرکت بیجا ہے۔ سوم غائب شخص پر بدگمانی نہ کرے۔ چہارم یہ کہ اُسکے کہنے سے درپے تجسس اور تحقیق نہ ہو۔ پنجم یہ کہ جس بات سے کہ چغلخور کو منع کیا ہے اُس میں خود مبتلا نہ ہو۔ مثلاً لوگوں میں ذکر نہ کرے کہ فلاں شخص مجھ سے ایسا ایسا کہتا تھا۔ نقل ہے کہ ایک حکیم کا کوئی بھائی پاس آیا اور اُس سے کسی دوست کا کچھ حال کہا اُس نے سن کر جواب دیا کہ تم بہت دن میں تو آئے اور تین کرتوت ساتھ لائے اول یہ کہ ایک دوست سے بغض پیدا کر دیا۔ دوم دل میرا فارغ اور چین سے رہتا تھا اُس میں ایک تردد ڈالا تیسرے میں تم کو امین جانتا تھا اب اعتبار جاتا رہا۔ حضرت حسن رض کا قول ہے کہ من نم الیک نم علیک اُسی کا ترجمہ حضرت سعدی رح نے یہ کیا ہے

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد   بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

غرض چغل خور لوگوں میں بگاڑ ڈالنے سے خالی نہیں ہوتا معلوم نہیں اُس کا کیا سبب ہے کہ انسان ہر قوم کے لوگوں سے سچ بات پسند کرتے ہیں مگر چغل خور اُن کی جھوٹی بات کو پسند کرتا ہے ــ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ چغلی کی نسبت چغلی کا مان لینا زیادہ برا ہے اس لئے کہ چغلی میں تو صرف بتلانا ہی ہے اور ماننے میں اجازت پائی جاتی ہے کہ وہ اُسے کہا کرے دونوں میں بڑا فرق ہے چغل خور اگر سچا ہو تو بھی اُس کا فعل چغلی کا کمینگی سے خالی

نہیں ہوتا کہ وہ عیب پوشی کا پابند نہ ہوا۔ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ جو شخص تجھہ میں اور لوگوں میں بگاڑ ڈالا چاہے اور فریب دیا چاہے اُس کی بات کبھی مت مان۔ اور اپنا بھائی اور دوست اُس کو جان کہ جب علحدہ ہو جاوے تو نہ تو اُسکی بُرائی کرے اور نہ وہ تیری۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ چغلی جھوٹ اور حسد اور نفاق سے بنتی ہے۔ اور یہی تینوں چیزیں ذلت کی بنا اور ارکان ہیں۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ چغلخور اگر بالفرض سچ ہی کہتا ہے تو واقع میں وہ خود گالی دیتا ہے اس واسطے کہ جسکی طرف سے بیان کرتا ہے سچ پوچھو تو قابل رحم ہے کہ اُس کو اتنی ہمت اور جرأت نہ ہوئی کہ سامنے کہتا۔ اپنی زبان سے تمکو سنج دیتا یہ رنج تو چغلخور نے اپنی زبان سے کہکر دیا

اشعار

یکے تیرے افگند و در رہ فتاد	وجودم نیازرد و رنجم نہ داد
تو بر داشتی و آمدی سوئے من	ہمی در سپوزی بہ پہلوئے من

حاصل یہ کہ چغلی کی بدی قابل بچنے کے ہے وہ بُری بلا ہے اُس سے بڑے بکھیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۸) دو رُخی باتیں کرنی

آدمی دو رُخی باتیں جب کیا کرتا ہے کہ وہ دو ایسے آدمیوں سے ملتا ہے جنھیں عداوت ہوتی ہے جسکے پاس جاتا ہے اُسکی سی کہتا ہے اُسی کو نفاق کہتے ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ اگر وہ دو دشمنوں کے پاس ہو تو وہ باتیں کرے جو سچی سچی ہوں اس طرح وہ دو رخا نہ ہوگا ممکن ہے کہ وہ عداوت والوں سے سچی بات کہی جاوے اور دوستی بنی رہے۔ گو اس قسم کی دوستی ضعیف ہوتی ہے۔ بھائی چارہ کے درجہ کو نہیں پہونچتی۔ کیونکہ پکّی دوستی میں تو دوست کے دشمن کے ساتھہ عداوت کرنی پڑتی ہے آدمی دو رُخا جب ہوتا ہے کہ وہ عداوت والوں میں ہر ایک کی بات دوسرے سے جا کہے۔ اور یہ امر چغلی سے زیادہ بُرا ہے اسواسطے کہ چغلخور تو ایک ہی طرف کی نقل کرتا ہے یہاں دونوں طرف کی بات ایک دوسرے سے کہتا ہے اور اگر کلام ایک دوسرے کی نقل نہ کرے بلکہ ہر ایک سے یہی کہے کہ تم فلاں شخص سے عداوت کہتے ہو یہ بہت اچھی بات ہے یا ہر ایک سے وعدہ کرے کہ میں تمہارے ساتھہ ہوں یا دشمنی کے سبب ایک کی تعریف کرے تو اُن سب باتوں سے دو رُخا کہلائیگا۔ یہی حال اس صورت میں

کہ منہ پر اچھا کہے اور پیٹھ پیچھے برا کہے۔ آدمی کو سزاوار یہ ہے کہ کچھ نہ کہے اور اگر کہے تو حق کہے خواہ کسی کے سامنے ہو یا پیچھے۔ ایک دشمن کے سامنے بھی دوسرے دشمن کی سچی تعریف کرے۔

(۹) مدح و ہجو

ہجو کا حال تو بعینہ غیبت کا سا ہی جسکا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ مدح کی بعض آفتیں تو اُس شخص سے متعلق ہیں جو مدح کرتا ہے اور بعض ممدوح سے۔ مدح میں اکثر افراط ایسی ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ بن جاتی ہے۔ کبھی اُس میں ریاکاری ہوتی ہے کہ تعریف میں اظہار محبت ممدوح کے ساتھ ہے مگر دل میں محبت کچھ بھی نہیں۔ کبھی ممدوح میں وہ اوصاف بیان کرتا ہی جس سے یہ خود واقف نہیں ہوتا کہ ممدوح میں ہیں یا نہیں اور نہ اُن پر آگاہ ہونے کی کوئی سبیل ہوتی ہے۔ انسان دوسرے انسان کے اعمال ظاہری کو دیکھ کر تعریف کرسکتا ہی۔ مگر اوصاف باطنی پر یقین نہیں کرسکتا۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہی زکاۃ دیتا ہی حج کرتا ہی تو وہ ان باتوں کی نسبت یقینی کہہ سکتا ہے کہ وہ یہ نیک کام کرتا ہے کیونکہ اُن کا یقین صرف دیکھنے سے ہو جاتا ہی۔ اوصاف باطنی مخفی ہوتے ہیں وہ کچھ دیکھنے میں نہیں آتے۔ اسلئے جب تک آدمی کے باطن کا امتحان نہ کرلے تب تک یقیناً اُن اوصاف کا حال نہیں کہنا چاہیے۔ ممدوح باوجودیکہ بدکار اور ظالم ہوتا ہی پھر بھی اُس کے دل خوش کرنے کے لئے اُس کے عدل و انصاف کی تعریف کرتے ہیں چاہیے تھا کہ اُسکی مذمت کرکے اُس کے دل کو ناخوش کرتے۔ برخلاف اِس کے مدح کرنے والا خوش کرتا ہے۔ اب ممدوح میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں کہ جب اُسکی تعریف ہوتی ہی اور اوصاف اُس کے بیان کئے جاتے ہیں تو وہ اپنے تئیں کامل سمجھنے لگتا ہے۔ اور شیخی و غرور اُس میں پیدا ہو جاتا ہی اور اپنے منہ میاں مٹھو بن جاتا ہے۔ مداح تعریف کرنے کی بھی کوئی حد نہیں چھوڑتے۔ امرد کو خدا کہہ دیتے ہیں معشوق کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ اگر وہ دن کو اپنے چہرہ سے نقاب اُٹھا دے تو دو آفتاب نظر آنے لگیں اگر رات کو زلفیں شانوں پہ چھوڑ دیں تو تین لیلۃ القدر ہو جائیں اُسکے شادی افزا بال و مجلس افروز چہرہ شب و روز سے اچھے ہیں وہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں وہ آنکھوں کے لئے یوسف و گل ہیں مگر دل کے لئے گرگ و خار۔ چہرا اُنکا

تو عالم افروز ہو مگر دل گزا۔ اُن کی چشم جادون کے چرانے کے واسطے دل میں رخنہ کرتی ہیں اُن کی زلفیں ایسی سانپ ہیں کہ جن کے دانتوں تلے زہر ہے مگر سر میں مہرہ نہیں یہ زلف مرغول دلوں کے لئے غول ہیں غرض مدح و ہجو میں کسی کو آسمان پر چڑہاتے ہیں کسی کو تحت الثریٰ کو پہنچاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ کمال و فضل و جود و سخا میں کوئی تیری برابر نہیں دوسرا کہتا ہے کہ تو دونو عالم کا مالک ہے۔ تیرے طفیل سے یہ ساری جانیں پیدا ہوئی ہیں تو ہی عیش و خرمی ہے تو ہی نوش و مرہم ہے۔ جب ممدوح دیکھتا ہے کہ مداح اس کی ستائش میں بدمست ہوئے ہیں تو پھر تکبر کے مارے وہ اپنے آپے میں نہیں رہتا وہ یہ نہیں سمجھتا کہ مجھ جیسے ہزاروں کو شیطان نے ڈبویا ہے۔ یہہ لطف و مکر کا لقمہ اچھا معلوم ہوتا ہے مگر اُس کے اندر آگ چھپی ہوئی ہے۔ آخر کو اُس میں سے دھوان اٹھتا ہے مادح پھر تیری گلا ہجو کرتا ہے تو رات دن تیرا دل جلتا ہے۔ گر تو کہتا ہے کہ اُسکی طمع میں نے پوری نہیں کی اس لئے اُس نے میری ہجو کہی ہے۔ مگر اُس کا اثر دل میں باقی رہتا ہے۔ وہ سرمایہ کبر بنتا ہے۔ مدح شیریں اور ہجو ملیح ہوتی ہیں۔ اسلئے وہ بھلی اور بُری معلوم ہوتی ہیں۔ ہجو کا حال تلخ گولیوں اور دوا کا سا ہے کہ وہ دیر تک رنج و سوزش میں رکھتی ہیں۔ اور تعریف کا حال حلوے کا سا ہے کہ اُس کا مزا دم بھر کا ہوتا ہے۔ اُس کا اثر دیرپا دوا کا سا نہیں ہوتا۔ مگر ایک اثر اُسکا چھپا ہوا یہہ ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد بدن پر پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں اور اُن گولیوں کا یہہ اثر ہوتا ہے کہ بدن اخلاط کثیف سے صاف ہوتا ہے +

(۲) نفس مدح سے فرعون ہو جاتا ہے۔ اسلئے آدمی کو چاہیئے کہ وہ بندہ ہو کر شیطان نہ بنے گیند بن کر چوٹیں کھائے مگر چوگان نہ بنے۔ جب تجھہ میں لطف و جمال نہیں ہے گا تو حریفوں کو تجھ سے ملال ہوگا۔ پھر جو تعریف کرتے تھے وہ ہجو کرینگے۔ تجھکو اس طرح دیکھینگے جیسے کہ کسی نے گو سے سر باہر نکالا۔

(۳) جو لوگ اپنی تعریف و خوشامد کو بہت پسند کرتے ہیں اُنکو یوں سمجھو کہ وہ ایک زخم رکھتے ہیں جسکی بُرائی اس سبب سے نہیں معلوم ہوتی کہ مکھیاں اُسکو گھیرے بیٹھی ہیں۔

(۱۰) زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کرنا

ایک طریقہ بیان کا یہ بھی ہے کہ زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کرتے ہیں تا کہ دل پر زیادہ اثر ہو جیسے کہتے ہیں کوئی چیز نہیں ہے جو خدا کی خوبیاں نہیں پڑھتی اور سبحان اللہ نہیں کہتی ہے اب کوئی بڑا ہی احمق وغبی و نادان ہو جو یہ سمجھے کہ درحقیقت یہ نباتات وجمادات میں عقل اور جان رکھتی ہے جسے کہ وہ لغات وحروف میں بولتے ہیں اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود سے زبان حال سے گویا ہو کر خدا کی تسبیح وتقدیس ووحدانیت کی شہادت دیتی ہیں **شعر**

ہر گیا ہے کہ از زمین روید ‌ ‌ ‌ وحدہٗ لاشریک لہ گوید

اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر گھاس کا پتا اپنی صورت حال سے خدا کی توحید کی شہادت دیتا ہے غرض جو صنائع اپنے صانع کی قدرت اور حسن تدبیر وکمال پر شہادت دیتی ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں بلکہ اُنکی ذات اور حال سے شہادت مراد ہوتی ہے۔

(۱۱) استعارہ

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اسکا ذکر صریح کیا جاوے تو سمجھ میں وہ آتی ہیں مگر اُن کو استعارہ اور اشارہ کے طور پر بیان کرتے ہیں تا کہ اُن کا اثر سننے والے کے دل پر زیادہ ہو مثلاً کوئی شخص نااہلوں کو حکمت اور علم کی باتیں سکھارہا ہو تو کہیں کہ وہ سوروں کو آم چسپارہا ہے۔ اب وہاں سور ہیں آم ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے کہ سوروں میں آم چوسنے کی قابلیت نہیں ہے ایسے ہی سننے والوں میں مسائل حکمت سمجھنے کی قابلیت نہیں ہے۔ مثال مسجد ریٹھ سے ایسی سکڑتی ہے جیسے آگ سے کھال یعنی جیسے آگ کھال سے مخالف ہے ایسے ریٹھ مسجد کی پاکیزگی سے خلاف ہے جو شخص نماز میں امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اسکو ڈرنا چاہئے کہ خدا اُس کے سر کو گدہے کا سر بنادے۔ یہاں یہ مراد ہے کہ جیسا گدہے کے سر میں بیوقوفی اور کم ذہنی ہوتی ہے ایسے ہی اُس شخص کے سر میں بیوقوفی ہوگی جو امام کا اقتدا بھی کرتا ہے اور اُس سے آگے بھی بڑھتا ہے وہ نہایت حماقت کرتا ہے۔ یا جیسے حدیث ہے کہ خدا تعالیٰ کی دو انگلیوں میں مومن کا دل ہے تو اسمیں انگلیوں سے

اشارہ قدرت کی طرف ہے۔ اس کے اقتدار کے سمجھانے میں بڑا اثر ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں یہ کام ہماری چٹکی میں ہے۔

(۱۲) شاعر و شعر و شاعری کی بُرائیاں

قول ۔ کس نیست بدبہر استوار — شاعر و قرعہ زن و اختر شمار

ایک گروہ اپنے تئیں شعر تراش کہتا ہے مگر وہ شعر خراش ہوتا ہے۔ قلب اُن کا سلیم (زہر آلود) قالب اُن کا لئیم۔ خاطر اُن کی عقیم۔ نظم اُن کی سقیم۔ چہرہ اُن کا پیاز کی طرح لال و نیک معلوم ہوتا ہے مگر اندر سے بالکل پوست ہوتا ہے۔ سخن میں وہ زبان کو جوہری کرتے ہیں مگر عقل کو پہلے بہرا کر دیتے ہیں۔ اُن کی جان جیسے شعر بیہودہ۔ دل اُن کا مثل اُن کی نظم کے سادہ۔ اُن کے افعال ایسے زشت جیسی اُن کی عبارت۔ جان اُن کی ایسی گران جیسے اُن کے استعارے۔ صورت بھلے آدمیوں کی سی مگر کام بن مانسوں کے سے۔ ایسے شاعروں کی امرا ایسے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اُن کے فتنے کا نام بھی عافیت رکھتے ہیں۔ شکل اُن کی گربہ مسکین کی سی۔ ایک لقمے کے لئے محتاج ہوتے ہیں۔ دسترخوان پر ایک ایک ٹکڑے کے لئے مار کھاتے ہیں۔ چوہوں کی طرح لوگوں کے گھروں میں پڑے پھرتے ہیں اور دسترخوان کو کترتے ہیں۔ طوطے کی طرح اپنے بولنے کی لاف مارتے ہیں اور معانی سے اُن کا دل خالی ہوتا ہے۔ بیکسوں کے سامنے شعر اپنے لیے جاتے ہیں اور اپنے تئیں اُن کا ندیم بناتے ہیں۔ اُن کی مجالس کے حکیم بن جاتے ہیں اور شعرا کے سخن کے ریزے ریزے جمع کرکے اپنا ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔ غرض روز و شب در بدر خاک بسر روٹیوں کے لئے پھرتے ہیں اور شاعروں کے نیک نام کو بد کرتے ہیں۔ شعر جو حسب طبع ہو وہ جان پرور ہوتا ہے جب وہ معمولی طریقوں سے کہا جاتا ہے تو مسخرہ ہوتا ہے۔ شاعری کو جس میں فروغ ہو وہ فروغ نہیں کہاتی۔ شاعری سے دل میں گدائی کا نقش جم جاتا ہے۔ عقل جو بادشاہ سخن ہے وہ ہر دو غرزن ہوکر غلط موزون ہو جاتی ہے۔ شاعروں کی باتیں سارے غمزے ہوتے ہیں ان کے نزدیک ہے وہ خواجہ بننا چاہتے ہیں وہ بہت تہمت و بےخبر و بیہودہ ہوتے ہیں۔ سخن ان کا معنی سے ایسا برہنہ ہوتا ہے جیسا ان کا سر۔ جب وہ کسی گروہ میں سخن پڑھتے ہیں تو اپنی فقر و شکوہ ظاہر کرتے ہیں

مگر اُن کی آواز کانوں کو ایسی بُری معلوم ہوتی ہے کہ دل چاہتا ہے کہ وہ خاموش ہوں جس سے درد سر
موقوف ہو۔ جو اُن میں ہزل گو ہیں اُن کا کلام عاقل کب سنتے ہیں وہ اُن کے سامنے پڑھنے بیٹھ
جاتے ہیں تو وہ اپنے کانوں میں اُنگلیاں دیتے ہیں اگرچہ وہ ظاہر میں سنتے ہیں مگر دل میں غصے ہوتے
ہیں۔ اور اُن کے کلام سننے کو عاقل گناہ اور جاہل موعظت جانتے ہیں۔ وہ ایک قصیدہ کو دو سو جگہہ
سفلوں کے روبرو ڈاڑھی کو ہلا ہلا کر پڑھتے ہیں۔ کچھہ اشعار ازبر کرکے شہر کو گدائی سے زیر و زبر کرتے
پھرتے ہیں۔ موچی۔ درزی۔ نداف کی دکانوں میں بیٹھے اپنی شاعری کی لاف مارتے ہیں۔ اور دل
کے موتی چرا کے اپنے خرمہرہ کے ساتھہ ملا کے بیچتے پھرتے ہیں ہمیشہ احمقوں کی طرح غرور کرتے ہیں اور
خلق کو رنجور۔ کوئی شخص ایک دو بیت کے پڑھنے سے شاعر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سخنور شاعر کہلاتا ہے جو معانی
سے ماہر ہو۔ یہ شاعر بالکل بے مایہ ہوتے ہیں رزق اور ثرید کے طلبگار دُشمن جو بہت مدح سرائی کرنے والے
دھوبی و موچی کے ستائش میں شعر اس سبب پڑھنے والے کہ کپڑے دھووے اور جوتی پہنا دے۔ وہ دو
روٹیوں پر شعر بیچتے ہیں کُتے کی طرح دربدر پڑے پھرتے ہیں۔ اور گوگل کو چلغوزہ کہتے ہیں جو بادشاہ
کی تعریف میں کہتے ہیں وہ عوام کی تعریف میں کہ جنکو کبھی ایسے کہتے ہیں خلخال کی جگہہ تاج پہنتے ہیں یا مدح و ذم
اُن کے نزدیک یکساں ہے۔ ہیں بے زبان مگر اپنے تئیں زبان دان جانتے ہیں ہیں اندھے مگر اپنے
تئیں بینا سمجھتے ہیں بادشاہ کا بڑا برگزیدہ کام یہ ہے کہ اُن کی نسل کو جہان سے برکندہ کرے کہ اس قوم
نابکار کے عذاب سے خلق چھوٹ جائے۔ اسلئے کہ اکثر شاعروں کے بیچ خیالات واہی قضاء الٰہی کے عدم
رضا پر مبنی ہوتے ہیں اُن کے مضامین کفر آمیز نظم میں یا نثر میں ہوتے ہیں۔ کبھی آسمان سے
لڑائی ہے کہ کیوں اُس نے ایسا کیا کبھی دور فلک پر عتاب ہے کہ کیوں اس نے اُنکو سب کا سرتاج نہ بنایا
قضاء و قدر کے ساتھہ بھی گستاخی سے نہیں چوکتے جو مضمون اُن کے ذہن میں آوے اور اُس میں کچھہ
لطائف شعری پائے جائیں پھر اُس کے کہنے سے باز نہیں رہتے خواہ اُس میں سراسر کفر ہی کیوں نہ بھرا ہو یعنی
عرش و کرسی کو اپنے ممدوح کے پایہ سے کمتر کہہ دیتے ہیں حضرت عیسیٰ و موسیٰ کو تو مورد اعتراض بناتے
ہیں اور خضر و الیاس پر ملامت کرتے ہیں یہ ہرگز نہیں سمجھتے کہ برگزیدگان خدا کا رتبہ ایسا برتر ہے

بے نام ونشانوں کے واسطے اُن کے ساتھ یہ گستاخی اور بے ادبی کرنی نہایت حماقت ونادانی ہے

(۱۳) شاعر و شعر و شاعری کی خوبیاں

لطف سخن کا لباس انسان کو خاص خدا تعالیٰ نے عنایت کیا ہے جسوقت وہ وزن کا خلعت ناز سے پہنتا ہے اور قافیہ کو دامن کا طرا بناتا ہے اور ردیف کی خلخال ڈالتا ہے خیال کا خال نہایت بر لگاتا ہے۔ تشبیہ سے رخ پر جلوہ ماہ دکھاتا ہے تجنیس کی مانگ بناتا ہے۔ ایہام سے چشمک زنی کرتا ہے مجاز کی زلف کو چھوڑکر حقیقت سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ جب وہ اس شکل سے شبستان خیال سے جلوہ افروز ہوتا ہے تو کوئی شاہد موزوں اُسکی برابر دلربا نہیں ہوتا۔ اُسکے عشق میں صبر اور تسلی مشکل ہے۔ وہ کانوں کو موتیوں سے پُر کرتا ہے کبھی تحمید میں نغمہ سرائی کبھی توحید میں عقدہ کشائی کبھی خوش حالوں کے صومعہ میں ہے کبھی صوفیوں کے سماع میں وہ نکتہ سنجی قوالوں کے لب سے کرتا ہے کہ وہ دل وجان کو اُسپر فدا کرتے ہیں کبھی عاشق کا غم نامہ پڑھتا ہے کبھی معشوقوں کی پردہ سازی اور عاشقوں کی پردہ دری کرتا ہے غرض اُس سے کبھی دل کو قوت ہوتی ہے کبھی جان کو راحت کبھی اس سے دولت ملتی ہے کبھی عزت۔ غرض وہ سرتاسر ہنر ہے اور بے عیب ہے۔ مگر جب بے ہنروں سے اُس کو پالا پڑتا ہے۔ تو اُسکا وہ حال ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا کہ پھر وہی زبان سے بیہودہ باتیں کراتا ہے۔ شعر دل کے سرچشمہ کا پانی ہوتا ہے۔ اگر چشمہ مٹی سے اٹا ہوا ہے تو اُسکا پانی کیوں نہ گل آلود ہوگا پہلے دل تمام آلودگی سے پاک ہو تو شعر پاک ہو جب وہ خباثت سے معمور ہے تو شعر بھی خبث سے خالی نہیں ہوسکتا جو شاعر پاک نہاد نہیں اُس کا کلام بھی نجاست سے خالی نہیں نظم سخن کا بھی کیا وزن ہے کہ وہ اس ترازو اور باٹ سے نہیں ہوتا بلکہ طبیعت کے دست اور ترازو سے ہوتا ہے۔ پس یہ طبیعت ہی اُس کی قوت بازو ہے وہی اسکو حکمت اور بیان میں سحر بناتی ہے۔ وہی اِسکو آسمان پر چڑھاتی ہے وہی تحت الثریٰ میں لے جاتی ہے غرض جیسی طبیعت شاعر کی ہوتی ہے ویسا شعر ہوتا ہے +

(۱۴) فکر اشعار

شاعر دن بھر شعروں کی اُدھیڑبن میں رہتے ہیں راتوں کو قافیہ جوئی کے خیال میں آنکھیں نہیں بند کرتے

اپنے مقاصد کے واسطے قصائد ارباب مناصب کی مدح میں کہتے ہیں اور مطالب حاصل کرتے ہیں سادہ دلوں کی ہجو میں بھی کبھی کبھی کاغذ کو سیاہ کرتے ہیں غزل پردازی میں غزالوں کے ساتھ عشق بازی کی باتیں کرتے ہیں کبھی مثنوی میں ایک وزن کے ہزاروں شعر کہتے ہیں اور اپنے خیال میں ہزاروں موتی پروتے ہیں۔ ان کی ترصیع میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ عقل و دین و دنیا کھوتے ہیں کبھی رباعی دل کی غم خواری کے واسطے فرماتے ہیں کبھی قطعہ میں طبع بلند دکھاتے ہیں۔ کبھی کوئی ایک بیت فرد ایسی کہہ دیتے ہیں کہ وہ سینہ پر درد کے واسطے مرہم ہوتی ہے کبھی کسی کے نام کو معمے میں گم کرتے ہیں۔ کبھی ماتم داری کے واسطے مرثیہ ارشاد کرتے ہیں جس کے سننے سے آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برستا ہے۔ اس میں بیان کرتے ہیں کہ فلانا امیر فلانا بادشاہ مر گیا۔ اپنا ملک و میراث بدخواہ کے حوالہ کر گیا۔ غرض اوروں کے مرنے سے اپنے مرنے کا ماتم خیال کراتے ہیں۔ کبھی کسی واقعہ عظیم کی تاریخ کہہ کر اس کو یادگار زمانہ بناتے ہیں غرض اسی طرح ان کی عمر کٹتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے نظم احوال کی تقطیع ہوتی ہے۔ عمر شریف کا قافیہ تنگ ہوتا ہے۔ دم بدم مرگ اسکی ردیف بنتی ہے۔

(۱۵) اشعار کا مطالعہ اور ان پر تبسم

دفتر اشعار خرد کے موافق لکھے گئے ہوں ہر ورق ان کا رنج و الم کی صحت کے واسطے نسخہ مجرب ہو تو ان کے ساتھ جلیس ہونا چاہیے۔ ان سے بہتر کوئی جلیس و انیس نہیں ہے — وہ روح کے واسطے باغ سے کم نہیں جو ورق اس کا الٹے ایک نیا شگوفہ شگفتہ نظر آتا ہے۔ اگر تم یہ چاہو کہ اسکی نکہت تمہارے دماغ کو معطر کرے۔ تو غرض کی آلائش سے خاطر کو دھو ڈالو۔ صدق کی طلب میں ہمت عالی رکھو تعصب کا زنگ دل سے دور کرو اور تامل عقل کے موافق کرو قلم کی طرح قطرہ زنی نہ کرو بلکہ پرکار کی طرح قدم قائم کرو۔ معنی کو جمع کرو اور ہر نقطہ اور نکتہ پر غور کرو ہر حرف سے حق معنی طلب کرو معنی ژرف کی تہ پر پہونچو جب تک دریا میں غواص غوطہ نہیں لگاتا کف میں صدف گوہر نہیں لا سکتا۔ اگر دس شعروں میں ایک کے معانی بھی پسند ہوں تو اس سے

دل کو خرسند کرو۔ اشعار کی بحر بھی کان گوہر ہوتی ہے اور اس کے گوہر بھی صدف کے موتیوں سے
زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ معانی کو اصل جانو گو عبارت میں کچھ عیب بھی ہو تو اُس کو معاف کرو
حاسد کی طرح بیہودہ خروش نہ کرو عیب جوئی کو اپنا ہنر نہ بناؤ۔ ایک عیب کے سو عیب بتلاؤ۔
کبھی ان کے وزن پر طعن نہ کرو کبھی اُن کے زحاف پر عیب لگاؤ۔ کبھی الفاظ کو نامعقول اور
قافیہ کو نامقبول نہ کہو اگر ایسا کروگے تو خود نظم معانی سے دور معلوم ہونگے۔ اور تمھاری
خردہ گیری کو لوگ تعصب بتلائینگے۔ اور یہ کہینگے کہ تمہاری خاطر کا قافیہ تنگ ہے۔ تم نے غور
و تامل میں ایک شب آنکھوں کو نہیں جگایا۔ کوئی گوہر مخزن غیب سے نہیں نکالا جس سے تم میں معنی
باریک کے سمجھنے کی قابلیت پیدا ہوتی۔ تم اِس کام کی دقت سے واقف نہیں اس لئے اِس کی
فہم سے عاری ہو۔ تین آدمی بڑا ستم اشعار پر کرتے ہیں ایک غزل خوان خام کہ وہ روش نظم
سے واقف نہیں ہوتا۔ تیغ زباں سے کبھی نظم کا سر کاٹتا ہے کبھی پاؤں۔ وہ جن
فرزندوں کے بند بند کاٹتے ہیں اُن کے باپ بڑی واویلا کرتے ہیں۔ دوم ان بُرے
پڑھنے والوں سے بدتر غلط لکھنے والے ہوتے ہیں کہ نظم رواں کے سر و پا کو چوب قلم سے
شکستہ کرتے ہیں اپنا قلم تیر کی طرح چلاتے ہیں اور چشم معانی میں لگا کے اُس کو اندھا کرتے
ہیں وہ اپنی غلط نویسی سے ہر سخن کے دست و پا گم کرتے ہیں اپنی قلم کی طرح اُس کو روسیاہ
بناتے ہیں ان دو مخالفوں کے سوا تیسرا وہ ستم کیش ہے جو چشم انصاف سے نہیں دیکھتا۔ وہ اپنے
کینہ کی گزلک کو زہر آب کر کے نقش صواب کو حک کرتا ہے۔ اگرچہ اس میں دقائق نظیر
دیکھتا ہے مگر سب میں عیب نکالتا ہے جو مرغ کانٹے کھاتا ہے وہ خرما کے درخت پر بیٹھ کر کانٹے
ہی کھاتا ہے۔ جیسے آب رواں خس و خاشاک سے خالی نہیں ہوتا ایسے ہی کسی کی نظم عیب
و غلطی سے پاک نہیں ہوتی۔ دریا میں موتی بہت سے ہیں مگر بے صدف کے وہ باہر نہیں
نکلتے۔ کوہ میں پتھر بہت سے ہیں زر تھوڑا ہوتا ہے۔ چشم ہنر بین عیب سے پاک ہوتی ہے۔ بے ہنر
عیب نکالیں تو اُسے کیا پاک ہے۔ جو کمینے ہنرمندوں کے عیب دیکھتے ہیں اُنھیں کون دیکھتا ہے

آئینہ کی پشت کو کوئی نہیں دیکھتا- بزرگوں کی نظر انصاف پر ہوتی ہے- وہ جانتے ہیں کہ سخندانی کسے کہتے ہیں اور یہ گوہر کس کان سے پیدا ہوا ہے- یہ سخن نادر کس ذہن سے نکلا ہے وہ ترتیب کے اندر خوبیاں دیکھتے ہیں غرض موتی اندھوں کے دیکھنے کے واسطے نہیں ہوتے- گدھے کی گردن تعویذ کے لایق نہیں ہوتی- پس جو اشعار حکمت شعار ہوتے ہیں اُن کا سمجھنا سخندانوں ہی کا حق ہوتا ہے-

سخن (۱۶)

اس چرخ کہن کے نیچے سخن بھی کیا تعجب خیز ہے اُسکے واسطے قالب انسان بنا ہے- خدا نے عقل و سخن انسان کے ساتھ مخصوص کیئے ہیں وہی اس کی ہمشیرہ جان ہیں- کوئی نہیں جانتا کہ حد گفتار کہاں تک ہے اور وہ جان کا کار پنہاں کہانتک کرتی ہے- وہی وحی خدا پیغمبروں کے لئے ہے- تمام باریک نکتے انسان کے اسی میں ہیں- ورع و زرق اسی میں ہیں- آدمی اور گدھے میں فرق اسی میں ہے- شمشیر زبان کا وہی جوہر ہے- آب وہاں کا وہی گوہر نغمہ ساز وہی ہے- اس گنج کی حفاظت سے تو رنج سے بچ سکتا ہے- صرفہ گفتار صرفہ زر سے بہتر ہے- جو مرد تجربہ کار ہوتے ہیں وہ ہر چیز کو بمقدار مناسب خرچ کرتے ہیں جو سمندر میں زیادہ سفر کرتے ہیں وہ اُس پانی کا زیادہ صرفہ کرتے ہیں پس جو سخن شناس ہیں وہ سخن میں اسراف نہیں کرتے سخن کا خرچ مال سے نہیں کرتے سخن کو جان مال کو سفال جانتے ہیں سخن فہمی کے واسطے دل باریک چاہیے کہ وہ سخن میں فرق موبمو کرے- جب بلبل نغمہ دل افزا کر رہی ہو تو اُلو کا ہو ہو کرنا بیہودہ ہے- جو شخص برمحل اور موقع سخن نہ کہہ سکے تو بے موقع کہنے سے خموشی بہتر ہے- بڈھے قوال کو گانے کے وقت کھانسی کا گلو گیر ہونا خاموشی کے لیے مناسب ہے جو غضب سے فحش سخن کرتا ہے وہ اُسکو آرہ دل اور سوہان جان بناتا ہے- اگر مینڈک کی آواز دل پذیر ہوتی تو اُس کی نفیر سے کیوں لوگ نفرت کرتے- جیسے سکہ قلب کو خوش خطی سے کچھ سود نہیں ایسے ہی آدمی کو تکبر کی چکنی چپڑی باتوں سے کچھ حاصل نہیں جھوٹے لعل کو کبھی

دروغ کے سبب فروغ نہیں ہوتا۔ در فتح اسی پر کھلتا ہے جو راستی کی کنجی ہاتھ میں رکھتا ہے۔ جو شخص راست سخنی کے پانو پر سر رکھتا ہے اُسپر باد حوادث چلکر اُس کو ٹیڑھا نہیں کر سکتی۔ جو شخص راست علامت ہے وہ توفیق مطلق کا قالب ہے صدق سواے راستی کے پیدا نہیں ہوتا۔ تیر سیدھا کالبد ہی سے ہوتا ہے جب مسطر ٹیڑھا ہوتا ہے تو اُس پر ہر خط کج ہوتا ہے پس جب دل ہی ناراست ہوتا ہے تو اُس کی ہر بات ٹیڑھی ہوتی ہے۔ زبان ہی آدمی کو چھپاتی ہے وہی اُس کو برہنہ کرتی ہے۔ اہل درم کا حال مال سے معلوم ہوتا ہے اہل مقال کا مقال سے۔ جیسے قلم بے شگاف نہیں لکھ سکتی ایسی بغیر دو زبانی کے صواب گزاف نہیں نکل سکتے۔ افسوس ہے کہ اگر آدمی کو میل دو زبانی کی طرف ہو۔ اس دو زبانی سے زبان قصاب کی دو چھریاں بن جاتی ہیں جو ایک دوسرے کو خوں ریزی کے لیئے تیز کرتی ہیں۔ اگر تو کسی نکتہ کے دست و پا لگا کر بڑھا دے گا تو وہ کان میں ہزار پا و بچھو بن جائیگا۔ درج دہان کو قفل لگانا اور اُس کی کنجی کو گم کرنا بہتر ہے تو کان سے پنبہ نکال کر دہن میں لگا۔ سُن بہت بول کم۔ باز کی طرح خاموش ہو چڑیا کی طرح زبان نہ باز کر۔ جو شخص دہن کو کھول دیتا ہے وہ غافل ہوتا ہے اور اس سے ملال دل ہوتا ہے۔ دل خموشی پسند ہو۔ دہن خواہ کشادہ ہو یا بند۔ مرد کم سخن تازہ رو ہوتا ہے جو آزاد ہیں اُن کے لب سے کوئی بات ایسی نہیں نکلتی کہ اُس سے کوئی بیم ہو۔ کوئی شخص سخن نرم سے خوف نہیں کرتا سخن سخت سے آدمی ڈر جاتا ہے۔ جو شخص سخن تندی سے کرتا ہے اوسکے حرف دل میں چبھ جاتے ہیں۔ جو تلواریں کہ گوشت کاٹتی ہیں وہ تو بے حد ہوتی ہیں اور جو تلواریں کہ گوشت کی ہوتی ہیں وہ بہت بد ہوتی ہیں تو اپنی تیغ زبان کو تیز نہ کر۔ وہ تیرے حلق کو کاٹ ڈالے گی۔ کوئی شخص زخم زبان نہیں لگاتا جو اُس سے شکستگی اور زیان نہیں پاتا۔ جیسے خار جسکی زبان میں نشتر ہوتا ہے اکثر چبھنے سے خود شکستہ ہو جاتا ہے۔ زبان آور جراحت لگانے کے وقت کسی سے خوف نہیں کرتے۔ چیرہ زبانی سے ایسا زخم جان پر لگتا ہے جیسا کہ نشتر کے بوسے خون نکلتا ہے۔ جیسے خنجر سنگ خارہ سے تیز ہوتا ہے ایسے ہی سخت دلی سے زبان کو حوصلہ

جنگ ہوتا ہے۔کوئی خاموش کو گزند نہیں پہنچا تا مگر دشمنگو ہی زخم کہاتے ہین۔آدہی رات کو چوروں کی آواز ہی پر تیر لگاتے ہین تو یہ جان لے کہ جو کچھہ کہتا ہے اُس کو خدا ذرا ذرا سُنتا ہے قد سمع اللہ تیری ہر بات کے لئے موجود ہے۔ابھی تو لب کو ادب آموز ہو اور سامع کو بھی جو لوگ تیرے سامنے عیب کہیں تو اُس کو نہ سن۔ہمیشہ نیک باتیں سن قطرہ صدف پاک میں موتی ہوتا ہے اور ناپاک میں کیڑا۔پس اسی طرح جو خردمندوں کے کان مین بات آتی ہے اُسکو وہ چشم و ہوش سے دیکھتے ہیں۔جیسے کہ ہاتھی کی آنکھوں کا پنکھا کان ہیں ایسے ہی بزرگوں کے واسطے بصر کی دلیل سمع ہے۔جو عیب پوش کی بات نہیں سنتا وہ اپنے حق میں خود عیب کوش ہے۔آدمی کو چاہیے کیا تو نیک باتیں کہے اور اچھی باتیں سُنے نہیں تو گونگا و بہرا ہو جائے۔اگر تیری زبان سے لوگوں کی برائی ہونے لگے تو تو اُس کو تالو سے نکال ڈال جب زبان نجاست آلود ہو جاتی ہے تو وہ آب دہن سے اور زیادہ پلید ہو جاتی ہے جیسے کہ غلاظت تر ہونے سے اور زیادہ غلیظ ہو جاتی ہے۔آدمی اتنا ہی بولے جو پسندیدہ اور خوش ہو۔اگر تجھکو ایسا بولنا نہیں آتا ہو تو مشک کی طرح دہن کھولنے سے کیا فائدہ ہے۔

(۱۷) وعظ اور اوسکی ضرورت۔اُسکے فائدے اُسکے آداب

(۱) وعظ کی ضرورت

انسان کی طینت کے خزانے میں دل یا عقل کا قیمتی گوہر ایسا خدا نے امانت رکھا ہے کہ وہ اُسکا آئینہ گیتی نما ہے۔اُسکے اعمال کے دائرہ کا مرکز ہے۔جیسا کہ آئینہ بخارات سے مکدر ہو تا ہے اسی طرح یہ دل کا جوہر معاصی ہوا و نفسانی اور لہو و لعب کی کثرت استعمال سے زنگ آلودہ ہوتا ہے اور اس میں صور حقائق اور انوار حق نہیں دکھائی دیتے۔اور آدمی اپنی صلاح حال کو فساد سے نہیں تمیز کر سکتا۔کار دنیا کو عظیم و بزرگ جانتا ہے اور کار عقبیٰ کو سہل و چھوٹا اب اس حالت کے دو مرتبے ہیں کہ کیا تو گناہ کا زنگ اس آئینہ پر ایسا لگا ہو کہ اس میں

قابلیت یہ ہو کہ توبہ و ندامت کی صیقل سے وہ اُتر جائے۔

دوم یہ کہ اُسپر ایسا زنگار لگا ہو کہ پھر آئینہ دل کا مجلا ہونا دشوار ہو۔ انسان کا دل پہلے گناہ سے لرزتا ہے۔ اور جب اُس کے غلبہ سے مغلوب ہوجاتا ہے تو پھر انسان کا باطن زیر و زبر ہوجاتا ہے۔ اب وہ چیز جو انسان کے دل سے اِس کدورت کو دور کرتی ہے وعظ و نصیحت ہی کہ ناصح مہربان سے سُنے یا کسی معتبر کتاب میں پڑھے۔ پس اِس سے معلوم ہوا کہ عامہ خلائق کو وعظ کی ضرورت ہی ہر عقلمند جانتا ہے کہ اگر ایک جماعت کسی راہ پر چلتی ہو۔ اور بعض ان میں سے راہ بھول جائیں تو باقی کو ضرور ہے کہ وہ اُن کو راہ بتائیں + ب

اگر بینی کہ نابینا و چاہ ست — وگر خاموش بہ نشینی گناہ ست

کوئی ہدیہ انسان کے واسطے اِس سے بہتر نہیں ہو سکتا کہ کوئی کلمہ حکمت ایسا اس سے کہے کہ اُسکو ہدایت ہو۔ اور طریق ناشائستہ سے پھیر لائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی تحفہ و ہدیہ سوا اِس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) آداب وعظ

(۱) واعظ کو اول چاہیئے کہ وہ جن باتوں کی نصیحت اوروں کی کرنی چاہتا ہے اُن پر خود عمل کرے جب سُننے والوں کے دلوں پر اُسکی گفتگو کا اثر ہوگا۔ اُس کو چاہیئے کہ اول اپنے تئیں خواب غفلت سے بیدار کرے تاکہ اور سونے والوں کو جگا سکے ؏ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔ پہلے اپنے دل مردہ کو زندہ کرے تاکہ اُس کا نمک سخن دلوں پر اثر کرے۔ جو عالم اپنے علم پر خود عمل نہیں کرتا اور عمل صالح نہیں کرتا۔ اُسکی پند و نصیحت دلوں پر ایسی اتر جاتی ہے جیسے کہ بارش سے پتھروں پر مٹی۔ اِس کی بات دل نشین نہیں ہوتی۔ جب تک سوز سینہ سے بات مُنہ سے نہیں نکلتی وہ دل پر اثر نہیں کرتی۔

(۲) دوم وعظ میں واعظ کو چاہیئے کہ اغراض کی لوث سے طبیعت کو پاک کرے دل کو توقعات خسیسہ سے بالکل خالی کرے اور وحی الٰہی کی تفسیر کو قصیدہ طمع کی شاہ بیت نہ بنائے۔

طول سخن کو اظہار کمال کا واسطہ نہ بنائے۔ عصا ور دا سے علم افتخار نہ بلند کرے منبر کو آئینہ خود نمائی نہ بنائے۔ ریش دراز اور سبحہ صد دانہ کو جذب قلوب کا سررشتہ نہ کرے۔ استغنا ئے طمعی کا اظہار اسطرح نہ کرے کہ لوگ بے طلب دینے کی فکر کریں۔ غرض اعلان کلمہ حق میں سوا خیر خواہی خلائق اور رضا خالق کوئی اور مدعا او مطلب نہ رکھے اور یہ سمجھے کہ آدمیوں کی نصیحت کرنے کی اجرت سوا کرم الٰہی کے خزانہ سے کہیں اور سے نہیں ملے گی جس سے کہ اس کی باتوں کی وقعت اور تاثیر کامل دلوں پر ہو۔

(۳) سوم گفتگو میں طریقہ نرم گفتاری کو ہاتھ سے نہ دے مطلب کو بلاغت سے ادا کرے نصیحت کی تاثیر کو درشت گوئی پر منحصر رکھ کر زبان کو تلخ گفتاری سے زہر آلود نہ کرے کیونکہ سننے والوں کو اس سے نفرت ہو گی۔ اول نصیحت و پند اکثر طبائع کو نا ملائم معلوم ہوتی ہیں اور جب ان کی ادا کا طریقہ نا ملائم ہو تو پھر وہ کب مستمع کے دل نشین ہو نگی۔ ہر واعظ و پند گو کو لازم ہے کہ سخن حق کو اسطرح دل خلائق میں پہنچائے جیسے کہ ہلکے ہلکے مینہ کا پانی درختوں کے رگ و ریشہ میں پہنچتا ہے۔ یہ نہیں سخن ناہموار کے ارہ سے لوگوں کی دل خراشی کرے جس سے سننے والوں کا شوق جاتا رہے۔ اور درشت گوئی سے سامعین کی جماعت پر کلوخ اندازی نہ کرے جس سے وہ پریشان ہو جائیں جن لوگوں کا دل پند سے تنگ نہیں ہوتا ان کو دارو تلخ و سود مند دینی چاہئے بعضے خوشامد طلب ہوتے ہیں لیکن شکر سے تو تپ نہیں جاتی اگرچہ دارو تلخ ہر کوئی نہیں کھاتا لیکن اس کے کھانے والے بھی بہت ہوتے ہیں تپ زدوں کے واسطے حلوا اچھا نہیں ہوتا۔ اُنکے لئے دُھنئے کا کھانا خرما سے بہتر ہوتا ہے۔ ان کو تلخ اگر شہد کے ساتھ دیا جائے تو شیرینی سے بہتر ہوتا ہے چرا شکر سے زیادہ فائدہ دیتا ہے پس جب نصیحت تلخ کہو تو شیرینی کے ساتھ۔

جس جوان و پیر کو پند تلخ معلوم ہوتی ہے وہ شیریں کرنے سے دل پذیر ہو جاتی ہے۔
ہڑ کو دیکھو کہ وہ شہد میں پرورده کرنے سے دارو سے خوشگوار بنجاتی ہے۔

(۴) چہارم کلّموا النّاس علیٰ قدرِ عقولہم۔ واعظ کو چاہئے کہ ہمیشہ مخاطب کے مرتبہ فہم کو ملحوظ رکھے اور ادائے کلام اُس کے موافق کرے۔ بازاریوں اور گنواروں کی مخاطبت میں ایسے الفاظ کو استعمال نہ کرے کہ جنکے معنی جاننے میں صحاح و قاموس کی احتیاج ہو۔ بلکہ مطلب کو ایسی واضح عبارت میں بیان کرے کہ خواص و عوام سب آسانی سے سمجھ لیں چونکہ سُننے والوں کا حال مختلف ہوتا ہو اور ہر ایک جُدا جُدا مرض قلبی میں گرفتار ہوتا ہے۔ اسلئے واعظ کو چاہئے کہ ہر طرح کے سخن کی تقریب کرے اور ہر قسم کا شربت اور دوا مفید مختصر خلائق کے کام جان میں ڈالے تاکہ جو شخص مرض حب دنیا و حرص مال و طلب جاہ و جلال میں مبتلا ہے وہ اُسکی بیوفائی اور انقلاب اوضاع کے بیان سے منتفع ہو۔ اشغال لہو و لعب و ہرزہ گوئی میں جو شخص گرفتار ہے وہ عمر و زندگانی کی بے اعتباری سے واقف ہوجاے۔ جو غرور و نخوت میں مست ہیں وہ کبر و خود بینی کی مذمت اور تواضع و فروتنی کے اوصاف کی تعریف سُن لے۔ خشم و غضب کی تپ جنکو چڑھتی ہے وہ حُسن خُلق و حلم کی مدح سے حسب صفا و قار ہونے کا فائدہ حاصل کریں۔ جن کو سُستی و کاہلی کا فالج ہو رہا ہے وہ چُستی و چالاکی کے فائدے جان جائیں جس شخص کو اپنے مرض کا علاج کرنا منظور ہو وہ سخنان حق کی ادویہ مجربہ سے کرلے۔ خیر الکلام ما قل و دل کی رعایت کا پاس رہے کہ طول کلام سے سامعین کے دل تنگ نہ کرے۔ نہ تو ایک مطلب کی تکرار ہو۔ نہ تطویل مقال ہو۔ ہر طرح بات اتنی کہے کہ کافی ہو۔

(۱۸) وعظ سُننے والوں کے آداب

جو لوگ مجلس وعظ میں جائیں وہ یہ دل میں خوب جمالیں کہ ہماری غرض استماع مواعظ و انتفاع سخنان حق ہے۔ واعظ کی نیکی و بدی سے کوئی ہم کو سود و زیان نہیں گفتار کو کردار کے مواخذہ میں نہیں پکڑنا چاہئے۔ سخن بے عیب کو سخن گو کے عیب کے سبب سے ملامت نہیں کرنی چاہئے۔ جمال عروس کو زشتی مشاطہ سے کیا نقصان ہوتا ہے اور صدف کی بے قدری سے در شاہوار کی بہا میں کیا نقصان آتا ہے۔ واعظ کو بمنزلہ لوح یا صحیفہ کے فرض کر لیا اور اُس کی

سخنانِ دلپذیر کو سمجھیں کہ اُس پر عمل ہو جسکو ہم پڑھ رہے ہیں اُس وقت سخن کی نیکی و بدی کو اپنی میزانِ عقل میں تولنا چاہیئے لہجہ کی زشتی و زیبائی سے قطع نظر چاہیئے۔ وعظ کے سُننے میں حرکات لغو قہقہہ بیہودہ باتیں کرنی۔ یا آپس میں گفتگو کرنی نہیں چاہیئے کوئی حرکت ایسی نہ کرو کہ جس سے واعظ کو یہ معلوم ہو کہ تم وعظ سُننے پر متوجہ نہیں ہو جس سے وہ وعظ کہنے میں بے شوق اور دل سرد ہو جائے۔ اگر کوئی مشکل مسئلہ میں سوال کی ضرورت ہو تو جب تک صبر کرو کہ واعظ موعظت سے فارغ ہو۔

(۱۹) پند و وعظ میں قصہ گوئی و اشعار و شطح و طامات

پند و وعظ کا کام یہ ہے کہ نفس کے عیوب و آفات کو بیان کرے اور اُن سے بچنے کی تدبیریں بتائے۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا اور اُن کی شکرگزاری سے بندہ کے قاصر ہونے کا ذکر کرے۔ دنیا کے عیب و صواب پر مطلع کرے جس سے لوگوں کے نفسوں میں صفائی و پاکیزگی پیدا ہو۔ بعض واعظ و ناصح یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ کام قصہ گوئی و شعر خوانی شطح و طامات سے خوب حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ قصہ گو اور بھیک مانگنے والوں کی برابر کوئی جھوٹا نہیں ہوتا۔ بعض قصوں کا سننا مفید ہوتا بعض کا مضر اگرچہ وہ سچے ہی کیوں نہ ہوں۔ اکثر قصوں میں کمی و بیشی و اختلاف کو دخل ہوتا ہے۔ غرض جو لوگ قصہ گوئی کو پند و وعظ میں ملاتے ہیں وہ سچ و جھوٹ کو ضرور ملاتے ہیں اسلئے وہ قصوں کے مفید و مضر ہونے میں اختلاط ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات سچے قصوں میں بھی بڑے بڑے اکابر کی لغزشیں ایسی بیان کی جاتی ہیں کہ عوام میں سے کوئی ان خواص کی نیکیوں سے قطع نظر کر کے ان لغزشوں کو اور خطاؤں پر تمسک کر کے اپنے لغزشوں کی معذرت کی تمہید قرار دے لیتا ہے کہ فلاں عالی مرتبت نے جو مجھ سے بزرگ و افضل تھا یہ کام کیا تھا تو میں کیوں نہ کروں بعض لوگ ایسے ہیں کہ طاعتوں کے باب میں رغبت کی حکایتیں گھڑ لینے کو صواب جانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارا قصد ان سے خلق کو حق کی طرف بلانے کا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ سچ میں بہت گنجائش ہے وہ کیا تھوڑا ہے کہ جھوٹ کی اختراع کی حاجت ہو بعض وعظ مسجع و مقفیٰ عبارتیں

اور اشعار پڑھتے ہیں اور شعر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں عشق کا وصف معشوق کی خوبصورتی۔
وصال کی راحت جدائی کا درد مذکور ہوتا ہے مجلس وعظ میں زیادہ تر عوام اور اجلاف ہی بھرے
رہتے ہیں اور ان کے باطن شہوات سے پر ہوتے ہیں اور اُن کے دل خوبصورتی کی طرف التفات
کرنے سے خالی نہیں ہوتے۔ پس یہ اشعار اُن کے دلوں میں اُس چیز کو ابھارتے ہیں جو اُن میں
چھپی ہی ہے۔ اسلئے شہوات کی آگ اُن میں بھڑک اٹھتی ہے۔ چیختے ہیں۔ حال کرتے ہیں خلاصہ
یہ ہے کہ ایسے افسانے خرابی سے خالی نہیں ہوتے۔ اس نظر سے بجز اُن اشعار کی جن میں نصیحت
و حکمت ہو اور وہ بھی دلیل و انس لانے کے طور پر مذکور ہو اور کسی قسم کا شعر استعمال نہیں کرنا
چاہئے۔ ایسے اشعار کا سمجھنا خواص ہی کا کام ہے۔ عوام پہلے قسم کے اشعار کو سمجھتے ہیں قاعدہ
ہے کہ سننے والا جو کچھ سنتا ہے۔ اُس کو اس چیز کی طرف استعمال لیتا ہے جو اُس کے دل پر غالب
ہوتی ہے شطح کو اکثر صوفی مشرب واعظ ذکر اکرتے ہیں شطح وہ کلام ہے کہ جس میں عشق الٰہی
اور وصل خدا میں بڑے لمبے چوڑے ایسے دعوے ہوتے ہیں جس کے بعد اعمال ظاہری کی
ضرورت نہیں رہتی اکثر اس کے سبب کم فہم [illegible] کلمات [illegible] ہیں۔ کوئی اُن سے
حجت کرے تو کہتے ہیں کہ یہ علم مکاشفہ ہے جب نور حق باطن میں ہو تو یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔
ایک شطح تو یہ ہے دوسری قسم کا شطح یہ ہے کہ وہ کلمات ایسے ہوں کہ ظاہر میں تو اچھے ہوں
مگر اُن کے معانی خوفناک ہوں اور کوئی فائدہ اُن سے نہ حاصل ہو۔ یہ کلمات یا تو خود کہنے والے
کی سمجھ میں نہیں آتے اپنی عقل کے خبط و خیال کی پریشانی کے سبب کہتا ہو۔ یا خود سمجھتا ہو
مگر دوسرے کو نہ سمجھا سکتا ہو اور ایسی عبارت نہیں بنا سکتا جس سے اُس کا مافی الضمیر معلوم ہو۔ اس
قسم کے کلام سے کچھ فائدہ نہیں بجز اس کے کہ دلوں کو پریشان اور عقلوں اور ذہنوں کو حیران کرے
یا اس سے وہ معنی سمجھ میں آئیں جو اُس سے مقصود نہیں اس صورت میں ہر شخص اس کو اپنی خواہش
اور طبیعت کے موافق سمجھے گا۔ بھلا یہ امر عقل کے نزدیک کب جائز ہے۔ کہ آدمی وہ باتیں کرے کہ جن کو
خود تو سمجھتا ہو مگر سننے والے کی عقل اُس کو نہ پہنچتی ہو۔ کیونکہ جو شخص حکمت نااہلوں میں بیان کرے

وہ جاہل ہے اور جو حکمت کے اہل سے اُس کو روکے وہ ظالم ہے۔ طامات میں وہ امور داخل ہیں جو شطح میں بیان ہوئے مگر ایک اور بات اس میں یہ زائد ہوتی ہے کہ ظاہری الفاظ سے جو معنی نکلتے تھے وہ نہ لیں اور اُنسے امور باطنی کے معنی نکالیں کہ ذہن میں اُس کا فائدہ نہ ہوتا ہو اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے کہ ناحق کی تاویلیں کر کے الفاظ کے ظاہری معنی بغیر ضرورت عقلی کے چھوڑ دیں اور ایک باطنی معانی لگائیں جس سے الفاظ پر اعتماد جاتا رہے جس سے کلام الٰہی کا نفع ساقط ہو جائے کیونکہ جو لفظوں سے سمجھا جاتا ہے اُسپر تو اعتماد نہ رہا اور باطن سب کا ایک ہوتا نہیں اس لئے مختلف طور پر الفاظ کو ڈھال سکتے ہیں اسی سبب سے بدعتیں پیدا ہوتی ہیں اور لوگوں کو خراب کرتی ہیں۔

(۲۰) قرآن

ہر سورت اس کی دلبر و جان فزا صورت۔ ہر حرف اُس کا مغز و لغز دل مجروح کی شفا۔ درد دل سوزی کی دوا دل و جان کی راحت۔ اصل ایمان۔ رکن تقویٰ۔ گنج معانی۔ حکما کی حکمت کا قانون۔ علما کی عبادت کا معیار۔ کیسا جلیل ہے اس کا سخن واضح و دائق جسکی محبت لائح و لائق جس کی برہان میں کمال جلالت و سطوت۔ درجان کے واسطے اُس کے حروف درج جرخ دین کے واسطے اُس کی آیت برج۔ جان کے لئے جنت الاعلیٰ۔ عارفوں کے لئے روضہ انس اُس کے حرفوں سے زبان پر ذوق۔ طریقہ اسلام کی شمع عقیدہ عام کی خازن۔ عاقلوں کی جان کی حلاوت۔ اور غافلوں کی زبان کی تلاوت چشم جسم اُس کے حروف کو دیکھتی ہے اور کانوں سے اُس کی نعمت جسم کو پہنچاتی ہے چشم جان اُسکے معنی کو دیکھتی ہے اور ہوش سے روح کو اُس کی نعمت کھلاتی ہے۔ نامحرموں کے واسطے اُس کے جمال پر پردہ ہائے جلال رشک کے لگے ہوئے ہیں۔ پردہ اور پردہ دار کب بادشاہ سے آگاہ ہوتا وہی بادشاہ کو جانتا ہے جو بصیر رکھتا ہے پردہ کیا خبر رکھتا ہے جس کو وہ اہل دیکھتا ہے۔ اپنے اوپر سے نقاب اٹھا کے اُسے اپنا جمال دکھا دیتا ہے جس تو صورت نظر ہی دیکھ سکتی ہے مغز جانتا ہے کہ مغز کے اندر کیا ہے جس اُسکی سورت کی صورت پڑھتی ہے۔ مگر اُسکی سیرت کی صفت کو پہنچانتی ہے

قرآن خواں کے روبرو قرآن ایک مہمان سرا عدن ہوتا ہے حرفوں کا نقاب اُس پر پڑا ہوتا ہے
نامحرموں سے یوں پردہ میں رہتا ہے۔ جو خفتہ ہیں وہ اُس کی صورت کو دیکھتے ہیں۔ مگر روح سے
بے خبر رہتے ہیں۔ جو بیدار ہیں وہ روح کو دیکھتے ہیں۔ قرآن کے حرف بہ یا دیدۂ جان سے قرآن
کے اسرار کو دیکھ سکتے ہیں۔ دنیا ایک تابستان ہے خلق اُس میں سر مستوں کی طرح پھرتی ہے سب
بیابان غفلت میں بہتے ہیں مرگ شتاب ہے خلق رمہ ہے جنگل میں ریگ گرم پانی کی طرح رواں ہے۔ ا
قرآن قرأت کا آب سرد ہے۔ وہ عاصیوں کو پانی پلاتا ہے۔ حروف قرآن کو ظرف اور آب
خیال کرو۔ تم پانی پیو برتن کو نہ دیکھو۔ پاک دل ہی قرآن کے اسرار پاک کو جان سکتے ہیں جیسے
تمھاری جان پر لباس ہے ایسے ہی معنی قرآن پر حروف قرآن ہیں۔ اس کے حرف زبان سے
پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے معنی جو جان قرآن ہیں جان سے پڑھے جاتے ہیں۔ حرف صدف
قرآن دُر ہے۔ جو حریص ہیں وہ صدف کی طرف دل نہیں لگاتے۔ زبان سے اُس کے حرف پڑھو
دل سے معنی سمجھو۔ آنکھ سے بیدار دیکھو دل سے طلب کرو۔ جب حرفوں کے پردے اٹھاؤ گے تو
سر قرآن پاؤ گے۔ پوست کو اتارو گے تو مغز دیکھو گے۔ دُر اس سبب سے ہاتھ نہیں لگتا کہ صدف
کے گرد پھرتے ہیں۔ کف کو کف میں لاتے ہیں کفوں اور سیپ صدفوں کو چھوڑ دو۔ دُر صافی قعر
بحر میں سے نکالو۔ گوہر بے صدف دل ہے۔ صدف بے گوہر گل ہے۔ دُر کی قیمت صدف سے
نہیں ہوتی۔ گوہر کی قیمت صدف سے ہوتی ہے۔ جو شخص دریا کے کنارہ پر بیٹھا ہے اُس کے ہاتھ
لولو لالا کب آتا ہے۔ قرآن کی سطر تو شطر ایمان ہے۔ اس سے دل و جان کو راحت ہوتی ہے
اُس کے قعر میں دُر و گوہر ہیں اُس کے ساحل پر عود و عنبر ہیں۔ ظاہر و باطن دونو کے لئے تحفے ہیں
موجود ہیں پاک ہو تو تجھ کو حروف سے معانی تمھارے لئے باہر آئینگے۔ جب تک تم دنیا کی
ناپاک آلائشوں سے دل پاک نہ کرو گے حروف قرآن سے معانی تمھارے پاس نہیں آئینگے
حروف قرآن سے دل بہتر نہیں ہوتا۔ مگر ہی ہر ... سے ... نہیں ہوتی۔ سیاہ اعراب
میں آب ... سے سیر نہیں ہوتا جب تک آدمی قلم و سیاہی کو دیکھتا ہے وہ چہرہ ... ہے

تمیز نہیں کرتا۔ رنگ و بوے سخن کبھی جان سخن نہیں ہو سکتا۔ اس میں نکتے سخت باریک ہیں ان کو دل و جان سے پڑھ تاکہ دُر و گوہر عقل اور کیمیاے دین حاصل ہو۔ سر ربانی اور امر و حقائق پہ تجھے علم ہو۔ وہ نقاب سیاہ سے اپنا روے مہر و ماہ کی طرح تجھے دکھلائیں۔ تو کبھی قرآن کو سرود بناتا ہے۔ کبھی اُس کو سلاح جدل بناتا ہے اسکے واسطے اپنے قیاس سے تاویل کرتا ہے کبھی اس کے حکم کی تحویل کبھی اپنے لئے اُس کی تفسیر کرتا ہے۔ اپنے علم کے موافق تقریر کرتا ہے سیپاروں کے صندوق کے گرد لوگوں کی سرزنش کے لئے تو پھرتا ہے کبھی رفیق جاہل اور کاہل کو کہتا ہے کہ میں تجھے قرآن کا تعویذ لکھ دیتا ہوں۔ تو اس کو پلید نہ چھو پاک ہو۔ اسکے واسطے کچھ میرے لئے ہدیہ لا مرغ سیاہ کا خون چاہیے۔ یہ سب حیلے ایک دو درم کے واسطے کئے جاتے ہیں کہ جس سے شکم صبح یا شام کو طعام سے پر ہو۔ تجھے اس کام سے شرم آئے یا عقل یا اجل تیرے پاس آئے کب تک روز فریاد کے ساتھ پڑھتے ہو لیکن اس کے ایک حرف کے صدق کی داد نہیں دیتے ہو عقل و جان کو اس کے حوالہ نہیں کرتے کبھی اُسے ہوا و حرص کی تیغ سے خستہ کرتے ہو کبھی ہوا نفسانی کے دام میں پھنساتے ہو کبھی گھر میں بصد ناز۔ کبھی بازار میں بہر بہانہ۔ قوال کی طرح اُسے گاتے ہو۔ اور اُس کو اپنا اعجاز جانتے ہو مگر قرآن کی لذت اور حلاوت زبان سے فقط نہیں حاصل ہو سکتی جب تک اُس کے ساتھ دل و جان نہ شریک ہوں۔ وہ تجھکو تمام جہان کا اندر اور باہر اور خشک و تر بتلاتا ہے۔ جو حکم تجھکو خدا ہیں وہ تجھے اس سے معلوم ہوتے ہیں۔ تمام صفات خدا وہ تجھے سنواتا ہے۔ صدق کی قصہ سرائی کرتا ہے۔ جس وقت مستمع اسکے کلام کو سنتا ہے تو سارے بال بدن پر کھڑے ہوتے ہیں اگر اسکی سورۂ اخلاص پڑھنے کے واسطے دیدۂ اخلاص چاہئے۔ قول باری باری سے حسن صنعت قاری کو اس کا حجاب نہ بنا۔ تو اسکے حرفوں کو نہیں بلکہ معنی کو دل سے طلب کر۔ راہِ دین کوئی صنعت و عبارت اور نحو و تصریف و استعارات کا نام نہیں ہے۔ تو اُس کے احکام پر چال کر تمام [illegible] جو مرد دانا جان اس کا سماع کرتا ہے حرف و صوت کو وداع کرتا ہے۔ جان اپنا حظ اس سے

اٹھاتی ہے۔ اپنے سب کام نکالتی ہے۔ جو مجلسوں میں اس کی بانگ لگاتے ہیں وہ دو دانگ کے لئے
وہ ایک آئینہ روشن سامنے رکھا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ رعنائی جو انسان کی طبیعت ہے وہ اس آئینہ
کی پردہ بنتی ہے۔ روغن میں نور صفائی ہے مگر جب اس میں پانی مل جاتا ہے تو اس تمہیگانہ سے
چراغ میں چاپ چاپ کی بانگ نکلتی ہے۔ پس ایسے ہی جن صاف دلوں میں کدورت ہوتی ہے
وہی اس میں پیچ پیچ کرتے ہیں۔ ورنہ اس کا کاغذ جو حرفوں سے سیاہ ہے۔ دل تیرہ کو ماہ بناتا ہے

(۲۱) آداب مناظرہ

کسی امر میں اس نظر سے مباحثہ کرنا کہ امر حق کھل جائے مناظرہ کہلاتا ہے۔ امر حق کا مطلوب ہونا
اور اس پر فکر کرنے میں ایک شخص کا دوسرے کی تائید کرنا اور بہت سی رایوں کا متفق ہونا نہایت
مفید ہوتا ہے۔ اس طور کے مناظرہ سے بہت فائدے ہوتے۔ جس کے آداب یہ ہیں
اول۔ مناظرہ کرنے والوں کا امر حق میں ایسا حال ہو جیسے کوئی کھوئی چیز کو ڈھونڈتا ہے۔
کہ اس بات کی تمیز نہ کرے کہ وہ میرے ہاتھ سے ملے یا دوسرے کے ہاتھ سے۔ بحث کرنے
میں طرف ثانی کو اپنا مددگار جانے مقابل و خصم نہ سمجھے اگر وہ اس کی غلطی پر آگاہ کر دے یا
حق بات بتا دے تو اس کا شکر گزار اور ممنون ہووے جس طرح کہ گم شدہ چیز کی تلاش میں اگر
ایک رستہ چلتا ہو اور دوسرا شخص اس کو وہ چیز دوسری سڑک پر بتا دے تو یہ شخص دوسرے
شخص کا شکریہ ادا کرتا ہے اس کی وہ برائی نہیں کرتا۔ اس سے خوش ہوتا ہے اس کو برا نہیں جانتا
دوم خلوت اور تنہائی میں مناظرہ کرنا اچھا ہوتا ہے بہ نسبت محفلوں اور امرا و حکام کے
پاس ہونے کے اس لئے خلوت میں ہمت مجتمع اور ذہن و فکر صاف رہتے ہیں اور حق کو
جلد سمجھتے ہیں اور لوگوں کے سامنے نمود کے لوازم اکھٹے ہوتے ہیں اور ہر کسی کو فریقین میں سے
یہی حرص ہوتی ہے کہ میں ہی غالب رہوں اس کی پروا نہیں ہوتی کہ حق پر ہوں یا باطل پر۔ اکثر
مناظرہ کرنے والے محفلوں اور مجمعوں میں بحث کرنے پر زیادہ حریص ہوتے ہیں اور وہ تنہائی
میں تھوڑی تقریر نہیں کرتے مگر کوئی رئیس ہو یا مجمع ہو تو پھر کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتا تا گفتگو

میں بڑا اسفر معلوم ہو۔

تیسرا حق کے لئے تعصب میں مبالغہ نہ کرے اور مخالفین کو بچشم حقارت نہ دیکھے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ مخالفین بھی مکافات اور مقابلہ پر آمادہ ہوتے ہیں اور باطل کی مدد زیادہ کرتے ہیں اور جس چیز کا الزام ان پر لگایا جاتا ہے اس کو خوب مضبوطی سے تمسک کرتے ہیں اگر یہ حضرات اعلیٰ براہ مہر و محبت اور خیر خواہی کے اُن کو خلوت میں نصیحت کر دیتے اور تعصب اور حقارت کے موقعے سے قطع نظر کرتے تو غالباً کامیاب ہوتے۔

چوتھا جو امور پہلے مناظروں میں طے ہو چکے ہیں اُن میں مناظرہ کرنا عبث ہے۔ بلکہ جو نئی باتیں پیش آئیں اُن میں مباحثہ کرنا چاہئے اور امر حق میں کلام مختصر کر کے جلد مطلوب پر پہونچ جانا چاہئے یہ نہیں کہ تقریر کو طول دیا جائے۔

پانچواں۔ مناظرہ کا شریک اگر ایک دلیل دوسری کی طرف آئے یا ایک اعتراض سے دوسرے پر بدلنا چاہے تو اُس کو روکنا نہیں چاہئے۔ مثلاً اس کہنے سے کیا حاصل کہ اس بات کا ذکر مجھ پر لازم نہیں اور یہ امر تمہاری پہلی تقریر کے خلاف ہے اس لئے نہیں مانا جائے گا۔ ایک کو دوسرے کی بات کاٹنی نہیں چاہئے۔ لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہئے سوال جوابوں میں شور و غل نہ مچانا چاہئے۔ آپس میں سوا مقابل شخص کے عاجز کرنے کی کوئی بات پیش نظر نہیں ہوتی مناظرہ میں امر حق کی طرف رجوع کرنی چاہئے اور باطل کے برخلاف ہو کر امر حق کو قبول کرنا چاہئے۔

چھٹا۔ مناظرہ میں ان باتوں کو آفت جانے کہ وہ اس غرض کے لئے ہو کہ اپنا غالب ہونا اور دوسرے کا ساکت کرنا۔ اپنے فضل و شرف کا اظہار اور لوگوں میں اپنی فصاحت اور خوش تقریری اور فخر کو دکھلانا لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا اس سے منظور ہو۔ ایسی صورت میں جتنی عادتیں مذموم ہیں ان سب کا منبع مناظرہ بن جاتا ہے۔ جیسے آدمی شراب پی کر نشہ میں ساری برائیوں کو کرنے لگتا ہے ایسے ہی جس شخص کو دوسرے کے ساکت کرنے اور اپنے

غلبہ اور فخر کی طلب غالب ہوتی ہی۔ سارے خباثت کے کاموں کے کرنے سے پرہیز نہیں کرتا ہے
ساری مخفی خباثتوں کا ہیجان اس کے دل میں ہوجاتا ہی۔ ایسے مناظرے میں جو بدعادتیں اٹھتی
ہیں اُن میں اول حسد ہی جسکی نسبت حدیث ہی کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھاتی ہی جیسے آگ لکڑی کو جلا
جاتی ہی۔ ایسا مناظرہ کرنے والا حسد سے خالی نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ کبھی غالب ہوتا ہی اور کبھی مغلوب
اور بعض اوقات اسکے کلام کی تعریف ہوتی ہی اور بعض اوقات غیر کے کلام کی تو جبتک دنیا
میں ایک بھی ایسا شخص ہوگا جو قوت علمی اور مناظرے میں معروف ہو۔ یا مناظرہ کرنے والے کے
گمان میں مناظرہ اور کلام میں اس سے بہتر اور قوی ہو تو بالضرور اُس کے حسد کریگا اور اُس کی
اس نعمت خداداد کا زوال چاہے گا۔ اور یہ پسند کریگا کہ لوگوں کے دل اس سے پھر کر میری طرف
ہوجاویں۔ حسد ایک جلتی آگ ہی جو اُس میں مبتلا ہوتا ہی وہ دنیا میں عذاب الیم میں رہتا ہے۔ ایسے
مناظرہ کرنے والے کو یہ سمجھو کہ وہ ریوڑوں کے بکرے ہیں جو آپس میں لڑتے ہیں۔ یہ مناظرہ
کرنے والے اپنے اقران اور ہمسروں پر تکبر کرتے ہیں اور بڑائی ڈھونڈتے اور اپنی لیاقت سے
بڑھ کر جگہہ پانے کے خیال سے خالی نہیں رہتے۔ جب ان کو مقام صدر میں جگہہ نہ ملے تو
وہ اسپر بحث و تکرار کو موجود ہوجاتے ہیں اور جو ان میں مکار فریبی ہوتے ہیں وہ اس بات
کے لئے یہ بہانہ بناتے ہیں کہ ہم کو علم کی عزت کی حفاظت منظور ہی۔ پس اس بہانہ سے وہ تواضع
کی صفت کو ذلت بنا دیتا ہی۔ کینہ کبھی اُس کے دل میں ہوتا ہی جو اُس کی تحریر و تقریر کو ناپسند
کرتا ہو تو اُس کی کم توجہی کے سبب سے اُس کی طرف کینہ عمر بھر سینہ میں جم جاتا ہے۔ پھر وہ غیبت
بھی کرنے لگتا ہے۔ اپنی طرف مقابل کے کلام کی نقل کرکے اُس کی برائی کیا کرتا ہی۔ اُس کے
سچے بیانوں کو الٹ پھیر کرکے جھوٹ بنا دیتا ہی۔ بہتان لگاتا ہے۔ غرض جو شخص اُس کی طرف
مقابل سے کلام سُنے اور اُس کی طرف متوجہ ہو تو یہ اُس کی ہتک کے درپے ہوتا ہے۔ اُسکو
جاہل۔ احمق۔ کم فہم کہتا ہی اور سب سے بڑا عیب جو اپنے نفس کی تعریف کرنے کا ہے وہ پیدا
ہوتا ہے۔ ایسا مناظرہ کرنے والا اپنے نفس کی تعریف کے جوش میں پھرتا ہی کہ مناظرہ میں کیسا [illegible]

اس علم میں طاق ہوں۔ اس کے اسرار مجھسے مخفی نہیں جن باتوں کو تم نہیں جانتے وہ میرے ناخنوں میں بھری پڑی ہیں۔ غرض ایسی باتیں کبھی شیخی کے طور پر اور کبھی اپنے کلام کے رواج دینے کی ضرورت سے کہا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ شیخی ولاف زنی عقلاً و شرعاً ممنوع ہے۔ اپنے ہمسروں کی لغزشیں اور طرف مقابل کے عیب ڈھونڈتا رہتا ہے۔ بر سر مجالس انکا اعلان کرتا ہے۔ اگر کوئی طرف مقابل کی صورت میں عیب ہوتا ہے تو ظاہر کرتا ہے۔ اگر پھکڑباز ہے تو کھلا کھلی اور علانیہ اُس کے عیب جتانے سے باز نہیں رہتا۔ وہ اپنے ہمسروں اور فضل کے شریکوں سے ایسی عداوت رکھتا ہے جیسے دو سوکنوں میں ہوتی ہے۔ جیسے ایک سوکن دوسری کو دیکھکر کانپ اُٹھتی ہے اور زرد پڑجاتی ہے۔ اسی طرح مناظرہ کرنے والا جب دوسرے کو دیکھتا ہے اُس کا رنگ بدل جاتا ہے اور فکر میں پریشان ہوجاتا ہے۔ گویا بھوت سامنے آگیا یا کوئی درندہ مقابل ہوگیا۔ غرض ان قوموں میں وہ محبت قلبی کہاں جو اپنے ہمسر علماؤں میں ہونی چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور رنج و راحت میں شریک ہوں۔ اہل فضل و عقل میں علم ایک قرابت قریبہ ہوتی ہے وہ ان میں نہیں ہوتی بلکہ علم ان کا عداوت قلبی کا سبب ہوتا ہے۔ بعض مناظرہ کرنے والے منافقانہ طرف ثانی یا ان کے دوستوں اور پیرؤوں سے ملتے ہیں۔ ناچار زبان سے ان کی دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور شوق جتاتے ہیں اور اُن کے رتبے کے قائل ہوتے ہیں حالانکہ کہنے والا اور مخاطب اور جو کوئی غیر اُن کی باتیں سُنتا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ اور مکر اور نفاق اور بدکاری ہے کہ ظاہر میں زبان سے دوست ہیں اور دل سے دشمن۔ سب سے بڑی بات اُس کو یہ معلوم ہوتی ہے کہ طرف ثانی کی زبان سے امر حق ظاہر ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو جتنا اس سے ہوسکتا ہے اُس کی دفع کے لئے ہر طرح مکر و فریب و حیلہ کرتا ہے۔ پھر امر حق میں جھگڑا کرنا اُس کی جبلّی عادت ہوجاتی ہے جس وقت کوئی کلام اُس کے کان میں پڑتا ہے اس وقت سے طبیعت کو اعتراض کرنے پر مستعد کرتا

بعض دفعہ توسب بُرائیوں کا مجموعہ اس مناظرہ میں ظہور میں آتا ہے کہ ہشت مُشت۔ دھول دھپّے۔ لات مُکّے۔ کپڑے پھاڑنے۔ ڈاڑھی پکڑنے۔ ماں باپ استادوں کو بُرا کہنے اور مغلظہ گالیاں دینے کی نوبت پہونچتی ہے۔ اس طرح کے لوگ زمرہ انسانیت سے خارج ہیں جو لوگ عاقل و بزرگ ہیں اُن میں یہ عیب نہیں ہوتے۔ علاوہ ان بدعادتوں کے جو اصل ہوتی ہیں اُن کی یہ فروع اور نکلتی ہیں کہ ناک بھوں چڑھانی۔ گردن کی رگیں پھلانی۔ منہ سے جھاگ اُڑنے غصّے ہونا۔ دشمنی و طمع جاہ و مال کی طلب کی محبت۔ اپنے غلبہ اور مباہات سے خوش ہونا۔ اترانا۔ تونگروں اور حکام کی تعظیم۔ اُن کے پاس آنا جانا۔ ظاہری آرایش کا ساز و سامان بہم پہنچانا۔ اور فخر و تکبر سے لوگوں کو حقیر جاننا۔ بیفائدہ امور میں خوض کرنا۔ کلام بہت کرنا۔ عبارت مقفّیٰ و مسجّع بولنا۔ نادر باتوں کا یاد کرنا۔ غرض وہ باتیں کرنی جو امر حق کے لئے کچھ بکار آمد نہ ہو فقط ان کی نمود کی تائید کریں +

(۲) جو اہل دین و یقین ہیں وہ مناظرات و مباحثات علمی میں تحقیق حق اور حل مشکلات کے سوا کسی اور بات کو منظور نہیں رکھتے۔ تاکہ اس سے ان کو ثواب و فضیلت حاصل ہو اور یہ بات بغیر اس صورت کے نہیں حاصل ہوسکتی کہ یارانہ کے طور پر آپس میں بیٹھیں دوستانہ آپس میں ایک دوسرے کی گلستان دانش سے افادات کے پھول چُنیں شور و شر کو اپنی مجلس سے دور کریں۔ سینہ صاف ہو کر آپس میں اتفاق کریں۔ خاطر پاک کو طرفین شگفتگی اور خوش مزاجی سے خوش کریں۔ تحقیق کی بادہ بے دُرد کو شیشۂ اندیشہ سے حسن بیان کے قدح میں ڈال کر باہم نوش فرمائیں۔ جن سوالات سے غرض ہو اُن کے جواب دیں اور جو اعراض فتنہ انگیز ہوں اُن کو برطرف کریں۔ دونو ملکر شمع فکر کا فتیلہ سلائی توفیق کے روغن سے اور نور بصیرت کے شعلہ سے چراغ پر ضیاء اس ظلمت میں روشن کریں جس میں وہ گم ہو رہے ہیں۔ مگر یہ کام آزاد دلوں کا ہے کہ اپنی خودی اور انانیت سے ہاتھ اُٹھائیں دین کے پانے کے واسطے چراغ یقین روشن کریں متاع نجات کے خریدنے کے لئے سرمایۂ دانش جمع کریں اپنے تئیں

سوختہ بناکر سخن حق کی جو آتش بطلان سوز ہے اُس تک ہو بجنیں ایسے آدمی بہت کم یاب ہیں جن میں یہ صفت خدا پسند پائی جائے۔ اکثر آدمی ایسے ہیں کہ کتب علم سے علم مباہات بلند کرنا اور کوس فضیلت بجانا ان کا مقصد اعظم ہوتا ہے۔ علم و فضل کی تحصیل سے یہ منظور ہوتا ہے کہ شہروں میں شہرہ ہو اور زمانہ میں یکتا و یگانہ مشہور ہوں۔ ایسے تو مبتدی اپنے تئیں منتہی سمجھتے ہیں۔ اوروں کو اپنے آگے ہیچ جانتے ہیں۔ سوا خود بینی کے اُن کی آنکھیں کچھ اور دیکھتی نہیں۔ تیغ زبان ان کے سوا اپنے ہمچشموں پر غلبہ حاصل کرنے کے اور کچھ نہیں کرتی۔ جب کوئی ان کے قول کو رد کرتا ہے تو اپنی جگہ سے اُچھل پڑتے ہیں۔ پہلے دونوں میں کچھ باتیں ہوتی ہیں۔ پھر دونو آپس میں جت جاتے ہیں۔ امر متنازعہ فیہ کو چھوڑ کر نرم نرم باتوں سے درشت کلامی ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مجلس علم جوتی پیزار کے کارزار کا میدان ہو جاتا ہے اور طعن و تشنیع کے تیر چلنے لگتے ہیں اور لعنت ملامت کے نیزے ایک دوسرے کو خاک ذلت پر گراتے ہیں کبھی تلواروں سے چہرے بھی سرخ ہو جاتے ہیں۔ بعض متعصب و حماقت کیش طرفین کی طرفداری کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دست یازی و زبان درازی اُن میں ہونے لگتی ہے۔ خاص و عام دور سے اُن کا تماشا دیکھتے ہیں۔ اُن کے اطوار ناہنجار پر تعجب کرتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ پس جہاں یہ نفسانیت کا تلاطم ہو وہاں گوہر حق کب مل سکتا ہے ؎

در بحث علم تند خوئی چہ کنی + جنگ و جدل و درشت گوئی چہ کنی
این مجلس درس است نہ میدان قتال + این حق جوئی است جنگ جوئی چہ کنی

(۱) راگ و رقص و سماع و وجد

بہ از روئے زیباست آواز خوش + کہ این حظ نفس ست آن قوت روح

انسان کے پانچ حواس ہیں اور ایک عقل ہے۔ ہر حاسہ کا ایک ادراک ہے اور جو چیزیں ان سے مدرک ہوتی ہیں ان میں سے بعض تو اُس کو اچھی معلوم ہوتی ہیں بعض بری۔ مثلاً قوت باصرہ

حاسہ کو سبزہ اور آب رواں اور خوبصورت صورتوں اور رنگوں کے دیکھنے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ بُری صورتوں اور رنگوں کے دیکھنے سے نفرت۔ قوت شامہ کے حاسہ کو خوشبوؤں سے لذت اور بدبوؤں سے نفرت ہوتی ہے قوت ذائقہ کو لذیذ۔ روغنی۔ شیریں کھٹی چٹپٹی چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ تلخ۔ بدمزہ۔ کسیلی۔ پھیکی۔ بُری معلوم ہوتی ہیں۔ حاسۂ لمس کو نرمی چکناہٹ۔ ہمواری اچھی لگتی ہے۔ ناہمواری درشتی بُری معلوم ہوتی ہیں۔ عقل کو علم و معرفت سے لذت ہے اور جہالت و بلادت سے نفرت پس یہی حال حاسہ سمع کا ہے کہ بعض آوازیں اُس کو لذیذ معلوم ہوتی ہیں جیسے بلبلوں کے چہچہے۔ عمدہ باجوں کی آوازیں۔ بعض آوازیں کریہہ معلوم ہوتی ہیں جیسے گدھے کی آواز۔ اب خوش آوازی کے ساتھ موزونی بھی ہو۔ اس موزونی آواز کے تین مخارج ہیں ایک یہ وہ جمادات سے نکلیں جیسے تاروں کی آواز۔ بانسری کی آوازیں۔ آلات کی گتیں ڈھولک کی آواز۔ دوسرے وہ کہ انسان کے گلے سے نکلیں تیسرے وہ کہ حیوان کے گلے سے نکلیں جیسے بلبل جو سبزہ و گل پر نغمہ سرائی کرتے ہیں۔ اور قمری سرو پر زمزمہ ساز۔ فاختہ چنبر وفا گلے میں ڈالے ہوئے نواسنجی کرتی ہے۔ اور ایسی ہی خوش الحان و نغمہ خوان جانوروں کی آوازیں کہ اچھی لگتی ہیں اور موزوں بھی اُن کا آغاز و انجام متناسب ہوتا ہے اور اسی سبب سے اُن کا سننا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آوازوں میں اصلی حیوانات کے گلے ہیں کہ مزامیر کو انھیں کے مشابہ بنا لیا ہے تاکہ خلقت کے مطابق صنعت ہو جائے۔ جتنی چیزیں کہ کاریگروں نے ایجاد کی ہیں کوئی ایسی نہیں جسکی مثال خدا تعالیٰ کی مخلوق میں نہ ہو۔ اول مبداء فیاض نے اس کو اختراع فرمایا۔ پھر اُس سے کاریگروں نے سیکھ کر خالق کا اقتدا کیا۔

اس آواز موزوں کا نام راگ ہے جسکو غذاء روح کہتے ہیں۔ جیسے لوہے اور پتھر میں آگ مخفی رہتی ہے یا جیسے کہ پانی کے نیچے زمین چھپی رہتی ہے اسی طرح دلوں کے

اور باطن کے جواہر اور اسرار ان میں پوشیدہ ہیں اور اُن کے اظہار کی تدبیر راگ سے بہتر کوئی نہیں دلوں کی طرف راستہ بجز کان کے معدوم ہے۔ لذیذ و موزوں نغمات کوئی چیز دل میں نہیں پیدا کرتے بلکہ جو دل میں پہلے سے بھرا ہوتا ہے اُس کو ابھارتے ہیں۔ دل کا حال برتن کا سا ہے جب چھلکاؤ گے تو وہی نکلے گا جو اُس میں بھرا ہے۔ اس طرح راگ بھی دلوں کے حق میں سچی کسوٹی ہے جب اس سے دلوں کو حرکت ہوگی تو اُن سے وہی باتیں ظاہر ہونگی جو اُنپر غالب ہیں۔ خدا تعالیٰ نے موزوں نغموں اور روحوں کے درمیان مناسبت رکھی ہے۔ وہ ارواح میں عجیب تاثیر کرتی ہیں بعض نغمات سے سرور ہوتا ہے بعض سے غم کسی سے نیند آتی ہے کسی سے ہنسی۔ کسی میں یہ اثر ہے کہ اپنی موزونیت سے حرکتیں ہاتھ اور پاؤں اور سر وغیرہ میں پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بات اُسپر موقوف نہیں کہ جو چیز گائی جائے وہ سمجھ میں آجائے بچوں کو دیکھو لوکہ خوش آوازی سے لوری سن کر رونا چھوڑ دیتے ہیں اور جھپکے سے سو رہتے ہیں۔ اونٹ باوجود غبی ہونے کے حدی سے ایسا اثر پاتا ہے کہ بھاری بھاری بوجھ اُس کے سبب سے ہلکے ہو جاتے ہیں اور شدت نشاط میں بڑی مسافت کو تھوڑا سمجھتا ہے۔ اور حدی کا نشہ اُسکو ایسا مست کرتا ہے کہ جب بیابانوں میں جب بوجھ اور محمل سے تھکتا ہے تو جہاں آواز حدی کی سنتا ہے اُسکی طرف گردن بڑھاتا ہے اور اُسکی طرف کان لگاتا ہے اور جلد چلتا ہے۔ اُس سے معلوم ہوا کہ راگ کی تاثیر دلوں میں محسوس ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے دل کو اس راگ سے حرکت نہ ہو وہ ناقص ہے اور اعتدال سے ہٹا ہوا ہے۔ اور روحانیت سے دور اور اونٹوں اور پرندوں و بہائم سے کثیف تر ہے اسلئے کہ موزوں نغموں سے سب کو اثر ہوتا ہے شیخ سعدی یہ فرماتے ہیں

شعر
اشتر بشعر عرب در حالت است و طرب — گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانوری

غرض کلمات مقفیٰ اور موزوں کا گانا پانچ موقعوں پر خاص غرضوں کے لئے دستور ہو گیا ہے جنسے دل پر اثر ہوا کرتا ہے اول عبادت میں جیسا کہ مندروں اور گرجاؤں میں

دیکھتے ہو اکثر بھجن اور ایسے مضامین گائے جاتے ہیں کہ جس سے خدا کی محبت کا شوق دل میں زیادہ ہوتا ہے۔ باجوں کی آواز دل پر اون الفاظ کی تاثیر کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔ غرض یہ راگ ہی بعض آدمیوں کو شوق عبادت دلاتا ہے اور مندروں اور گرجاؤں میں لے جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر وہ لوگ بھی نہ جائیں۔ دوم میدان جنگ میں سپاہیوں کو شجاعت پر آمادہ کرتا ہے۔ دلیری پر اقدام۔ خوش آوازی دل میں جوش جوانی بھی پیدا کرتی اور لڑنے میں سرور پیدا کرتی ہے۔ سوم غم کرنے کے لئے نوحہ کی آواز جیسے محرم میں مرثئے سنتے ہو کہ مرثیہ خوانوں کی خوش آوازی اور مرثیوں کے مضامین کی غم انگیزی کیسا مجالس عزا میں آدمیوں کو رولاتے اور تڑپاتے ہیں۔ چہارم خوشی کے اوقات میں سرور کی تاکید کے لئے جیسے تم شادی بیاہوں میں دیکھتے ہو کہ ناچ گانے سے بہت سرور و نشاط زیادہ ہو جاتا ہے۔ یاران جلسہ جب جمع ہوتے ہیں اور اس میں گانا ہوتا ہے تو دل کو بہت سرور ہوتا ہے اور صحبت کا لطف زیادہ ہو جاتا ہے۔ پنجم عرسوں اور صوفیوں کی مجلسوں میں جس سے عاشقان الٰہی کا شوق دوبالا ہوتا ہے اور اُن کا نفس تسکین پاتا ہے اُن کے عشق و طبیعت کو پختہ کرتا ہے اور اُن کے دل پر کام حقیقات کا کرتا ہے کہ اُن کی آتش شوق مشتعل ہوتی ہے۔ اور اس سے ایک حالت اُن کے دل میں پیدا ہوتی ہے جس سے وہ بے خود ہو کر وجد کرنے لگتے ہیں۔ غرض روحیں نغمات کے مسخر ہیں اور اُن کے اثر سے شوق۔ خوشی۔ غم۔ انبساط۔ انقباض کی کیفیتیں لوں میں پیدا ہوتی ہیں راگ میں فی نفسہ کوئی بُرائی نہیں مگر بعض عوارض ایسے ہیں کہ جن سے دل پر اس رقص و سرود کے سبب بُرے اثر پیدا ہوتے ہیں اُس کے گانے والی عورتیں بدکار ہوتی ہیں کہ اُن کی خوش آوازی اور خوبصورتی پھر اُس کے ساتھ ادا و انداز عشق بہیمی کا متحرک ہوتا ہے۔ اُس عشق سے طلب وصال مراد ہوتی ہے جس کے معنی اجسام ظاہری کے ملنے کے ہیں پس ایسے راگ سنے اجتناب چاہئے۔ دوم جو

چیزیں گائی جاتی ہیں اُن میں فحش وبیہودگی وہجو اور جھوٹ ہوتا ہے جیسے کہ ہزاروں غزلیں اور گیت ہوتے ہیں اشعار میں عورتوں کے اعضا وخط وخال وچشم وگوش و رخسار و قد وسراپا کی تعریفیں ہوتی ہیں سُننے والے اُن اوصاف کو طرح طرح سے اپنے خیال کے موافق ڈھال لیتے ہیں۔ کوئی لفظ ایسا نہیں جس کو استعارہ کے طور پر بہت سے معانی پر نہ ڈھال سکیں مثلاً دل جس پر عشق الٰہی غالب ہوگا وہ تو زلفوں کی سیاہی سے کُفر کی تاریکی خیال کرتا ہے۔ سفیدی وتازگی رخسار سے نور ایمانی اور وصال کے ذکر سے دیدار الٰہی اور فراق کے مضمون سے اُس کی جناب سے مردود ہونا وصال میں رقیب کے مخل ہونے سے دُنیا کے عوائق وآفات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصال دائمی میں خلل انداز ہوتے ہیں سمجھتے ہیں ایسے معانی ڈھالنے میں اُن کو فکر وتامل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جو باتیں کہ اونکے دل پر غالب ہوتی ہیں وہ جھٹ پٹ سمجھ میں آجاتی ہیں۔ سوم یہ کہ سُننے والے میں خرابی ہو یعنی شہوت غالب ہو اور جوانی کی عین بہار راگ کے سُننے لیے اُس کے دل میں ایک شخص معیّن کی محبت غالب ہو جاسے کی جب وہ وصف زلف ورخسار کا اور فراق ووصال کا بیان سُنے گا تو اُس کی شہوت جنبش کرے گی اور اُن الفاظ کو کسی معیّن صورت پر ڈھالے گا جس سے ایک آگ اُس کے اندر سُلگ جائیگی جو اُسکو شر میں ڈالے گی۔ ایسے راگوں سے آدمی کو چاہیئے کہ وہ اجتناب کرے جو اُس کو انسان سے حیوان بنادے اور اُنکی ہوائے نفسانی کے ہتیاروں کو تیز کردے جب راگ سے لذّت اور یہ لہو ولعب مقصود ہو جس سے دل کو آرام ملتا ہے۔ اور رنج کا علاج کرکے راحت پہونچاتا ہے تو اُس میں تھوڑا سا مصروف رہنا چاہیئے باقی اوقات میں دین دنیا کے کاموں میں جد وجہد کرنی چاہیئے بہت سی محنت میں تھوڑا سا کہیل ایسا ہوگا جیسا کہ رخسار پر تل ہر چند کہ کالا ہوتا ہے مگر اچھا معلوم ہوتا ہے مگر گالوں پر بالکل تل ہوں کہ تل رکھنے کی جگہہ نہ ملے تو گال نہایت بدصورت ہوجائینگے اور جو چیز کہ حسانت

لگی تھی وہی کثرت کے سبب سے کراہیت کی ہو جائے گی تھوڑی چیز جو اچھی ہو یہ ضرور نہیں کہ وہ بہت ہو کر بھی اچھی ہو بلکہ وہ کثرت کے باعث کراہیت اور حرمت کو پہنچ جاتی ہے۔ روٹی اچھی ہے اگر بہت کھاؤ دیکھو کیا نوبت پہنچتی ہی۔ غرض راگ تھوڑا سا سُننا انسان کو راحت اور آرام پہنچاتا ہے مگر اسمیں عادت کی کثرت قباحت لاتی ہی جو ہم نے راگ کا بیان کیا وہی ناچ کا حال ہے۔ راگ آواز موزوں کا نام ہے۔ ناچ اعضا کی حرکات موزوں کا نام ہے۔ اب اس ناچ اور راگ کے سمجھنے والوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں ایک سننے والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بجز نغمات اور الحان کی لذت کے اور کچھ سماع کی کیفیت نہیں جانتے یہ سمجھنا تو ایسا ہی جیسے اونٹ سمجھتا ہی جس کا ذکر پہلے کر آئے ہیں دوسرے سُننے والے ایسے ہوتے ہیں کہ سمجھ کے ساتھ سُنتے ہیں مگر مضمون کو کسی مخلوق معین یا غیر معین پر ڈھالتے جاتے ہیں یہ سُننا جوانوں اور شہوت پرستوں کا ہی کہ جو کچھ سُنتے ہیں اُس کے موافق اپنی شہوتوں و مقتضاء احوال کی ڈھال لیتے ہیں تیسرے ایسے ہیں کہ جو کچھ سُنیں اُسکو اپنے حال پر ڈھالیں یعنی خدا تعالیٰ کے معاملات میں جیسے عتاب و خطاب کا ذکر سُنیں۔ یا قبول اور رد کا یا وصل و ہجر کا۔ یا قرب و بعد کا یا فوت شدہ چیز کا افسوس یا مشتاق کا اشتیاق یا کسی آنے والے کا شوق یا طمع و خوف یا دل کے گھبرا کے دیکھنے کا یا ایفاء وعدہ عہد شکنی کا یا خوف فراق و سرور وصال کا یا زیارت حبیب و فرقت رقیب کا یا اشک فشانی و تواتر سرگرانی کا یا طول فراق و وعدہ وصال یا کسی اور بات کا ذکر سُنتا ہے جو اکثر گانے کے مضامین میں ہوتے ہیں تو اُنکا سُننا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ چقماق کی آگ کا پیدا ہونا۔ کہ فوراً دل کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور شوق کا غلبہ ہوتا ہے۔ الفاظ کے معنی وہ نہیں لگاتے ہیں جو مصنف کی مراد ہوتے ہیں بلکہ وہ موافق اپنے فہم کے لگا لیتے ہیں اور قاعدہ ہی کہ ہر کلام کئی صورتوں پر محمول ہو سکتا ہے۔ اس سے ایک حالت اُن کے دل میں پیدا ہوتی ہی جس سے وہ وجد میں آجاتے ہیں اور حرکات بے خودانہ دیوانہ وار

کرنے لگتے ہیں سماع کے ثمرہ کا نام وجد ہے۔ یعنی ایک نئی حالت راگ سُننے کی بعد سننے والا اپنے نفس کے اندر شوق۔ خوف۔ حزن۔ قلق۔ سرور۔ افسوس۔ ندامت۔ بسط۔ قبض میں سے کوئی پاتا ہے۔ اہل احوال کو سماع جوش میں لاتا ہے۔ یا قوی کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر راگ اچھی طرح سُنا جائے تو اس سے تنبیہ ہوگی حالت بدلے گی۔ دل کی صفائی ہوگی۔ اس میں تقویت آئے گی۔ نیکی کی حالت میں پختگی آئے گی۔ کند فہم میں کندی ہوگی تو تیزی آئے گی طبیعت میں جو کدورت ہوگی وہ صاف ہو جائے گی نفس میں ایک جولانی آجائے گی۔ غرض سماع دل کو عالم روحانی کی طرف رہنما ہے۔ مگر بشرطیکہ سماع کے آداب ملحوظ خاطر رہیں کہ وقت۔ یاران جلسہ۔ مقام۔ سماع کی طرف توجہ تام۔ سماع کا ذوق ہو۔ غرض جن لوگوں پر دنیا کی شہوت غالب ہو جنکی بری صفات کا اُبھار سماع سے نہ ہو۔ اُن کے واسطے سماع ایک نہایت لذّت کی چیز ہے۔ جیسے قوت متفکرہ علم کی رہنما ہے ایسے ہی سماع روح کا رہنما ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں سماع سے اُن کے دل میں شوق الہی کے سلسلہ جنبانی ہوتی ہے اور تمام صفات محمود کی تحریک۔

(۲) بیاہ اور شادی کی رسموں میں رواج ہے کہ ناچ رنگ ہوتا ہے جو مسلمان شرع کے پابند ہیں وہ اس رقص و سرود سے احتراز کرتے ہیں اور اپنے ہاں شادیوں میں وہ ناچ نہیں کراتے۔ نوجوان رنگین طبع جب ان میں شریک ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اگر یہاں چھنے ہوتے تو ان پر کلمہ پڑھ کر دل بہلاتے۔ اور اس کو پھولوں کی مجلس کہتے۔ اگر ناچ رنگ ہوتا تو شادی کی محفل کہتے یہ اب حیران ہیں کہ اس مجلس کو کیا کہیں ان شادیوں میں فاحشہ عورتیں ناچنے کے لیے بلائی جاتی ہیں جنکی وجہ معاش بھی ناچ رنگ ہوتا ہے۔ وہ زیور و لباس سے آراستہ ہوتی ہیں طرح طرح کے ناز کرشمے اور دل ربایانہ حرکتیں اس لئے کرتی ہیں کہ مرد اُن پر فریفتہ ہوں اور صبر و شکیب ان کا غارت ہو۔ نوجوان ناچ دیکھ کر گا نا سُن کر فرحت مسرت کے نشہ میں مخمور اور چور ایسے ہوتے ہیں کہ پھر وہ از خود رفتہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص تمام عشق بازوں کا

رجسٹر بنائے اور خانہ کیفیت میں سبب عشق بازی کا تحریر کرے تو سو میں نوّے ایسے ہونگے کہ جن کو یہ مرض عشق شادیوں کے رقص و سرود سے لگا ہوگا۔ جب ایک عورت نوعمر کسی جوان مرد کے روبرد آواز نرم و دلکش سے عاشقانہ شعر گائے۔ اور اپنی صورت کو زیور اور لباس سے زینت دے۔ اور حرکات دلکش کرے تو مشکل ہے کہ مرد کا دل از خود رفتہ نہ ہو اور جب نوجوان یہ جانتا ہو کہ اس عورت کا پیشہ فحش و زنا ہے تو طبیعت کا تھامنا مشکل ہے یہاں ایسے رقص و سرود سے ہزاروں آدمیوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ امرا اور سلاطین نے تو اس شغل میں اپنی ریاستیں اور سلطنتیں برباد کر دیں۔ واجد علی شاہ کو دیکھو کہ کیا سلطنت کو ایسے کاموں میں نام پیدا کر کے کھویا ہے۔ غرض ایسا ناچ دیکھنا مرد کے لئے بڑی بے شرمی اور بے حیائی ہے +

باب پنجم محبت و عشق

(۱) محبت و شوق

افراد انسان کا اجتماع و تالیف بے محبت والفت کے صورت پذیر نہیں ہوتا۔ تمدن انسانی کا قوام محبت سے ہی۔ کوئی انسان محبت سے خالی نہیں ہوتا۔ اب یہ محبت کئی نوع کی ہے ایک طبیعی جیسے کہ اولاد اور ماں باپوں کی۔ دوم اتفاقی جیسے کہ ہمسایہ میں رہنے سے مدرسہ و مکتب میں ساتھ پڑھنے سے۔ یا بازار میں یکجا ہونے سے۔ یا ایک جگہہ نوکر ہونے سے یا سفر میں رفیق ہونے سے۔ سوم ارادی کہ وہ بقصد و اختیار پیدا کی جائے۔ محبت صحبت و معرفت سے پیدا ہوتی ہے صحبت کے معنی ہیں پاس بیٹھنا اور ملنا جلنا۔ معرفت کے معنی جاننا پہچاننا۔ محبت الفت انسان دوسرے سے جب ہی کرتا ہے کہ اُس کو محبوب جانتا ہی۔ کیونکہ غیر محبوب سے تو انسان اجتناب اور دوری کیا کرتا ہے۔ اور اس سے اختلاط نہیں چاہتا ہے۔ جس چیز کے ادراک سے کسی قسم کی لذت حاصل ہو وہ چیز دل کو محبوب ہوگی اور جس سے کچھ ایذا ہو وہ دل کو مبغوض ہوگی

پس محبوب کے معنی یہ ہیں کہ طبیعت کو اس کی جانب رغبت ہو اور مبغوض کے معنی یہ کہ طبیعت کو اس سے نفرت ہو۔ اگر طبیعت کی رغبت بڑھ جائے تو اُس کو عشق کہیں گے۔ اور اگر نفرت بڑھ جائے تو اُس کو عداوت کہیں گے۔ اب محبت کے اسباب کا حال سنو۔ آدمی جس سے محبت رکھتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں ہوتی۔ یا صرف اُس کی ذات سے محبت ہے کوئی اور مقصود اور محبوب چیز نہیں جس کا ذریعہ اُس کی محبت کو کہا جائے یا اس لئے محبت کرتا ہے کہ اوس کے ذریعہ سے دوسرا مقصود حاصل ہو۔ پھر یہ مقصود تین صورت سے خالی نہیں اوّل فقط متعلق منافع دنیوی دوم متعلق منافع آخرت۔ سوم متعلق باللہ تعالےٰ

(۲) اسباب محبت

محبت جن سببوں سے پیدا ہوتی ہے

پہلا سبب حواس خمسہ بعض چیزوں کے ادراک سے ایک قسم کی لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ سبب اس لذت کے طبیعت کو اس طرف رغبت ہوتی ہے اور یہی رغبت طبع سلیم میں محبت پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً آنکھ کو اچھی صورتوں اور پاکیزہ شکلوں کے دیکھنے سے ایک قسم کی لذت ملتی ہے۔ کانوں کو اچھی آوازوں راگوں کے سننے سے فرحت ہوتی ہے۔ قوت شامہ کو اچھی خوشبوؤں کے سونگھنے سے ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ قوت ذائقہ اچھے کھانوں سے التذاذ اور قوت لامسہ کو نرم اور نازک چیزوں کے چھونے سے احتظاظ ہوتا ہے۔ پس جب ان حواس کو ان چیزوں کے ادراک سے لذت ملتی ہے تو طبیعت کو لامحالہ ان کی جانب میل اور رغبت ہوتی ہے۔ اور ایک چھٹا حواس جو دل کا کمرہ ہے وہ محظوظ ہوتا ہے اور اس میں محبت پیدا ہوتی ہے

دوسرا سبب انسان اپنی ذات کا بالطبع عاشق ہے وہ اپنی بقا چاہتا ہے۔ موت سے ڈرتا ہے اس لئے اوّل وہ اپنی صحت سے محبت رکھتا ہے پھر اپنے مال اور اولاد اور دوست آشنا کو چاہتا ہے اسلئے وہ جانتا ہے کہ ان کی بقا میں میری ذات کی بقا ہے۔ انہی سے اس کا نام باقی رہے گا اور جس قدر مال اور دولت کنبہ قبیلہ زیادہ ہوگا اتنی ہی اُس کی ذات کی شہرت

د عزت ہوگی۔ درحقیقت ان چیزوں کی محبت اپنی ذات کی محبت ہے۔

تیسرا سبب آدمی اُس کو چاہتا ہے جسنے اسکے ساتھ احسان کیا ہو اور اُس کو فائدہ پہنچایا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کو دولت عطا کرے۔ اُسکی حاجت برلاوے۔ اُس کی اعانت کرے۔ اس سے شیریں کلامی سے پیش آئے۔ اُس کا معین و مددگار رہے۔ اُس کو اعدا کے شر سے بچائے۔ اُس کے مقاصد کیلئے اسباب فراہم کردے۔ اُس کی خواہشیں پوری کردے۔ اُس کے عزیز و اقارب و خویش و حزم کر سے تو ایسا شخص ضرور محبوب ہوجائے گا اور آدمی ایسے محسن کو دل سے چاہنے لگے گا۔ اگر یہ محبت بھی حقیقت میں اپنی ذات سے محبت کرتی ہے۔ مثلاً کوئی طبیب اس کا علاج کرکے تندرست کردے تو اس صحت کے سبب سے جو محبت طبیب سے ہوگی وہ اپنی ذات کے ساتھ محبت ہے۔

چوتھا سبب آدمی کسی سے محبت رکھے نہ بسبب اس کی ذات کے نہ بہ نظر کسی فائدہ کے انسان کی طبیعت وجبلت میں داخل ہے کہ جس کسی کو نیک اور اچھا جانتا ہے خواہ مخواہ اُس کی محبت دل میں ہوجاتی ہے گو اُس سے خاص اس آدمی کو فائدہ نہ پہونچے۔ مثلاً کسی آدمی کو معلوم ہو کہ فلاں بادشاہ بڑا عادل اور غریب پرور اور رعیت نواز یا عابد شب زندہ دار سخی کریم حلیم متواضع ہے گو وہ ایسی جگہہ رہتا ہو کہ جہاں سننے والا کبھی پہونچ نہ سکے تو بھی اس سے دل میں محبت ہوجائے گی۔ یہی سبب ہے کہ انسان بزرگان دین سے ایسی محبت رکھتا ہے کہ مال و متاع ان پر قربان کردیتا ہے۔ اور اُن کے نام پر اپنی جان فدا کرتا ہے۔

پانچواں سبب حسن و جمال کے سبب سے محبت ہوتی ہے۔ حسن و جمال کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کا جو کمال ہے وہ اس میں کامل ہو۔ جو چیز کمال میں کامل ہوگی وہی جمال میں کامل کہلاوے گی۔ مثلاً انسان اچھا وہی ہے جس کے اعضا میں تناسب ہے جس کا رنگ سرخ سفید ہو۔ جس کا قد و قامت معتدل ہو۔ خط اچھا وہی ہے جسکے حرف باقاعدہ درست ہوں۔ غرض ہر چیز کا حسن و جمال علیحدہ علیحدہ ہے وہ شکل و صورت ہی پر منحصر نہیں بلکہ

ان چیزوں پر بھی اطلاق حسن کا ہوتا ہے جو حواس خمسہ کے ادراک سے خارج ہیں مثلاً اخلاق نیک وہ جس انسان میں ہونگے وہ جب حسن خلق کہلائے گا۔ اسی واسطے جس طرح کہ حسن صورت کا صورت کے کمال پر اطلاق ہوتا ہے حُسن سیرت کا سیرت کے کمال پر اطلاق ہوتا ہے بلکہ حُسن صورت باعث اس قدر محبت کا نہیں ہوتا جسقدر کہ حسن سیرت باعث محبت ہوتا ہے۔ انسان کی جبلّت میں حُسن وجمال کی محبت داخل ہے۔ جمال ظاہری کو وہ آنکھ سے دیکھتا ہے باطنی جمال دل کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس جمال باطنی دیکھنے کے لئے اہل دل ہونا ضرور ہے جس آنکھ سے جو جمال نظر آتا ہے وہ آنکھ کو مرغوب ہوتا ہے۔ جمال باطنی دل کی آنکھ سے دکھلائی دیتا ہے اسلئے دل کو محبوب ہے مثلاً۔ انبیا۔ اولیا۔ علما سے جو محبت ہوتی ہے وہ اُن کی صورت شکل کے باعث نہیں ہوتی بلکہ ان کے جمال باطنی کے سبب سے ہوتی ہے۔ جو تنگنائے محسوسات میں گھرے ہوئے ہیں وہ حسن وجمال کے معنی یہی جانتے ہیں کہ صورت شکل پاکیزہ ہو وہ حسن باطنی کے دیکھنے میں اندھے ہیں غرض حسن کی طرف انسان کو میلان طبعی ہے گو اس میں شہوت رانی مقصود نہ ہو۔ اچھی صورتیں بذات خود لذت بخش ہوتی ہیں جیسے کہ سبزہ زار گلزار۔ دریا۔ نہر۔ عمارات لطیفہ آنکھ کو ان کے دیکھنے سے لذت ہوتی ہے۔ اور کوئی غرض بدان کے درمیان نہیں۔

چھٹا سبب محبت کا مشابہت ومشاکلت ہے۔ مناسبت اور مشابہت کو باہم میل ہونے میں بڑا دخل ہے۔ لڑکا لڑکے سے بڈھا بڈھے سے جانور اپنی نوع کے جانوروں سے اسی سبب سے الفت کرتے ہیں کیا خوب یہ شعر مشہور ہے ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز ✣ کبوتر با کبوتر باز با باز

کبھی یہ مناسبت ومشابہت ظاہری ہوتی ہے جیسے کہ لڑکا لڑکے سے لڑکائی اور ہم عمری کے باعث سے محبت کرتا ہے کبھی غیر ظاہری جیسا کہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ دو شخصوں میں باہم خود بخود محبت ہوجاتی ہے بلاملاحظہ خیال اور بغیر مطالبہ مال یا کسی اور فائدہ کے ان میں مناسبت

باطنی اور مشابہت معنوی ہوتی ہے۔ جوان دونوں میں الفت اور موافقت کا سبب ہوتی ہے مگر یہ باطنی مشابہتیں پوشیدہ ہوتی ہیں پس آدمیوں میں دو کا اتفاق جب ہی ہوگا کہ ایک میں دوسرے کا وصف پایا جائے۔ جیسے کہ دو قسم کے پرند کبھی متفق نہیں ہوتے اور بدون مناسبت ان کی پرواز ایک ساتھ نہیں ہوتی۔ ایسے ہی آدمیوں کو سمجھو۔

(۲۳) محبت الٰہی

ہم نے جو سبب اوپر بیان کئے ہیں وہ سب ذات پاک الٰہی کی محبت میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً انسان اپنی ذات سے محبت رکھتا ہے یہی سبب بڑا سبب ہے کہ اللہ جل شانہ کی محبت رکھنے کا ہو سکتا ہے اسلئے جو شخص اپنی ذات کو پہچانے گا وہ اپنے پروردگار کو جانے گا سمجھے گا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اسی نے زندگی دی ہے۔ عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اسی نے کمال پر پہنچایا ہے۔ اسی نے زندگی بسر کرنے کے سارے اسباب فراہم کئے ہیں پس جو شخص اپنی ہستی اور وجود کو دوست رکھے گا تو کیونکر خدا کو دوست نہ رکھے گا جسکے سبب سے اس کی ہستی ہے سب سے زیادہ دوستی اپنی ذات کی ساتھ یہی ہے کہ خدا کے ساتھ محبت رکھے۔

دوسرا سبب کہ انسان اپنے محسن کو چاہتا ہے کہ اگر آدمی سوچے تو وہ سمجھے گا کہ محسن حقیقی سوائے خدا کے دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اُس کے احسانات کا کچھ ٹھکانا نہیں کوئی محاسب اُن کو شمار نہیں کر سکتا جو ظاہر میں احسان کرتے ہیں وہ محسن مجازی ہیں درحقیقت وہ احسان بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب خدا نے دینے والے پاس خزانہ جمع کیا تو اُس کو دینے کی توفیق ہوئی پس اگر احسان کرنے والے سے محبت رکھنا طبعی ہے تو کوئی سوائے خدا تعالیٰ مستحق محبت نہیں ہے۔ جو اُس سے محبت نہ رکھے وہ جاہل ہیں کہ حقیقی احسان کو محسن مجازی پر ختم کرتے ہیں۔

تیسرا سبب کہ انسان کی طینت میں یہ داخل ہے کہ جس کسی کو نیک اور اچھا جانے تو خواہ نخواہ اس سے دل میں محبت رکھے تو یہ سبب ایسا ہے کہ سوائے اللہ جل شانہ کے جو تمام عالم پر احسان

کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ اسی نے تمام مخلوقات اپنے فضل عمیم سے پیدا کی اور اُن کو جمیع ما یحتاج عنایت کیا کیسی اُن کی شکل بنائی۔ ان کو ضروریات سے فارغ البال کیا۔ پھر نعمتیں گوناگوں عطا کر کے مرفہ الحال کیا۔ ان کی زیب و زینت اور عیش و آرام کی چیزیں دیکر ان کو صاحب شان و شوکت بنایا۔ اس سے بڑھ کر دینے والا اور حاجتیں پوری کرنے والا کون ہوگا کہ بے غرض سب کو دیتا ہے۔ فرش سے عرش تک جس کو دیکھئے وہ سب نمونہ اسی کے احسان کا ہے تو جو ایسا محسن ہو کہ تمام عالم اس کے احسان کے ایک ذرہ کی برابر نہ ہو اور محسن محسن و احسان کا اور احسان کے اسباب کا خالق ہو تو پھر اس سے محبت نہ رکھنا بڑی جہالت ہے ایسے بڑے محسن کا احسان نہ ماننا بڑی کفران نعمت ہے جسکی احسان و سخاوت کی حد نہیں جسقدر آسمان و زمین و چاند و سورج ستارے آب خاک باد آتش ہیں سب اُس کی جود و سخا کے نمونے ہیں۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ حسن و جمال باطنی کے کمال کے سبب سے محبت ہوتی ہے۔ کمال کا انحصار تین باتوں میں ہے اول علم دوم قدرت سوم تنزّہ و تقدس یہ تینوں صفتیں بدرجۂ کمال خدا کی ذات کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتیں +

سب جانتے ہیں کہ کسی کا علم اللہ جل شانہ کے علم تک نہیں پہونچ سکتا اگر تمام اولین اور آخرین کے علوم جمع کئے جائیں تو اُس کے علم کے ذرہ کی بھی برابر نہیں کوئی چیز زمین اور آسمان کے درمیان نہیں جو اس کی نظر سے پوشیدہ ہو۔ اگر تمام زمین آسمان اور اہل زمین جمع ہوں اور ایک چیونٹی یا مچھر کی خلقت کی حکمت کو دریافت کرنا چاہیں تو سویں حصہ کی برابر بھی اُس کی حکمت سے مطلع نہ ہوں۔ پس اگر صفت علم کے سبب سے محبت ہو تو چاہیے کہ سوا اللہ جل شانہ اور کسی سے محبت نہ کی جاے۔ اس لئے کہ سب کا علم بہ نسبت اسکے علم کے جہل ہے۔

قدرت بھی ایک کمال ہے اور ہر ایک کمال و عزت و جلال باعث محبت ہے۔ یہانتک کہ اگر انسان

کسی دوسرے کے کمال کا حال سُنتا ہی تو اُس کو ایک قسم کی لذّت حاصل ہوتی ہے اور اس صاحب کمال سے محبت ہوتی ہی۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت۔ غلبہ۔ جلال۔ عزّت و کمال پر غور کیا جائے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام زمین اور آسمان۔ کواکب۔ پہاڑ۔ دریا۔ ہوا۔ معدنیات۔ نباتات حیوانات۔ انسان سب ہیں کسی کو ان میں سے کچھ قدرت اپنے اوپر نہیں کہ کچھ کر سکیں۔ بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی کہ اسی نے سب کچھ بنایا اور اُن کے اسباب پیدا کئے۔ ان کو اسی نے قدرت اور طاقت دی۔ سب کی باگ اُسی کے ہاتھ میں ہی جس سے جو چاہتا ہی وہ کام لیتا ہی۔ اگر سب کو تباہ کر دے اُس کی مملکت و سلطنت میں ایک ذرہ کم نہ ہو اور اگر مثل اُن کے لاکھا خلقت پیدا کر دے تو ذرا بھی نہ تھکے تیسری صفت تقدس عیبوں اور نقصان سے مبرا ہونا اور بُرائیوں اور خرابیوں سے منزہ ہونا ایسی صفت ہی کہ جو باعث محبّت ہی پس خدا سے زیادہ کسی میں تقدس و تنزّہ نہیں کوئی مخلوق نقص سے خالی نہیں اسلئے کہ وہ عاجز و مخلوق ہیں پس دنیا کا مخلوق ہونا اور دوسرے پر مختار ہونا ان کی صفت تقدس کا عیب ہے کمال تقدس صرف ذات باری کو حاصل ہے پس اس صفت کے سبب سے بھی سوا اللہ تعالیٰ کوئی لائق محبت نہیں +

پانچواں محبت کا سبب مشابہت اور مشاکلت ہی۔ سو بندہ کو اپنے پروردگار سے قرب نزدیکی ان صفات میں حاصل ہے جن میں حکم ہے کہ عادتیں اللہ کی سیکھو۔ آدم کو اللہ نے اپنی صورت پر بنایا غرض یہ سبب بھی ایسا ہی کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنی فرض ہے غرض خدا تعالیٰ جس محبت کا مستحق ہے اُس کا کوئی اور مستحق نہیں سب سے زیادہ اسی کی ذات سے محبت رکھنی چاہئے۔

(۴) انسان کا دل اور محبت الٰہی کی لذّت

انسان کو بہت سی قوتیں دی گئی ہیں اور جو قوتیں اُس کو دی گئی ہیں اُن کا مقتضائے طبع علٰحدہ علٰحدہ ہے اور اُس کو لذّت اسی میں ملتی ہی کہ اُس قوت کا مقتضائے طبع حاصل ہو مثلاً

غضب۔ غصہ ایک قوت ہی کہ اس کی بالطبع خواہش غلبہ ور انتقام ہی پس غلبہ اور انتقام ہی اس کی لذت ہی۔ جب کوئی شخص دشمن سے انتقام لیتا ہی اور اوس پر غلبہ پاتا ہی تو کیا خوشی حاصل ہوتی ہی۔ یا خواہش طعام کی قوت ہی جو غذا حاصل کرنے کے واسطے بنائی گئی ہے۔ پس اس میں اس کی لذت ہی ایسی حال سامعہ باصرہ شامہ کا ہی پس سب قوتوں کی لذت اس کے مقتضاء طبع کے ملنے میں ہے اور رنج اور دُکھ اُس کے نہ ملنے میں اسی طرح پر دل میں ایک قوت ہی جس کا نام عقل ہے اسی کو نور الٰہی کہتے ہیں۔ یہ قوت اسلئے دی گئی ہے کہ اُس کے ذریعہ سے حقائق اشیا دریافت کی جائیں۔ اس قوت کا اقتضاء طبع معرفت اور علم ہے اور یہی اُس کی لذت ہی۔ اور علم خاص ترین صفات ربوبیت سے ہے جب کسی انسان کی تعریف اُس کے علم کے سبب سے کی جاتی ہی کیا لذت اُس کو حاصل ہوتی ہی اور کسقدر وہ خوش ہوتا ہی اور قوت علم بقدر شرف معلوم کے ہی پس کوئی شئی اجل و اعلیٰ و اشرف موجودات میں اس سے زیادہ نہیں ہی کہ جو سب کا پیدا کرنے والا سب کا سنوارنے والا سب کے لئے تدبیر کرنے والا سب کا ترتیب دینے والا ہے پس اس کی ربوبیت کے اسرار پر مطلع ہونا اور اُس کی ترتیب امورات کا جو کہ تمام موجودات کو محیط ہیں علم حاصل ہوتا سب انواع علوم سے بڑھ کر ہی اور سب سے زیادہ اُس میں لذت اور لطف ہی بلکہ جب کوئی شخص اس علم کے مزہ سے واقف ہو جاتا ہی تو اور علموں کو جہل سمجھتا ہے ✣

اس عالم ظاہری میں کوئی لذت حکومت اور ریاست سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جس کے واسطے اہل ہمت تمام مزے کھانے پینے کے عیش و آرام کے چھوڑ دیتے ہیں اور جو کم ہمت ہوتے ہیں وہ عیش و آرام کے لطف میں وہ کر اُس مزہ کو کھو دیتے ہیں اسی طرح جو بڑے عالی ہمت ہیں وہ اس عالم ظاہری کی حکومت اور ریاست کو اس لطف اور شرف کے واسطے چھوڑ دیتے ہیں جو کہ اسرار الوہیت کے علم سے اُن کو حاصل ہوتے ہیں یہ وہ لذت ہی جو ہمیشہ رہے گی اور اس میں کسی طرح کدورت نہیں ہی ہر طرح سے پاک صاف ہی پس جو لذت اللہ جل شانہ کی معرفت میں ہے اور اُسکی صفات و افعال و

نظام مملکت کے غور کرتے ہیں ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں ہے۔ پس جو لوگ اس کے افعال اور انتظام پر جو کہ فرش زمین سے آسمان تک ہی غور کرتے ہیں اور اُس کی قدرتوں کے میدانوں میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور اُس کی صنعت کے باغوں کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اُس کی معرفت کے طرح طرح کے خوش ذائقہ پھلوں اور میوؤں کو چکھتے ہیں اور اُس کی قدرت کے رنگا رنگ پھلوں کو دیکھتے ہیں اور قسم قسم کی خوشبوئیں سونگھتے ہیں وہ ہر وقت ایسی جنتوں میں رہتے ہیں کہ جن کا عرض آسمان اور زمین سے زیادہ ہے۔ وہ اُسی باغ کی گلگشت کرتے ہیں کہ جس کا ہر چمن نئے ڈھنگ کا۔ چمن کا ہر تختہ نئے رنگ کا۔ ہر قطعہ میں نیا ہی شجر نظر آتا ہے۔ ہر شجر میں نیا ہی ثمر دکھلائی دیتا ہے۔ اس باغ میں کوئی پھول نہیں جو اپنے رنگ میں البیلا نہ ہو اور کوئی پھل نہیں جو اپنے مزہ میں اکیلا نہ ہو۔ جس پھول کو دیکھئے وہ اپنے جوبن میں الا ہے جس پھل پر نظر کیجئے وہ اپنے ذائقہ میں دو بالا ہے۔ الحاصل اسکا اور اُس کی صفات اور افعال اور اسرار اور حکمتوں کی لذت سب لذتوں سے بڑھ کر ہے اور یہ لذت اُس کو نہیں حاصل ہو سکتی جو کہ دل نہیں رکھتا ہے اسلئے کہ دل ہی معدن اس قوت کا ہے جو دل رکھتے ہیں وہ معرفت الٰہی میں فکر کرتے ہیں اور اس سے اُن کو وہ فرحت ہوتی ہے کہ شادی مرگ ہو جانا کچھ تعجب نہیں یہ ایک کیفیت وجدانی ہے نہ زبانی۔ دل ہی اس کیفیت کو جانتا ہے۔ تقریر کو اسمیں دخل نہیں ہے دل ہی وہ باغ ہے جس میں معرفت کا شجر ہے۔ دل ہی وہ شجر ہے جسمیں معرفت کا ثمر ہے۔ دل ہی وہ چمن ہے جسمیں ہزاروں پھول پھولتے ہیں۔ دل ہی وہ نہال ہے جسمیں ہزاروں پھل لگتے ہیں۔ دل ہی وہ دریا ہے جس سے ہزاروں دُر نکلتے ہیں دل ہی وہ صدف ہے جسمیں ہزاروں گوہر پیدا ہوتے ہیں محبت کی کان دل ہے معرفت کا خزانہ دل ہے۔ بوستان الفت جسے کہتے ہیں وہ دل ہے گلشن مسرت جسے کہتے ہیں وہ دل ہے۔ دل ہی خدا کے گھر کا نام ہے جو بے نشان ہے۔ یہ اُسی کی شان ہے کہ دل کو یہ وسعت دی کہ سب کی سمائی اُس میں ہو جاتی ہے اسی نے اُس کو یہ فراخی دی کہ سب کی گنجائش اُس میں ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز نہیں جو اُس میں

نہ سما سکے۔ کوئی شئے نہیں اُس میں نہ آسکے۔ چیز دل کو چھوڑ دو دُنیا کا نام نہ لو۔ وہ اُس میں سما جاتا ہے جو کہیں نہیں سماتا وہ اُس میں رہتا ہے جو کہیں نہیں رہتا۔ وہ اُس میں نظر آتا ہے جو کہیں نہیں دکھلائی دیتا۔ وہ اس میں ٹھہرتا ہے جو کہیں نہیں ٹھہرتا۔ جو زمین پر نہیں سماتا جو آسمان پر نہیں آتا وہ دل میں آجاتا ہے۔ نہ زمین میں گنجائش نہ آسمان میں جو عارف کے دل میں ہے +

اس خدا کی معرفت کی لذت صرف اسے حاصل ہو سکتی ہے جو کہ درجہ بدرجہ ترقی پا کر اس لذت کے مزہ سے واقف ہو گیا ہے۔ جب تک انسان لڑکا رہتا ہے اُس کو کھیل تماشا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے اور اُسی کو وہ بڑی لذت جانتا ہے۔ پھر جب ذرا بڑا ہوتا ہے تب پوشاک اور خوراک اور زیب و زینت کے مزہ سے آگاہ ہوتا ہے اس وقت اس لطف کے آگے کھیل اور تماشے کی حقارت کرتا ہے۔ جب جوان ہوتا ہے تو حسینوں اور مہ جبینوں کی الفت کے مزے سے آگاہ ہو کر سب کو اوس کے سامنے بُرا جانتا ہے۔ جب ریاست و حکومت کی لذت سے آگاہ ہوتا ہے تو سب کو چھوڑ کر اُسی کو اپنے لئے بہتر لذت سمجھتا ہے کہ اُس کا جاہ و جلال اور عزت و کمال اور رعب و داب و شان و شکوہ اور حکومت و ریاست سب سے بڑھ کر ہو اور حقیقت دُنیا کی آخری لذت یہی ہے۔ مگر جب انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت کی لذت سے آگاہ ہوتا ہے تو وہ ریاست اور حکومت کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور وہ سب کو حقیر جانتا ہے +

(۵) شوق و انس

دل کی رغبت کسی امر پوشیدہ کی طرف جو اب تک نہ ملا ہو اُس کو شوق کہتے ہیں اگر مل گیا ہو اور مشاہدہ اُس کا ہو چکا ہو اُس سے جو فرحت دل کو ہو اس کو اُنس کہتے ہیں شوق کسی چیز کا جب تک نہیں ہوتا کہ اُس کا ادراک کچھ ہو اور کچھ نہ ہو۔ اگر بالکل ادراک نہ ہو تو اشتیاق کیونکر پیدا ہو جس طرح کہ کسی شخص نے دوسرے شخص کو نہ دیکھا ہو نہ اُس کی صفت سُنی ہو تو وہ کیونکر اُس کا مشتاق ہو گا۔ اور اگر بالکل ادراک ہو تو بھی اشتیاق نہ ہو گا۔ اس لئے کہ کمال ادراک رویت سے ہو اور جو اپنے محبوب کو ہر وقت

دیکھتا ہوگا تو وہ اُس کا مشتاق کیونکر ہوگا۔ بس ثابت ہوا کہ اشتیاق اُسی وقت تک ہی کہ کچھ ادراک ہو کچھ نہ ہو۔ اور وہ کئی ڈھب سے ہوتا ہے کہ جس کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں مثلاً کسی کا معشوق کسی سے جدا ہو جائے اور اُس کے دل میں اس کا خیال رہ جائے تو ضرور وہ عاشق مشتاق ہوگا کہ دیدار اُس کا نصیب ہو۔ لیکن اگر اُس کے دل سے اُس کا خیال جاتا رہے اور وہ بھول جائے تو اشتیاق باقی نہ رہے گا۔ اور اگر دیدار نصیب ہو جائے گا تو بھی اشتیاق کا اطلاق نہ رہے گا۔ بس شوق کے معنی یہ ہیں جو خیال دل میں ہو اسکے کامل ہونے پر نفس مشتاق ہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھنے پر بھی شوق باقی رہتا ہے یعنی کمال رویت نصیب نہیں ہو مثلاً اپنے محبوب کو دیکھ تو لیا لیکن روشنی میں نہیں دیکھا کہ جس سے اچھی طرح پر صورت نظر آتی تو بھی شوق اُس کا باقی رہتا ہی کہ جمال اُس کا روشنی میں دیکھا جائے تاکہ اچھی طرح اُس کی شکل و صورت دیکھنے میں آئے۔ دوسری وجہ اشتیاق کی یہ ہی کہ اپنے محبوب کا چہرہ تو دیکھ لیا لیکن خال و خط کے دیکھنے کی تمنا باقی رہ گئی پس خواہ نخواہ دل کو اُس کے سب اعضا کے حسن و جمال اور ایک ایک خط و خال کے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ شوق وہ چیز ہے کہ راہ دراز کو کوتاہ کرتا ہے۔ کوہ کی برابر رنج اسکی راہ میں کاہ برابر معلوم ہوتا ہی جس وقت کسی چیز کا شوق دل میں شعلہ زنی کرتا ہے۔ تو وہ سو دریاؤں سے بھی نہیں بجھتا ہے۔ اگر شوق کو کسی طرح تسکین ہو جائے تو جان لو کہ وہ شوق نہیں ہے ہوس ہی۔ ہوس ایسی ہوسناک ہوتے ہیں۔ عاشق مشتاق ہوس سے پاک ہوتے ہیں۔ جب صدق شوق فزا ہوتا ہے تو وہ مقصود تک رہ نما ہوتا ہے۔ جب شوق صادق محمل اُٹھائے گا تو منزل وصل پہ پہونچا دیگا کوئی چیز شوق کی راہ کی مانع نہیں ہو سکتی۔ ع شوق رہبر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست۔ جو شخص دریائے شوق میں اپنے ہاتھ دھوتا ہے وہ ماہی مقصود کو ضرور پکڑ لاتا ہے۔

(۶) دوستوں کے حقوق جو ایک دوسرے پر ہیں

دنیا میں دوستی کا دعوی تو بہت آسان ہوتا ہے مگر نباہ اُس کا مشکل ہے۔ جب تک دوستی کا امتحان نہ ہو تو اُس کا دعوی سچا نہ جانو محبت وہ درخت ہے جسکے پھل دل اور زبان و اعضا سے عیاں ہوتے ہیں جیسے دھوئیں سے آگ پھل سے ہی درخت جانا جاتا ہے۔ پس جب تک دوستی کی حقوق دل اور زبان اور اعضا سے نہ ادا ہوں دوستی نہ سمجھنی چاہئے اسلئے ہم اُس کے حقوق بیان کرتے ہیں دوستوں کی دوستی کا عقد بھی مثل عقد نکاح ہے کہ جس طرح نکاح چند حقوق کا مقتضی ہے جن کا پورا کرنا حق نکاح کے ادا کرنے کے واسطے واجب ہے اسی طرح عقد دوستی میں چند حقوق کی بجا آوری واجب ہے جس سے بھائی چارہ کرو تو اُس کا حق تم مال میں نفس میں۔ زبان میں۔ دل میں ہوگا۔ ان حقوق کی تفصیل یہ ہے۔ **اول** دو دوستوں کی مثال دو ہاتھوں کی مثل ہے کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔ یعنی جیسے دونو ہاتھ ایک ہی غرض کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اُسی طرح دو دوستوں میں دوستی کامل جب ہوگی کہ دونو ایک مقصد میں ایک دوسرے کی رفاقت کریں۔ تو گویا وہ دونوں ایک شخص ہیں اور یہ امر اُس کا مقتضی ہے کہ نفع و نقصان میں دونو ایک دوسرے کے سہیم اور مال اور حال میں باہم شریک ہوں۔ بڑی بات دوستی میں مال سے دوست کی مدد کرنی ہے کیونکہ انسان کا بڑا دوست مال ہے اُس سے دوست کی خاطر جدا نہ ہونا اتحاد کی بڑی دلیل ہے اب مال سے سلوک کرنا کئی طرح ہوتا ہے جس وقت دوست کو مال کی ضرورت ہو۔ ایک تو یہ ہے کہ تم اُس کی خبرگیری اپنے پس انداز مال سے اس طرح کرو جیسے کہ خادم کی کرتے ہیں دوسرے کہ تم اُس کو ایسی حالت میں بمنزلہ اپنے نفس کے جانو اور اُس کی شرکت کو اپنے مال میں بغیر اُس کی طلب کے پسند کرو اور نصفا نصف میں شریک کر لو سب سے بڑھ کر یہ درجہ ہے کہ دوست کو اپنے نفس پر ترجیح دو اور اُس کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم جانو یہ درجہ دوستان صادق کا ہے کہ دوست کو اپنے نفس پر ترجیح دیں اور اپنے مال کو دوست کے لئے وقف کر دیں

کہ جو کچھ چاہیے وہ اپنی ضرورت اور حاجت کے لئے لے لے بعض مثالیں دنیا میں دیکھنے میں آتی ہیں کہ ایک دوست نے دوسرے دوست کا قرض چکا دیا۔ یا جب دونو بھوکے پیاسے تھے کچھ کھانے پینے کو آیا تو ایک نے دوسرے کو اپنے نفس پر ترجیح دی **دوسرا حق** یہ ہے کہ دوست کی اعانت اپنے نفس سے کرے یعنی اس کی حاجتوں کو قبل از سوال بجا لانے میں اور اپنی خاص حاجتوں پر انکو مقدم کرنے میں مدد کرے اور اس اعانت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ سوال کے وقت اُس کی حاجت پوری کر دے۔ مگر بکشادہ پیشانی اور اظہار فرحت کرے خود اُس کا احسان نہ مانے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ دوست کی ضرورت کو اپنی ضرورت جانے بلکہ اس سے بھی اہم۔ دوست کے حال سے ایسا غافل نہ رہے جیسے کہ اپنے حال سے غافل نہیں رہتا۔ اس کے سوال اور اظہار حاجت کے بغیر اُس کی مدد کر دے اور اس مدد کا حق اُس پر نہ سمجھے بلکہ اُس نے جو تیری سعی منظور کی اُس کا ممنون ہو۔ غرض دوست کو بھی منجملہ اقارب اور اولاد کے جانے۔ اس پر اکرام اور ایثار کی ابتدا کرے **تیسرا حق** یہ ہے کہ اُس کے عیب نہ اُس کے سامنے ذکر کرے نہ پیٹھ پیچھے بلکہ عیبوں سے تجاہل کرے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ کلام کرے تو نہ اُس کو رد کرے اور نہ اُس کی بات کاٹے اور نہ جھگڑا کرے۔ سوم اُس کے احوال کو تجسس نہ کرے۔ تجسس کرنے میں شاید اُس کو سوالوں کے جواب دینے میں دشواری پیش آئے یا بہ تکلف جھوٹ بولنا پڑے **چوتھا حق** یہ ہے کہ جو اسرار اپنے کہے ہوں اُن کی افشا سے خاموش رہے اُس کے سوا دوسرے سے ہرگز نہ کہے۔ یہاں تک کہ اپنے خاص دوستوں سے بھی ذکر نہ کرے۔ راز کا فاش کرنا خبث باطن کا نشان ہے۔ یہاں تک اس کے چھپانے میں مبالغہ کرے کہ جھوٹ بولنے تک روا رکھے جس وقت دوست اپنے راز کو ودیعت بنا کے دے تو اُس کو دل میں قبر بنا کے دفن کر دے مردہ کو زندہ نہ کرے بلکہ بالکل بھول جائے۔

پانچواں حق یہ ہے کہ اُس کے دوستوں اور اقارب اہل و فرزند کے طعن سے سکوت اختیار کرے۔ اگر کسی نے اُس کو برا کہا ہو تو اُس کے سامنے اُس کا ذکر نہ کرے کیونکہ جو شخص گالی کی نقل کرتا ہے

گویا وہی گالی دیتا ہے نقل کرنے والے سے ایذا ہوتی ہے جیسے حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں

اشعار ـ یکے تیرے افگند و در رہ فتاد　　وجودم نیازرد و رنجم نہ داد

تو برداشتی و آمدی سوئے من　　ہمے در سپوزی بہ پہلوئے من

ہاں جو کوئی تعریف کرے اُس کا چھپانا نہیں چاہیے کیونکہ وہ اول نقل کرنے والے سے خوش ہوتا ہے پھر اصل کہنے والے سے اُس کا چھپانا داخل حسد ہے۔ غرض کہ خاموشی ان باتوں سے چاہیے جو اُس کو بُری لگیں مگر بعض جو بُرائیاں اُس کی اُس کو تباہ کریں وہ دوستانہ سمجھا دو مگر ان بُرائیوں کے سبب سے اُس کی دوستی سے باز نہ آؤ۔ اسلئے کہ کوئی شخص دنیا میں بے عیب نہیں ہوتا۔ تم اپنے تئیں خود ہی دیکھو کہ کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوگا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں کسی بے عیب آدمی کو دوست بنانا چاہتا ہوں تو اُس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں کسی کو دوست بنانا نہیں چاہتا۔ کسی آدمی میں خوبیاں زیادہ ہوں تو اُسی کو غنیمت جانو۔ غرض حق دوستی یہ ہے کہ دوست کی خوبیوں کا نقش دل پر رکھے کیونکہ دشمن ہمیشہ بُرائیاں اور عیب تاکتا رہتا ہے

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد　　عیب نماید در نظرش ہنر

ور ہنرے داری و ہفتاد عیب　　دوست نہ بیند بجز آں یک ہنر

غرض جیسے کہ زبان کو اُس کی بُرائیوں کے بیان کرنے سے تم کو روکنا چاہیے ایسا ہی دل کو اُس کے اوپر بدگمانیوں کے کرنے سے روکنا چاہیے۔ جہاں تک ہو سکے دوست کے فعل کو نیکی پر حمل کرنا چاہیے۔ اور جو بات یقین اور مشاہدہ سے منکشف ہو جائے تو تم اُس کو آگاہ کر دو لیکن اُس کا حمل کرنا سہو اور نسیان پر حتی الوسع ضروری ہے۔ بدگمانی کا ظن دو طرح سے پیدا ہوتا ہے ایک تو تفرس سے جسکی کوئی علامت ہو کہ علامت کے موجود ہونے سے ظن کو جنبش ضرور ہوتی ہے جس کو آدمی دور نہیں کر سکتا۔ دوسرے وہ جسکی منشا تمھاری بداعتقادی ہوتی ہے مثلاً کوئی کام اُس نے کیا جو دو وجہوں پر محتمل ہو سکتا ہے مگر چونکہ تمھارا اعتقاد اُس کی طرف اچھا نہیں تو تم اُس فعل کو شر اب ہی وجہ پر

محمول کرو گے۔ حالانکہ کوئی علامت ایسی نہیں جس سے وہ فعل اسی وجہ سے خاص کیا جائے۔ تو ایسا ظن باطن کا قصور ہے دوست پر منحصر نہیں بلکہ وہ عام بدظنی ہے۔ زیادہ تر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ عیبوں کی تاک میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر اپنے دوست یا بھائی کی کوئی برائی سُنتے ہیں تو اس پر اور حاشیے چڑہا کر لوگوں میں مشتہر کرتے ہیں۔ اوروں کے عیبوں کو چھپانا اور اُن سے تجاہل و تغافل کرنا نکوکاروں کی خصلت ہوتی ہے۔ دوستی کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے ایسا معاملہ کرے جیسا کہ خود چاہتا ہو کہ دوسرا مجھسے کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آدمی دوسرے سے یہ توقع کیا کرتا ہے کہ میرے عیبوں سے وہ چشم پوشی کرے اگر یہی توقع کے خلاف اس سے ظاہر ہوتا ہے تو اس پر نہایت طیش کھاتا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ خود توقع چشم پوشی کی رکھے اور خود عیبوں سے چشم پوشی نہ کرے۔ وہ بڑا نا انصاف ہے کہ وہ اپنے حق میں انصاف اس مقدار سے زیادہ چاہتا ہے جتنا اس کا دل دوسرے کے لئے نہیں گوارا کرتا ہے۔ عیبوں سے چشم پوشی نہ کرنے اور اُن کے ظاہر کرنے میں سعی کرنے کی علت ایک مرض باطن کے اندر گڑا رہتا ہے۔ اس مرض کا نام حسد و حقد ہے کہ یہ دونوں چیزیں جس کے اندر ہوتی ہیں اس کے باطن کو خباثت سے پُر کر دیتی ہیں مگر یہ دونوں چیزیں دل میں مقید اور دبی رہتی ہیں جب تک کوئی موقع نہیں ملتا۔ جب ان کو موقع ملتا ہے تو اُن کی بیڑی ٹوٹ جاتی ہے اور پردہ حیا اٹھہ جاتا ہے اور خباثت درونی ٹپکنے لگتی ہے۔ پس جن کے دل میں حسد و حقد ہے وہ کسی کے دوست نہیں ہوسکتے۔ بعض حکما کا قول ہے کہ بھائیوں پر ظاہری عتاب بہ نسبت باطنی کینہ کے اچھا ہوتا ہے۔

چھٹا حق یہ ہے کہ جو باتیں یار کو پسند ہوں وہ اسکے سامنے بیان کرے۔ اُس کے سامنے چپکا بیٹھنا گویا مُردہ کا ساتھی اُس کو بنانا ہے [یاروں کی تلاش اسی لئے ہوتی ہے کہ اُن سے کچھ فائدہ ہو نہ یہ کہ اُن کی ایذا سے بچے رہیں اور خاموشی کے معنی یہی ہیں کہ دوسرے کو زبان سے نہ ستائیں] آدمی کو چاہیے کہ اپنے یار سے بولے باتیں کرے جن باتوں کا پوچھنا واجب ان کو

پوچھے۔ جیسے اُس کا مزاج اُس کے اہل و عیال کی خیر و عافیت۔ اُس کے رنج و خوشی سے اپنے
رنج و خوشی کا اظہار کرے کیونکہ دوستی کے معنی یہی ہیں کہ درد و راحت میں شریک ہو۔
ساتواں جب تم کو کسی سے محبت ہو تو اس کو اطلاع دو اِس سے محبت بڑھے گی۔ اگر تم
کسی سے محبت کرو اور اُس کو معلوم نہ ہو کہ تم کو اُس سے محبت ہے تو محبت کی ترقی نہ ہوگی۔ لیکن اگر
وہ جان جائے گا کہ تم کو محبت ہے تو بالطبع تم سے محبت کریگا اور جب تم کو معلوم ہوگا کہ یہ بھی
مجھ سے محبت کرتا ہے تو بالضرور تم کو بھی محبت اُس کے ساتھ زیادہ ہوگی۔ اِس طرح طرفین سے محبت
روز بروز زیادہ ہوتی جائے گی۔ **آٹھواں** دوست کا وہ نام لو جو اُس کو پسند ہو
آگے پیچھے ایک ہی نام لیا کرو۔ اُس کو سلام کیا کرو۔ اُس کو اچھی طرح بٹھلایا کرو۔ دوست کو
جس شخص کے سامنے اپنی تعریف کرانی پسند ہو اُسکے سامنے جو خوبیاں تم کو معلوم ہوں اُن کو
بیان کرو کہ یہ افزائش محبت کا بڑا سبب ہے۔ اسی طرح اُس کی اولاد اور اہل خانہ اور کردار کی
تعریف کرو بلکہ اُس کی عقل و صورت۔ خط۔ اشعار تصنیف خواہ اور چیزوں کی خوبی بیان
کرو جس سے وہ خوش ہو مگر اس تعریف میں جھوٹ و مبالغہ نہ ہو بلکہ جو بات قابل تحسین ہو اُسکی
خوبی بیان کی جائے۔ اِس سے زیادہ یہ امر ضروری ہے کہ اگر غیر شخص اُس کی تعریف کرتا ہو تو
اظہار فرحت کے ساتھ دوست سے اُس کا قول نقل کرو۔ کہ اُس کا نہ کہنا حسد میں داخل ہے
نواں اگر دوست نے کوئی سلوک تمہارے ساتھ کیا ہو تو اُس کا شکر ادا کرو۔ بلکہ اگر اُس نے
سلوک کی نیت کی ہو اور وہ پورا نہ ہو تو بھی شکر ادا کرنا چاہیے۔ جو شخص حسن نیت پر مشکور نہیں ہوتا
وہ حسن سلوک پر بھی مشکور نہیں ہوگا۔ **دسواں** محبت کی بڑی تاثیر یہ ہے کہ جب کوئی شخص
دوست کو پیٹھ پیچھے بُرا کہے یعنی صراحةً یا کنایةً اُسکی عزت کے درپے ہو تو خود دوست کی
طرفداری اور حمایت کے لیے مستعد ہو اور اُس بدگو کو چپکا کرے اور للکارے۔ چپکا رہنا کمینہ و نفرت
کرنی حق دوستی میں کوتاہی کرنی ہے۔ **گیارہواں** دوست کو اُس کی غیبت میں اسی طرح
ذکر کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ تمہاری غیبت میں کوئی تمہارا ذکر کرے۔ جو بات تمہارے دوست نے

کسی نے کہی وہ تم کو کہتا تو اُس وقت تمھارا دل کیا چاہتا کہ تمھارے دوست تمھارے باب میں کیا
کہے۔ جو تقریر دوست کی ایسے وقت میں تم کو پسند ہوتی وہی تم کو اسپر طعنہ کرنے والے
کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ جب تمھارے دوست کا ذکر غیبت میں ہو تو تم یہ خیال کر لو کہ وہ بیٹھا
ہے اور پھر وہ باتیں کہو کہ اگر بالفرض وہ ہوتا اور سُنتا تو اُس کو اچھی معلوم ہوتیں کسی بزرگ
کا قول ہے کہ میرے کسی دوست کا مذکور ہوتا ہے تو اپنے تئیں اُس کی صورت میں سمجھ لیتا
ہوں اور اُس کے باب میں وہ بات کہتا ہوں جس کو اپنے حق میں کہا جانا بہتر سمجھتا ہوں
یہ بڑی ایمانداری کی بات ہے کہ اپنے دوست کے لئے وہی بات مناسب جانے جو اپنے حق میں بہتر
جانے۔ غرض محبت میں اخلاص رکھنا چاہیئے۔ یعنی آگے پیچھے اور زبان اور دل اور ظاہر و
باطن اور تنہائی و جماعت میں یکساں ہو۔ جو شخص اپنے نفس کو اس بات پر قادر نہ ہو کہ ہر حال
میں یکساں رکھ سکے تو اُس کو چاہیئے کہ دوستی کا نام نہ لے۔ بارہواں حق دوستی
یہ ہے کہ تعلیم و نصیحت دوست کو کرے کیونکہ علم کی حاجت دوست کو مال کی ضرورت سے
کم نہیں۔ غرض جو باتیں دین یا دنیا کے لئے کار آمد اور مفید ہوں اسکی تعلیم کرو۔ اور بعد تعلیم وہ کار بند
نہ ہو تو نصیحت کرو اس طرح کہ افعال بد کی برائیاں اور اُن کے ترک کے فوائد اُس کے
سامنے ذکر کرو۔ اور جو بات کہ اُس کو دنیا اور آخرت میں بُری معلوم ہوتی ہو اُس سے ڈراؤ
کہ وہ اُن حرکات سے باز آئے۔ اور اُس کے عیوب پر خبردار کردو اور بُری بات کی قباحت اور
نیک بات کی خوبی اُس کے دل میں جما دو۔ مگر یہ امور خفیہ تنہائی میں اُس سے کہو تا کہ کسی کو
اس کی اطلاع نہ ہو اسلئے کہ مجمع میں کہنا توبیخ و فضیحت ہے۔ نصیحت اور فضیحت میں فرق یہی ہے
کہ ایک خلوت میں ہوتی ہے دوسری مجمع میں۔ ایک ایماندار دوسرے ایماندار کا آئینہ ہوتا ہے
اس کے معنے یہی کہ ایک ایماندار اپنے ایماندار دوست کی وجہ سے اپنے عیبوں پر مطلع ہو جاتا ہے
اگر تنہا ہوتا تو یہ بات نہیں حاصل ہوتی۔ جیسے آئینہ سے اپنی ظاہری صورت کے عیب پر واقف
ہو جاتا ہے اور بدون آئینہ کے نہیں معلوم کر سکتا۔ مجمع میں جو دوست نصیحت کرتا ہے وہ فضیحت

کرتا ہو اس سے محبت نہیں باقی رہتی۔ عاقل کو جو دوست اُس کے عیوب پر مطلع کرتا ہے تو وہ اُس کو شفقت جانتا ہے اور ایسا ہی سمجھتا ہے کہ میرے کپڑوں میں بچھو اور سانپ گھُسا ہوا تھا جو مجھے ہلاک کرتا تھا اس نے مجھے مطلع کر کے جان بچادی۔ مگر ہاں احمق نصیحت کرنے سے خفا ہوتا ہے اور نفرت کرنے لگتا ہے کیونکہ اُس میں اُس کا عیب ظاہر ہوتا ہے۔ چھوٹے آدمی ناصحوں سے محبت نہیں کرتے۔ اگر دوست میں ہماری نصیحت کارگر نہ ہوگی تو وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر اپنے عیب کو ترک نہیں کر سکتا تو سکوت اختیار کرے۔ دوست کی دوستی سے کام ہے اُس کے افعال سے کیا کام ہے اُس پر تحمل چاہیئے۔ **تیرہواں** دوست کا حق یہ ہے کہ دوست کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کرے۔ جو قصور تمہارا کرے تو اُس کو معاف کردو۔ آدمی کبھی کج ہوتا ہے کبھی سیدھا سدا ایک حال پر نہیں رہتا۔ آدمی سمجھ لے کہ کے دن کی زندگی ہے جو دوستوں سے روٹھ کر بیٹھے چند روز ساتھ ملنا جلنا غنیمت جاننے۔ دوست سے اگر خفا ہو تو دل میں کدورت نہیں رکھنی چاہیئے دوست کا عذر خواہ سچا ہو یا جھوٹا قبول کرنا چاہیئے + **شعر**

ترک الفت دوستوں سے جرم پر کرتے ہو تم — پھر بتاؤ وہ کہاں ہے جو خطا کرتا نہیں +

ایک بزرگ کا قول ہے دوست کی خطا کرنے پر صبر کرنا اُس پر عتاب کرنے سے اچھا ہے عتاب کرنا ترک ملاقات سے بہتر ہے ترک ملاقات غیبت کرنے سے بہتر ہے۔ دوستی اعتدال کے ساتھ اچھی ہوتی ہے + **چودھواں حق** دوستی کا وفا اور اخلاص ہے وفا کے معنی یہ ہیں کہ دوست کی زندگی میں اُس کی دوستی پر ثابت اور قائم رہے اور اس کے مرنے کے بعد اُس کی اولاد اور دوستوں اور اقارب سے وہی معاملہ رکھے جو دوست کے ساتھ تھا۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد تھوڑی سی وفا بھی زندگی کی حالت میں بہت سی وفا سے بہتر ہے۔ غرض دوست کی دوستی نباہنے میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کے تمام دوستوں رشتہ داروں اور متعلقوں کی رعایت کرے اور ان کی مراعات کا اثر دوست کے دل میں بہ نسبت اُس کی خود کی مراعات کے زیادہ ہوتا ہے اسلئے کہ وہ خود اپنے متعلقین [illegible] زیادہ

خوش ہوتا ہی علاوہ اس کے شفقت اور محبت کا زور ایسے ہی وقت معلوم ہوتا ہی کہ محبوب سے تجاوز کر کے متعلقوں تک پہنچے یہاں تک کہ اُس کے دروازہ کے کتّے کو بھی اور کتّوں پر اول میں ترجیح دے۔ وفا محبت میں یہ بھی ایک بات ہی کہ دوست کی خاطرداری میں اپنا حال نہ بدلے گو کسی بلند مرتبہ پر خود پہنچ جائے۔ جاہ و حشمت کے زیادہ ہونے سے دوستوں پر برتری کرنا پاجی پن ہی۔ کسی شاعر نے کہا ہی ؎

طالع کی یاوری سے جو خوش وقت ہوں کہیں ٭ کرتے ہیں مفلسی کے جلیسوں کو اپنے یاد

کسی حکیم کا قول ہی کہ جب تمھارا دوست کہیں کا حاکم ہو جائے اور اپنی حکومت میں تمھارے ساتھ پہلے کی نسبت آدھی دوستی رکھے تو بہت غنیمت ہی۔ ایک وفائی بات یہ بھی ہے کہ دوست کے حق میں لوگوں کی شکایت نہ سُنے خصوصًا ایسے لوگوں کی کہ پہلے تو ظاہر کریں کہ ہم فلاں شخص کے دوست ہیں اور پھر اُس کی طرف سے ایسی باتیں بنائیں جس سے دلوں میں کینہ پیدا ہو اور یہ دقیق تدبیر آپس میں پھوٹ ڈلوانے کی ہی کہ اول دوستی کا اظہار کریں تاکہ سامع کے گمان میں متہم نہ ٹھیریں اور آخر کو یہ گُل کھلاویں۔ جو شخص دوست کے حق میں چغلی سُنتا ہی تو اُس کی دوستی ہمیشہ نہیں رہتی کسی شخص نے ایک حکیم سے کہا کہ میں آپ سے دوستی کیا چاہتا ہوں اُس نے جواب دیا کہ تین باتیں منظور کرو تو میں دوستی کروں گا۔ اوّل یہ کہ میری شکایت نہ سُننا دوم میرے کہنے کے مخالف نہ کرنا سوم ناز و نخرے سے مجھے پامال نہ کرنا۔ ایک وفائی بات یہ بھی ہی کہ دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے۔

پندرہواں دوستی کا حق یہ ہی کہ دوست کو تکلیف نہ دے اور اُس سے تکلّف نہ کرائے اُس پر اپنا کوئی بوجھ نہ ڈالے ایسی فرمایش نہ کرے جس سے اُس کو مشقّت اُٹھانی پڑے۔ اُس کے جاہ و مال سے مدد کی درخواست نہ کرے۔ فقط یہ مطلب رکھے کہ اُس کی ملاقات سے جی خوش ہو آپس کی مدد سے ایک دوسرے کا بوجھ ہلکا ہو۔ بعض اکابر کا قول ہی کہ جو کوئی دوستوں سے ایسی چیز کی خواہش کرے جس کی خواہش وہ اُس سے نہ کریں تو اُن پر ظلم کرتا ہے اور جو شخص

ویسی ہی چیز کی خواہش کرتا ہے جیسے وہ خواہش کرتے ہیں تو ان پر شفقت ڈالتا ہے اور جو کوئی ان سے درخواست نہیں کرتا ہے وہ اُن سے سلوک کرتا ہے

کسی حکیم کا قول ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو دوستوں میں اپنی قدر سے زیادہ رکھے تو خود بھی گنہگار ہوگا اور وہ بھی گنہگار ہونگے۔ اور جو کوئی اپنی قدر کے موافق ان سے رہے گا تو خود مشقت اٹھائیگا اور انکو مشقت میں ڈالے گا۔ اور جو کوئی اپنی قدر سے کم ہو کر رہے گا وہ تو اپنے آپ اور اور سب آرام سے رہینگے۔ زیادہ تر ہلکا پھلکا رہنے کی صورت یہ ہے کہ تکلف کوتہ کر رکھے۔ ایسا تکلف دوستوں میں مکروہ ہے کہ اسکے موافق مدارات نہ ہو سکے تو عذر کرنے کی ضرورت ہو۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آدمی میں پھوٹ تکلف ہی سے ہوتی ہے ایک دوسرے کے پاس جاتا ہے اور وہ اُس کے لئے تکلف کرتا ہے اور یہی تکلف باعث ترک ملاقات ہو جاتا ہے جن دوستوں کے لئے تکلف کرنا پڑتا ہے وہ گراں خاطر ہو جاتے ہیں اور اُن سے شرمانا پڑتا ہے جو بے تکلف دوست ہوتے ہیں اُن کے ساتھ آدمی ایسا ہی رہتا ہے جیسے تنہا ایسے ہی آدمیوں کے ساتھ دوستی کرنی چاہئے۔

(۷) اوپر کے بیان کا خلاصہ

ایک دوست کے حقوق دوسرے دوست پر یہ ہوتے ہیں اوّل جو چیز اپنے واسطے دوست رکھتے ہو اسکے واسطے بھی دوست رکھو اور جس چیز کو اپنے واسطے مکروہ جانتے ہو اُس کے واسطے بھی مکروہ جانو دوم جو چیز دوست کی آزردگی کا سبب ہو اُس سے پرہیز کرو اور اُس کی رضا جوئی اور فرمانبرداری کرو سوم اپنے نفس سے اپنے مال سے اپنی زبان سے اپنے دست و پا سے اُسکی یاری اور مددگاری کرو۔ چہارم دوست کی آنکھ بن۔ اُسکے لئے آئینہ بنجا کہ اگر کوئی عیب و نقصان اُس میں ہو تو صداقت اور یاری کی وجہ سے نہ از روے سخن طریقی و خاطرداری کے اُس پر مطلع کرے۔ پنجم جب تک تو سیر نہ ہو کہ وہ گرسنہ ہے اور سیراب نہ ہو جب تک وہ تشنہ رہے۔ جامہ نہ پہن جب تک کہ وہ ننگا ہو یعنی خورش و پوشش میں اُس کو اپنا شریک حال ٹھ

اور اُس کی برہنگی اور گرسنگی سے چشم پوشی نہ کرے ششم اگر دوست پاس حاجت گار نہ ہو تو اپنا
نوکر بھیجکر اُسکے کھانے پینے کپڑے دھونے فرش بچھانے کا سرانجام کرادے۔ ہفتم اُسکی قسم کو
سچ جانے اور جب وہ دعوت میں بلائے تو جائے بیمار ہو تو عیادت کرے اگر مرجائے تو اُس کے
جنازہ پر جائے جب اسکی کوئی حاجت معلوم ہو تو پہلے طلب سے اُس کی حاجت روائی کردے
دوستی ان حقوق کی رعایت پر موقوف ہے۔ اگر ان حقوق پر عمل ہو تو دوستی راست اور دعویٰ
دوستی بجا ہے ورنہ محض لاف اور سراسر کذب و خلاف ہے۔

(۸) عشق

عشق کو جو افراط محبت کا نام ہے ایک گروہ امراض شہوت میں شمار کرتا ہے اور انواع امراض میں
تباہ ترین بتاتا ہے۔ وہ ایک شخص معین کی طلب میں استیلا کا نام ہے۔ مگر یہ عشق بہیمی ہے عشق طلب
لذت کی یا طلب خیر کی افراط کا نام ہے۔ اول صورت عشق بہیمی کی ہے وہ مذموم ہے اور دوسری
صورت عشق نفسانی کی جو محمود ہے۔ اب جوانوں کی صداقت محبت لذت پر موقوف ہوتی ہے
اور لذت سریع الزوال ہوتی ہے اسیواسطے اُن کی صداقت معرض تبدل میں ہوتی ہے
دانایوں کی صداقت محض خیر ہوتی ہے خیر ایک ثابت غیر متغیر چیز ہے اسلئے ان کی مودت تغیر
زوال سے مصئون ہوتی ہے عشق نفسانی کا مبدا تناسب روحانی ہوتا ہے۔ وہ رذائل میں
داخل نہیں بلکہ فضائل میں جب عشق کا خورشید جہاں افروز روشن ہوا۔ روح انسانی کی افق
پر سے تمام ظلمات کثائف طبیعت غائب ہوگئے۔

حکما کا قول ہے کہ تین چیزیں سبب جودت ذہن و لطافت نفس کی ہیں۔ ایک عشق عفیف۔
دوم فکر لطیف سوم سماع وعظ۔ مگر اکثر آدمی عشق کو رغبات جسمانی اور لذائذ شہوانی سے
جانتے ہیں اور اس سے وہ ہوائے نفسانی کی قید میں اسیر ہوتے ہیں۔ اور اپنی طبیعت کی
اطاعت سے نہیں باہر ہوتے وہ فسق کا نام عشق رکھتے ہیں ہوس کو محبت کہتے ہیں صفت
بہیمی کا نام کمال انسانی جانتے ہیں شہوت کی غلامی کو آزادی آزادگان الہی جانتے ہیں

عشق بہیمی میں لذت مبدء حرکت شہوت ہوتی ہی اور میل شہوانی بہیمی ہوتا ہے۔ اس عشق
میں عاشق معشوق کو بہ نسبت لذت کے دوست رکھتا ہی معشوق عاشق کو اپنے نفع کے لئے
اور اُن میں شکوہ و شکایت کا سبب ہوتا ہی کہ طالب لذت تو استعجال اس کے استیفاء میں
چاہتا ہے۔ طالب منفعت اسکو موقوف اپنے حصول مطلوب پر رکھتا ہی۔ اس واسطے ان میں
توافق کمتر ہوتا ہی۔ اسی سبب سے عشاق متشاکی و متظلم ہوتے ہیں اور حقیقت میں خود ظالم ہوتے
ہیں کیونکہ اپنے استیفاء لذت نظر اور وصال میں تعجیل کرتے ہیں اور اس کی مکافات
منفعت سے نہیں کرتے۔ اس قسم کی محبت کو محبت لوامہ یعنی جو ملامت کے قریب ہے کہتے ہیں۔
پس جو ایسے عاشق ہوتے ہیں وہ صدق سے دور ہوتے ہیں۔ ہیزم تر کی طرح دھواں اٹھاتے
ہیں نور نہیں رکھتے۔ جیسے جام کو خبر نہیں کہ کیسی شراب اس میں ہے۔ مینڈک کو یہ اطلاع
نہیں کہ کونسا دریا ہی۔ ایسے وہ نہیں جانتے کہ عشق صادق کیا ہوتا ہے۔ وہ عشق روح سے
متعلق ہوتا ہی۔ حواس کی شراب تلخ کو پی لیتا ہے وہ شیرینی عالم سے منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ
اپنی جان عشق ہی کو جانتا ہے۔ وہ زندہ دل غم دل سے ہوتا ہے۔ وہ کشتۂ حق ہوتا ہے
جو دوست کی طرف سے تیر آنکھ میں لگتا ہی اُس کا وہ منت پذیر ہوتا ہے۔ وہ شاہد معنوی
کی صورت پر عاشق ہوتے ہیں۔ کوئی شخص رخ خوب سے جفا دیکھتا ہے وفا نہیں دیکھتا۔ زینت
زیبا کا جمال اس کے لئے وبال ہوتا ہی۔ وہ سیمبر جو چاند کا ٹکڑا رکھتے ہیں اُن کی زلف سیاہ
جان کے لئے عقرب ہی۔ وہ ظاہر میں دل کی چشم و چراغ معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت
میں داغ دل ہوتے ہیں وہ مایۂ مہر معلوم ہوتے ہیں مگر کینہ جو ہوتے ہیں دشمن جان ہوتے ہیں
اور دوست دکھائی دیتے ہیں اگر انکا دیدہ شہوت گرا نہو تو صنع خدا سے بہتر کوئی چیز آن
دیکھنے کے واسطے نہیں ہے۔ جو معشوق کو شہوت کی نظر سے دیکھتا وبال ہوتا ہے۔ قند جب
شراب ہوتا ہی تو پھر حلال نہیں رہتا۔ رُخ نامحرم کو ایک نگاہ سے دیکھنا حرام نہیں ہی جیسے
گل لالہ کا دیکھنا جن کو خدا پاک حسن نظر عطا کرتا ہی رخسار بتان دیکھنا ان کو منع نہیں ہے جنکی آنکھ میں

نظر پاک نہیں بہتر ہے کہ اس کا سر خاک ہو۔ دل جب رخ خوب کی تمنا کرتا ہے۔ دیدۂ ناچار اُسکا تماشا دیکھتا ہے دل عشق سے ایسا آوارہ ہوتا ہے کہ دیدہ نہیں جانتا کہ میں نظارہ کرتا ہوں جسم صنم میں نمک زیادہ ہوتا ہے اُسی سے خستہ دلوں کا دل زیادہ زخمی ہوتا ہے۔ نکوئی رنگ و پوست کا نام حسن نہیں ہے بلکہ جو کچھ دل میں جگہ کرے وہی نیک حسن ہے۔ رنگ و صفائی سے عشق نہیں ہوتا بلکہ ناز و کرشمہ بلائے دل ہوتا ہے۔ جو عشق رنگ پر ہوتا ہے وہ آخر کو ننگ ہوتا ہے مُردوں کے ساتھ جو عشق ہوتا ہے وہ دیرپا نہیں ہوتا اس لئے کہ مُردہ کی آیندہ آنے کی امید نہیں رہتی۔ زندہ کا عشق رواں و بصر کو ہر دم غنچے سے زیادہ تر و تازہ رکھتا ہے پس تو اس زندہ کا عشق قبول کر جو مُردہ نہیں ہوتا جب دل میں یہ آتش عشق الٰہی خانہ گیر ہوئی تو وہ اپنے تئیں شعلہ سے نہیں بچاتا۔ یہ فیض عشق انھیں کو پہنچتا ہے جو اُس کے اہل و قابل ہوتے ہیں آئینہ و آب میں عکس پڑتا ہے۔ گل و سنگ میں نہیں دیدۂ خود کچھ نزدیک و دور نہیں دیکھتا جب اس قابل ہوتا ہے کہ نور اس میں ہوتا ہے۔ جب معشوقوں سے وصال ہوتا ہے تو اُن کی قدر نہیں رہتی +

اشعار +

دوست بصحبت چو فراواں بود	خوار بود گر ہمہ سلطاں بود
آنکہ لقب خسرو شاہش کنند	زاں است کہ از دور نگاہش کنند

خدا اسی سبب سے عزیز ہے وہی عشق کے لائق ہے۔

(۹) مرافقت و موافقت رفقا و معاونت و مساعدت اقربا

جتنے آداب نکوکاری کے ہیں ان سب میں یاری کا ادب اول ہے اسلئے کہ کوئی دنیا میں برنا و پیر ایسا نہیں کہ جس کو یار ناگزیر نہیں پس لسان یاری کے دامن کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسلئے لازم ہے کہ ایسے یاروں کی صحبت تلاش کرے جو ہمیشہ قائم رہے جس ہمدمی کی اُمید دراز نہ ہو تو اُس کا حال ایسا ہے جیسے سفید بالوں پر خضاب کہ اس کا رنگ خواہ کیسا ہی آب و تاب رکھتا ہو لیکن وہ بالوں کا خود اصلی رنگ نہیں ہوتا۔ یہ رنگ تکلف پانی سے دور ہو جاتا ہے

جو صحبت دیرپا ہے وہ خلل پزیر نہیں جیسے سفید دیدے سر سے سیاہی پزیر نہیں جو صحبت دیرپا نہیں اُس کا حال ایسا ہے جیسا اس گھر کا جس کی بنیاد خشت خام کی ہوتی ہے وہ دو تین برسوں میں پست ہو جاتا ہے جو شخص یاروں کی صحبت کا حق پہچانتا ہے وہ اپنی زندگی اس میں صرف کر دیتا ہے۔ وہ وفادار دوست سر تا مغز مثل پستہ کے بنتا ہے۔ وہ کھجور کی طرح اوپر مغز اندر استخوان نہیں ہوتا۔ اپنے سے چھوٹوں کی صحبت اختیار کر اور اپنی ہمنشینی سے اُن کو خردمند بنا عطار بن جا کہ جس کے پہلو سے اوروں کا جامہ معطر ہو۔ لہار کی بھٹی نہ بن کہ دور ہی سے دُھوئیں سے شرارے اوروں پر پڑیں۔ آدمی نیک خوئی کے سبب سے خوش گوار ہوتا ہے بدخو خس کی طرح آتش میں پھینکنے کے لائق ہوتا ہے۔ اس عالم میں جو ہم نفس ہوتے ہیں وہ اکثر حقوق صحبت سے محرم نہیں ہوتے۔ تیرے منہ پر شاد ہوتے پیٹھ پیچھے یاد نہیں کرتے۔ یار وفادار ایسا ہوتا ہے جیسے کہ مٹھی میں تلوار کہ سب طرف سے گوہر رکھتی ہے جیسے آگے ویسے پیچھے۔ آئینہ کی طرح نہیں ہوتا کہ رو کچھ پشت کچھ۔ یوں مشرق مغرب میں سارے ہمدم بھرے ہوئے ہیں مگر جیسے کہ چاہیئے کم ہیں سبز شیشہ اگرچہ زمرد کی مانند معلوم ہوتا ہے مگر جو گوہر شناس ہے وہ اسے پہچانتا ہے۔ ایسے ہی جو دوست شناس ہیں وہ ہر شخص جوان کو سلام کرے اصل دوست نہیں جانتے۔ ہر صدف میں گوہر شاہوار نہیں سمجھتے۔ اس روزگار میں ایسا یار کہ وہ حقیقت میں یار ہو نہیں مل سکتا۔ جب تک تو کسی نااہل دوست سے فریب نہیں کھاتا اہل و نااہل میں تمیز نہیں کر سکتا۔ تیرے گھر میں منافق یار کتوں اور بندروں کی طرح بھرے ہوئے ہیں ان کو نکال تاکہ عالم کی شترگربگی سے تجھے نجات ہو۔ کمینہ دوست دشمن سے بدتر ہوتا ہے۔ وہ خنجر ایسا ہوتا ہے جو جلاد سے بھی زیادہ بے شرم ہوتا ہے۔ اسلئے وہ اپنے بدن کو کاٹتا ہے یہ غیر کے تن کو۔ اُسکے دل میں کچھ ہوتا ہے زبان پہ کچھ اگرچہ تیرا دوست تیرہ درون اور بظاہر دوستی کی شیخیاں مارتا ہو گو وہ مثل گل لالہ ہی کے کیوں نہ ہو تو اس کو ہوا میں اُڑا دے۔ منافق دوست جو داغ دل ہیں اُن کو قفس میں بند کر دے بلبل کا مغز اور الو کا

اُن کو کھلادے۔ جو یار کج اندیشہ ہوتا ہے خواہ اُس کو اپنی آنکھوں پر ابرو کی طرح بھی بٹھائے تو
بھی وہ کج ہی رہے گا۔ تو کسی سے مروت کا خواہاں نہ ہو خواہ تیرا قرۃ العین (بیٹا) ہی کیوں نہ ہو
آدمی آدمیت اور مردمی کے سبب سے آدمی ہوتا ہے کچھ سر و گوش سے نہیں ہوتا۔ درخت میں گو
بالقوہ تخت و کرسی بنانے کی قابلیت ہوتی ہے مگر جب تک وہ درخت تخت و کرسی نہ بنائے
کندہ ناتراشیدہ ہے۔ ایسے ہی آدمی جب تک مردمی نہ کرے وہ آدمی نہیں جو عود خوشبو نہ دے
وہ ہیزم ہے عود نہیں یاروں کو یار کا لطف ترش روئی کے ساتھ خوشگوار نہیں ہوتا۔ اگر میزبان
تلخی کرے تو مہمان کو فاقہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندھا پاسبان ہو تو خفتہ نگہبان سے بہتر
لگتا ہے۔ انسان جسکی طبیعت دوست خو ہوتی ہے وہی دوست ہوتا ہے تکلف سے دوست رو نہیں
ہوتا۔ آئینہ میں تیرا عکس گو تجھ ہی جیسا ہوتا ہے مگر وہ تیری صورت ہوتی ہے تو نہیں ہوتا۔
ایسے ہی دوست منافق گو صورت میں یار موافق معلوم ہو مگر اصل میں وہ دوست نہیں ہوتا۔
جب پانی ملوث ہو تو وہ پانی سے صاف نہیں ہو سکتا۔ ایسی مکر کی دوستی بے ریا دوستی سے
نہیں درست ہوتی۔ جو دوست غم و شادی میں تیرا یار ہو اُس کو دوست شمار کر۔ دنیا میں بہت
کم کار ایسے ہیں کہ بے یار کے ہو سکیں پس اگر کوئی یار تیرے کار میں نہ ہو تو افسوس کی بات ہے
غرض یوں یار تو بہت ہوتے ہیں مگر ایسے یار جو تیرا یار سچے ہیں تھوڑے ہوتے ہیں دوست
خون کی گرمی سے پیوند جان ہوتا ہے۔ زبان سے پیوند جسم۔ خدا اُس کو نظر بد سے بچائے
جو یاروں کے لئے اپنی جان کو سپند بنا دے (فنا کردے) جو یار دل سوز نہیں وہ کسی کام کا
نہیں۔ ایسے آدمی کی طرف میل کر کہ جس میں صفائی ہو۔ گل رنگیں نما پر فریفتہ نہ ہو۔ آئینہ وہی بہتر
ہے کہ جو لوہے سے بنتا ہے جو اصل میں تیرہ ہوتا ہے مگر صیقل سے صاف ہو جاتا ہے۔ سونا آئینہ
نہیں بنتا گو کتنا ہی چمکتا ہے ہر شخص دوست بنانے میں انسان اور شیطان کی تمیز کرنی چاہیے
جس کا پنکھا جیسے چام پر مکھی کو نہیں بیٹھنے دیتا ایسا ہی سمجھ کسی دوسرے کا کام نہیں بننے دیتا
اگر کسی حاسد دوست کو تو اپنے دسترخوان پر بٹھائے تو وہ اُسے دیکھ کر جل جائے گا۔ نان

نان اتنی نہیں کھائے گا جتنا کہ غم۔ قدح خوشگوار اتنا نہیں پیے گا جتنا اس کو خمار ہوگا نہ کباب
اتنے کھائے گا اور نہ شراب اتنی پیئے گا جتنا وہ اپنا جگر اور خون جگر کھائے پیئے گا۔
نمک سے شراب حرام حلال ہو جاتی ہے۔ مگر یہ گندہ نمک نمک کھانے سے اور زیادہ نمک حرام
ہو جائیگا۔ جو حاسد ہیں وہ دوستوں کو دیکھ کر یوں جلتے ہیں اور جو بکرم ہیں وہ مہر و نوازش
ایسی کرتے ہیں کہ جیسے درخت تبر زن پر۔ کہ وہ اُسپر کلھاڑی مارتا ہے اور یہ اُس پر سایہ ڈالتا ہے
یا جیسے کہ گل تو اُس کو آگ پر رکھتا ہے اور وہ اپنی سوزش سے گلاب کی خوشبو دیتا ہے
اگر تیرا ہمسروں پر پایہ بلند ہو جائے۔ تو اپنے ہم نشینوں سے آگے نہ بڑھ۔ اور اپنے قریبوں سے
منہ نہ پھیر۔ صحبت دیرینہ کو نہ چھوڑ۔ اور تکبر کو سینہ میں جگہ نہ دے۔ جو تیرے دوست مفلس ہوں
اُن کی پرسش کر۔ جو نامرد ایسے ہوں کہ کوئی اُن کو نہ پوچھے تو اُن کی پرورش کر۔ تو آہو
صحرا نہیں کہ وہ اپنا مغز بادشاہ کے واسطے خورش بناتی ہے تو اپنے پوست کو درویشوں کے
حوالہ کرتی ہے۔ تو ماہی نہیں کہ باوجودیکہ سرتاپا ورم میں غرق ہوتی ہے مگر اپنا لقمہ کسی کے منہ
میں بے خار نہیں دیتی۔ افسوس اُس مدبر ناقص عیار پر ہے کہ اپنے اقبال میں یار کو بھول جائے
تو صندل کا درخت بن جب بلند ہوتا ہے تو اپنے پاس کے سو درختوں کو خوشبودار کرتا ہے
بید کا درخت نہ بن کہ خواہ کتنا ہی بلند ہو مگر سایہ نشین کو اپنے پتوں سے تلوار ہی لگاتا ہے
جب تک تیری گٹھڑی میں متاع ہو اُسکو باہر رکھ کیونکہ اُس کے خریدار موجود ہیں جو کچھ
پاس ہو یاروں کو دیدے ورنہ روزگار تجھ سے خود لے لے گا۔ گو بختیاروں کی دولت
بدبختوں پر نثار ہوتی ہے۔ مگر دل بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کے پاس جہان بھی ہو
تو بھی نان دینے میں کمی کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ اس دائرہ لاجورد میں کس نے دستگاہ
پائی ہے کہ پا گم نہیں کیا۔ جس سر میں تکبر کی ہوا سمائی اُس کا وہ حال ہوا جو کوّے کا مُردار
کی بو سے ہوتا ہے کہ اُس سے اُس کے مغز کو راحت اور دماغ کو فرحت ہوتی ہے۔ جیسے پاؤں
تلے سیلاب سیم چلے پھر اُس کے پاؤں سلامت نہیں رہتے بعض امیروں کو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ پاجی

اور کمینے جو اُن کے گھروں میں کتّے کی طرح ریزہ خوری کرتے تھے جب اُن کو ثروت و وقعت وجاہ حاصل ہوا تو پھر اُن کی طرف نگاہ بھی نہیں کی۔ اِن کے سلام کے جواب میں علیکم بھی نہ کہا۔ پتھر جو سنگ ہے اُس کو سلام کرو تو وہ جواب دیتا ہے مگر اُن پر ایسے پتھر پڑے کہ سلام کے جواب میں وہ پتھر سے بھی بدتر ہو گئے۔ غرض جن آدمیوں کو خدا مروت۔ فتوت۔ مردمی عطا نہیں کرتا وہ شیطان ہوتے ہیں اُن سے صحبت چاہنی خطا کرنی ہے۔ تجھے چاہیئے کہ تو اُنھیں کی طرف میل کر جو تیرے ساتھ وفا کریں۔ تیرے بلاؤں کے تیروں کی سپر بن جائیں۔ بے وفا دوستوں سے کتّا اچھا کہ وہ وفا بے ریا کرتا ہے۔ دنیا میں دوست بہت ملتے ہیں مگر وفادار کم ہوتے ہیں پس تو صحبت ان لوگوں سے کر جن میں صدق و صفا و وفا ہو +

(۱۰) عزیز و اقربا۔ اہل و عیال کے ساتھ نیک سلوک اور اقربائے بد کی تکالیف

اگر ایک خلف روشن گہر تجھ سے پیدا ہو تو یہ سمجھ کہ دولت و بخت تیرا پیدا ہوا ہے۔ وہ نالائقوں کو لائق بنا دیگا جیسے ایک خط سو صفروں کو جو بیکار ہوتے ہیں بے شمار بنا دیتا ہے انسان کی بڑی شہرت نیک اولاد سے ہو جاتی ہے جو اولاد صاحب اقبال ہوتی ہے اُس کی سب جگہ عزت ہوتی ہے۔ ایک خلف رشید بہت ناخلف فرزندوں سے اچھا ہوتا ہے جیسے ایک میٹھا پھل بہت تلخ پھلوں سے بہتر ہوتا ہے۔ کتّے کے بہت پلّے پیدا ہوتے ہیں اور شیر کے کم مگر ایک شیر کا بچہ کتّے کے دس پلّوں سے اچھا ہوتا ہے۔ نالائق اولاد دھوئیں کی طرح ہوتی ہے کہ اُس سے آنکھیں تیرہ ہوتی ہیں نیک اختر اولاد مثل نور کے ہوتی ہے کہ اُس سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں جو اولاد اپنے ماں باپ سے تنگ روشی سیکھتی ہے وہ اسی ڈھنگ کی ہوتی ہے جس کوزہ کا سوراخ تنگ ہوگا اُس میں پتلی دھار نکلے گی۔ پس جنھوں نے بخل کی عادت ماں باپ سے سیکھی ہے وہ کشادہ دست کیسے ہو سکتے ہیں ہمیشہ ان کا کاسہ سیاہ اور مطبخ سفید رہے گا خلق جو کسی کی دعا گو ہوتی ہے وہ اپنے فائدہ کے سبب ہوتی ہے پس جن کے مائدہ سے

کچھ فائدہ نہیں اُن کا کون دعا گو بنتا ہے جو خالی چرب زبانی کرتے ہیں اور دیتے کچھ نہیں
اُن سے فراغ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ چراغ پر دیگ نہیں پختہ ہو سکتی۔ جو کشادہ کف سخی ہیں
اُن کے گھر پر نقارہ ہمیشہ آدمیوں کو بلاتا رہتا ہے۔ جیسے گندم و جو بھرے ہوئے خوشے اس
سبب سے خالی رہتے ہیں کہ روٹی دینے کی صفت اُن میں ہوتی ہے۔ اسی طرح جو عزیزوں
کی دم بدم صلا کرتے رہتے ہیں اُن کی گرہ میں نقد ذخیرہ کم ہوتا ہے۔ تیرا باپ مشک ناب ہو
اور تجھ میں اُس کی بو نہ ہو تو تیرا اور اُس کا تعلق ایسا ہی جیسے کہ خطا و صواب کا۔ اگر تیرے
باپ میں جمال ہو اور تجھ میں وہ نہ ہو تو سمجھ لے کیا وہ اُس کا حق ہے تیرا اُس میں کیا رکھا ہے کچھ
ضرور نہیں کہ جو کریم ہوں اُن سب کی اولاد بھی عزیز ہو۔ تخم خیار (کھیرا) کے بیج بھی بہت سے
تلخ ہوتے ہیں جس شخص کے خویش و بیگانے بد بخت ہوتے ہیں اُس کا گھر خانہ دبا ایسا
ہی ہوتا ہے جیسے الوکی دولھن کا جہیز ویران وہ ہی ہوتا ہے جو کچھ تم اپنے خویشوں کو
دو اُس کی شہرت مت کرو۔ اُن کے دینے کی خبر فقط تیرے ہاتھ ہی کو ہو۔ یہ سفلوں کا کام ہے
کہ کسی عزیز کو ایک پشیز دیکر اپنی شہرت چاہتے ہیں اگر تو اپنے خویشوں میں بزرگ ہو گیا ہے
تو شیطان بن نہ بیٹھ جا۔ جو تیرے قریب بڑے ہوں اُن کو بزرگ مان۔ اُن پر احسان کر
مگر منت اُن کے سر پر نہ رکھ بلکہ ان کی منت اپنے اوپر مان۔ تجھے ماں کے پاؤں چومنے
چاہییں۔ باپ کا روپیہ اُس کے منہ پر نہیں مارنا چاہیے۔ اگر تو اس کو شہد کھلائے اور پھر سکو
زبان پر لائے تو وہ زہر ہے۔ نشتر لگانے سے یہ بہتر ہے کہ اول سے شکر ہی نہ کھلائے
اگر تیرے ناخن انگلیوں سے بڑھ جائیں اور آزار پہنچائیں یا آنکھ کے اندر بال نکل آئیں جو
زیادہ آنسو بہائیں اُن کا کاٹ ڈالنا ہی بہتر ہے۔ اسی طرح اگر قرۃ العین تیرا آزار دہ ہو تو
روکر اُسے ہاتھ دہونا ہی اچھا ہے۔ اندھوں کے ہاتھ میں عصا دینا چاہیئے یعنے جو اقارب
محتاج ہوں اُن کی مدد کرنی لازم ہے۔ مگر جو کوردل ہوں اُن سے منہ پھیر لینا چاہیے
وہ رگ کج رشتہ پیچان ہے جو گشتن سے ہی سیدھا ہو گا جس اولاد میں باپ کی زندگی

بیٹی کی رگ باقی رہ جاتی ہے وہ معظم ہوتا ہے جیسے کہ رشتہ تعویذ سے مکرم ہوتا ہے باپ کے ساتھ
بگاڑ نہیں کرنا چاہئیے جس کی جان کا تو ایک پارہ ہے اور اسی کے چشمۂ حیوان کا ایک قطرہ۔
وہ تو اپنی جان بھی تیرے لئے دریغ نہیں رکھتا ہے۔ افسوس ہے کہ تو نان اس سے دریغ رکھے
خوب سمجھ لے ماں نے جو تیرے لئے رنج کھینچے ہیں اُس کی ایک رات کے رنج کا معاوضہ تو
دونو جہان سے نہیں کرسکتا۔ اُس نے اپنا خون تجھے دودھ بنا کر پلایا ہے۔ اور تیرے لئے
بہشت کی جوئے شیر بہائی ہے۔ اور اس محنت میں خود خستہ ہو کر پیر فرتوت بنی ہے۔ اگر تو
اپنے ماباپوں کا دل خستہ نہیں کرے گا تو تیری اولاد بھی تجھے آزار نہیں پہنچائے گی۔ اگر تو
اپنے باپ کی آنکھ میں کانٹا چبھوئے گا تو یہی حال تیرا بیٹا کرے گا۔ اگر تو باپ کے ساتھ
بدرگ نہیں ہے تو تیرا لڑکا بھی سگ تیرے لئے نہیں بنے گا۔ جو آدمی ہوتے ہیں وہ نیش و جراحت
کب لگاتے ہیں یہ کام تو مار و کژدم کا ہے۔ اگر تو بد ہوگا تو تیری اولاد بدتر ہوگی۔ سانپ
جب اپنے بچوں کو کھاتا ہے تو اُس کے بچے بچہ خوار ہوتے ہیں۔ جو درخت خود خار پیدا کرتا
ہے وہ اُن کا نشتر کھاتا ہے۔ پس تو اپنے آپ باپ اور بزرگوں کا ادب کر کے لڑکے کو پہلے
ہی سے ادب سکھا۔ نئی کنگھی چرب کرنے سے درست ہوتی ہے کہ بالوں کو نہیں توڑتی
پرانے ہوئے پر پھر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ایسا ہی لڑکوں کا حال ہوتا ہے کہ ابتدا میں درست ہوسکتے
ہیں۔ اولاد بد کو تو امر و نہی کی کش مکش میں نہ ڈال۔ آنکھ سے ناخنہ کو ناخن سے نکالتا ہے
اس سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ جو بد ہوتے ہیں وہ باپ کی بات نہیں سنتے اپنی بات سنتے
ہیں۔ بڑا بیٹا باپ کی باتوں پر جزوش کرتا ہے باپ اسلئے باتوں کے سننے کے لئے ہمہ تن
گوش بنتا ہے۔ اولاد اگرچہ خاکستر ہی کیوں نہ ہو مگر مادر و پدر اُس کو آنکھ کا سرمہ بناتے ہیں۔ اگرچہ
بدکاری سے اُن کی آنکھوں میں خون اترتا ہے مگر وہ آنکھ کی پتلی کو دور نہیں کرسکتے۔ اگرچہ
آنکھوں میں درد ہو مگر درد کے لئے آنکھ تو نہیں نکالی جاتی۔ یہ میوہ دل (فرزند) میوہ جان
ہوتا ہے۔ اس سے دور رہنا گراں ہوتا ہے جنکے اولاد ہوتی ہے وہی جانتے ہیں کہ اُن کی

پرورش میں کیا دشواری ہے جسکے اولاد نہیں ہوئی وہ کیا جانے کہ کیا ہوتا ہی۔ بانجھ عورت
جننے کی مصیبت کو کیا جانتی ہی۔ غرض یہ مہر مادری ہے جو تمام عالم آباد ہے۔ اگر وہ اولاد کا رنج
نہ کھینچیں تو یہ دہر جانوروں سے کبھی پر نہ ہوتا۔ جو اولاد تجھسے پوست میں جانور ہوئی ہی وہ تیری
دشمن جان ہی اگر غور سے دیکھے۔ آدمی اپنے سینہ سے خود اپنا دشمن پیدا کرتا ہی۔ اُس کے
منہ میں تو لقمہ رکھتا ہی جسکے لئے وہ کچھہ تکلیف نہیں دکھاتا کبھی اُس کا منہ لقمہ سے خالی نہیں
چاہتا ہی۔ تو یوں اُس کے لئے جان مارتا ہی تیری جان جانے کے وقت ورثہ لینے کو تیار ہوتا ہے
اسلئے کہ بچہ کو جیسے ہو ماں رنج و تکلیف اُٹھاتی ہے۔ اُس کی پرورش کے ناز اُٹھاتی ہے
خدا وہ دن نہ کرے کہ پیرانہ سری میں باپ بندۂ فرزند روٹیوں کے لئے بنے۔ ایک پدر دس
پسر کو آسودہ رکھتا ہی۔ مگر دس پسر ناخلف ایک پدر کو گھر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ کم بخت و بد نصیب
اولاد کا سا حال کُتّے کا سا ہوتا ہی کہ جب وہ غصہ ہوتا ہے تو بھائی کے مُنہ میں سے لقمہ کو
نکال کر خود کھا جاتا ہے۔ ایک گروہ جس کو آدمی خویش و اقارب کہتا ہے اگر وہ بد ہو تو اُس کی
یہ مثل صادق آتی ہے کہ الاقارب کالعقارب۔ وہ کژدم کی طرح نیش زنی کرتے ہیں جس سے
ایک دوسرے کے عیب جو اور زشت گو ہوتے ہیں۔ خویش مثل ریش ہوتے ہیں کہ جتنی اُس کی
کاوش کیجئے اتنا ہی رنج زیادہ ہوتا ہے۔ اگر گھر میں دختر و خواہر ہیں تو اُن کے لئے داماد
تلاش کرنا اور پھر سب جہیز کا سامان کرنا عذاب جان ہے۔ بڑے بھائی سے دوست اچھا ہوتا ہے
اور چھوٹا بھائی ہی تو وہ چاہتا ہی کہ بڑا بھائی باپ بن کر میرے نخرے اُٹھائے۔ اگر بڑا بھائی
ہے تو وہ چاہتا ہے کہ چھوٹا بھائی میرا غلام رہے۔ سگ باش برادر خُرد مباش۔ جب تک
باپ زندہ ہی بھائی و مسانہ ہیں جب وہ مرجاے تو خصم و ابناز ہیں اگر آدھا آدھا حصہ ورثہ کا
تقسیم ہو گیا تو خیر ہے ورنہ پھر ایک دوسرے کے دو ٹکڑے کرنے کو موجود ہیں غرض بری
برادری سے سوا خون جگر کھانے اور دلی رنج اُٹھانے کے اور کچھہ نہیں حاصل ہوتا۔ فرزند بد کا
تو اپنا عدو پالنا ہی جو زندگی میں مال چھین کر لے جائے اور مرنے پر تو اب جسکی اولاد بد ہوئی اُس

طالع نحوس ہوگیا۔ اگر لڑکے بد ہوئے تو تمام گھر کی عزت گئی۔ اگر زن بد گھر میں ہے تو پھر گھر جہنم ہے۔ عم وخال جو ہوتے ہیں وہ تیرے جاہ ومال کے خواہاں ہوتے ہیں ظاہر میں تو وہ گربۂ مسکین کی طرح تیرے دسترخوان پر بیٹھتے ہیں لیکن اندر ہی اندر وہ موش سے زیادہ دسترخوان کو کترتے ہیں۔ عم جو بدگو و پرستم ہو سو وہ عم نہیں ہے درد وغم ہے۔ اپنی بڑائی کے لئے کہتے ہیں کہ ہم تیرے باپ ہیں مگر پرورش کے وقت وہ تجھ کو گھر سے نکال دیتے ہیں حکم کرنے میں یگانے بنتے ہیں مگر دینے میں بیگانے۔ غرض عم غم ہے خال وبال ہے۔ ان سے بچ خال تیری ماں کی میراث کو خالی کرنا چاہتا ہے۔ اگر تیرے پاس زر ہو تو وہ تجھ سے اپنا رنگ جاتے ہیں اور اگر تو مفلس ہو تو تجھے ننگ کہتے ہیں جب تیرا کام بنا ہو تو تجھے خواجہ کہتے ہیں جب کام بگڑ جائے تو غلام زادہ۔ اگر مال ہے تو تجھے شاہزادہ بناتے ہیں اگر بدحال ہو تو کنیزک زادہ کہتے ہیں کسی سفلہ سے قرابت قریبہ ہو تو اُس سے بدتر ہے کہ جنگل کے چوہے دکان میں آجائیں۔ اگر وہ صاحب مال ہو گیا ہے تو اپنا نام خدا رکھتا ہے اور خال وعم کو گدا کہتا ہے۔ پدر پسر سے دربانی کراتا ہے جب مال اور حکومت دونوں جمع ہوجاتی ہیں تو بیوی۔ دوست۔ گھر سب کو بدل ڈالتا ہے وہ زبردستی اپنے رشتہ داروں کو بلاتا ہے اور اپنی شیخی بگھارتا ہے کہ وزیر اور بادشاہ اُس کے حال پر ایسے مہربان ہیں رشتہ دار بھی روٹیوں کے لئے کبھی اُس کے مزدور بنتے ہیں کبھی غلام۔ جب عزیز واقارب بد ہوتے ہیں تو ان سے یہ تکلیفیں پہنچتی ہیں ؀

(۱۱) عشق

عشق بھی کیا دلبر اور دل ربا ہے۔ آب آتش فروز اور آتش آب سوز ہے۔ جس دل میں یگانگی نہیں وہ ایک مرغ خانگی ہے جس کے پر ہیں مگر وہ کسی بلندی پر نہیں اُڑ سکتا بس دانہ کھالیتا اور اپنے گھر کے گرد پھر لینے کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا معشوق کا عشق اختیاری نہیں ہوتا ہے عشق کی راہ میں عقل دیوانہ ہے۔ اسلئے عاشقی کار فرزانہ نہیں عقل وجان پر عشق برتری رکھتا

مرد صورت پرست پر عشق معنی پسند غالب ہوتا ہے اُس کو کفش و دستار و زنار کی کچھ خبر نہیں ہوتی
وہ ہر ہنر سے عشق کو بہتر سمجھتا ہے۔ عشق ہی کو اپنا تاج سر جانتا ہے عقل کو طوطی و عشق کو
بوتی مار بناتا ہے۔ عشق کی گلی میں عقل اندھی ہوتی ہے۔ شعلۂ عشق لاوبالی ہوتا ہے عقل
نقد حالی کی تلاش میں ہوتی ہے۔ غرض عشق و عقل میں ہمیشہ سے بیر چلا آتا ہے۔
عقل میں بالغ بہت ہوتے ہیں مگر عشق کے مزہ سے بہت کم لوگ آشنا ہوتے ہیں۔
عقل و نفس و طبیعت کا حال عشق کے مقابلہ میں یہ ہے کہ نفس نقش ہے عقل نقاش ہے
طبع گرد تھی عشق فراش ہے جب عقل نقش کرتی ہے تو نفس امارہ دور ہو جاتا ہے اور جب
عشق منہ دکھاتا ہے تو طبیعت مردہ ہو جاتی ہے۔ اس عالم اسباب میں آدمیوں کو اپنی
شراب و جام و خواب سے عشق ہوتا ہے۔ جہاں شوخی و خوشی ہوتی ہے وہیں اُن کا دل
لگتا ہے عبادت کی بھی خواہش اسلئے ہوتی ہے کہ اُس سے بہشت کی امید ہوتی ہے
جس میں اکل و شرب موجود ہے۔ می و شیر و عسل کی ندیاں اُس میں رواں ہیں۔ دنیا کے رنج و
تعب ساری ملبوس و مطعم و مشرب کے ہیں کوئی آدمی دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس کو
خدا سے عشق ہوتا ہے۔ وہ اس کی رضا و تسلیم میں سر رکھتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اُس کو خیر
جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ عالم خدائے عز و جل کا ہے اُس میں مجھکو کچھ دخل نہیں اُسکی
حکمت میری دعا کی اجابت کی مانع ہوتی ہے۔ بہت سی چیزیں ظاہر میں خوب معلوم ہوتی
ہیں مگر وہ باطن میں معیوب ہوتی ہیں عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہے۔ جو کچھ خدا
کرتا ہے وہ خوب ہوتا ہے ہمارے حکم سے کب باد ہماری کشتی کے بادبان کو چلاتی ہے
خدا ہمارے کہنے میں کب چلتا ہے۔ جو کچھ دنیا میں سوز و ساز ہے اُس میں خدا تعالیٰ کا ایک
راز ہے جو انسان کو نہیں معلوم ہوتا۔ قضاء الٰہی پر آہ کرنا فرومایہ اور گمراہ کا کام ہے
جو قضا کے ساتھ رضا نہیں کہتا بخدا وہ خدا کو نہیں پہچانتا۔ تن و جان ہی قضا سے
مست ہونی چاہئے۔ دل کو سو شکر بھیجنے چاہئیں خدا کا حکم و تقدیر بلا نہیں ہوتی۔

جو کچھ وہ دیتا ہے عطا ہوتی ہے۔ عشق الہی اسی کا نام ہے جو کچھ وہ کرے اسی سے آدمی خوش ہو

(۱۲) عشق

خوشتر آن باشد کہ سر دل بران گفتہ آید در حدیث دیگران

دل میں عشق ایک چنگاری ہے جو کبھی بجھتی نہیں وہ ایک بیماری ہے جو سودا و صفرا سے نہیں پیدا ہوتی۔ اس کا پانا نہایت دشوار ہے۔ اگر آدمی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے۔ تو وہ گھٹنے پر رکھ لیتا ہے سوئی لے کر تلاش کرتا ہے جب وہ ملتا ہے تو اپنے لب سے تر کرتا ہے اُسے نکالتا ہے جب پاؤں کا کانٹا پانا اتنا دشوار ہو تو دل میں جو کانٹا چبھا ہو اس کا دریافت کرنا کیوں نہ دشوار تر ہوگا۔ جیسے لکڑی کے دھوئے کی بو لکڑی کو بتلا دیتی ہے ایسے ہی یہ دل کی بیماری اپنے سبب کو بتلاتی ہے۔ علت عاشق اور علتوں سے جدا ہوتی ہے عشق اسرار الہی کا اصطرلاب ہے عشق ہی سے خود عشق اور عاشقی کا بیان ہوتا ہے۔ آفتاب ہی دلیل آفتاب ہوتا ہے +

(۱۳) محبت کیا کرتی ہے

محبت کیا کرتی ہے تلخ کو شیریں۔ مس کو زر۔ درد کو صافی۔ درد کو شافی۔ خار کو گل۔ سرکہ کو مُل۔ دار کو تخت۔ سنگ کو روغن۔ آہن کو موم۔ سقم کو صحت۔ قہر کو رحمت مردہ کو زندہ۔ شاہ کو بندہ۔ غم کو شادی۔ غول کو ہادی۔ نیش کو نوش۔ شیر کو موش غرض محبت نتیجۂ دانش ہے +

(۱۴) تَوَدُّد و تَاَلُّف

تودد و تالف سے مراد خلق خدا کے ساتھ شفقت سے ملنا ہے۔ دنیا میں یہ ملنا ہی بڑی چیز ہے۔ یار یار سے کسب کمال کرتا ہے۔ جاہ و جلال حاصل کرتا ہے۔ یار یار کے ساتھ ہم جان و ہم تن ہوتا ہے۔ روح و بدن کا سا پیوند ان میں ہوتا ہے۔ تن جان سے زندگی اندوز ہوتا ہے جان تن کو بندگی آموز ہوتی ہے۔ تن بے جان مردار ہے اور

جہان بے تن بیکار ہی صحبت ہی سے گل کی پانی گلاب بنتا ہی۔ گل وریحان پر جب صبا چلتی ہے تو تیری دماغ کو معطر کرتی ہے جب خس و خار پر چلتی ہے تو تیری آنکھہ کو افگار کرتی ہی جب تو لوگوں کی صحبت میں نشست کرے۔ تو بزرگوں کی صحبت میں ادب سے بیٹھہ اور ان نیک بد کو نیک ہی خیال کر کیونکہ وہ بد کام کرتے ہی نہیں اُن کی باتوں سے ایمان اور دین کو سیکھہ۔ رفیقوں کے ساتھہ مروت سے پیش آ۔ ان کے ساتھہ ایثار اور فتوت اختیار کر جب ان کا عیب پردہ سے باہر ہو تو اپنی آنکھہ کو اُس سے پردہ کے اندر کر لے اپنے سے کمتروں کے ساتھہ شفقت کر۔ اگر وہ خطا کریں اُن کی رہ نمائی پند و نصیحت سے کر اگر تو نیک آدمیوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہتا ہی تو نیک بن۔ ایک خوے نیک تجھے اس لائق کر دے گی کہ تو نیکوں میں بیٹھے*

(۱۵) اتفاق

خدا تعالی مسبب آثار اتفاق ہی یعنی اُس نے اتفاق کو سبب بنا کر ساری دنیا کو پیدا کیا ہی۔ اُس نے کل اپنی کائنات کا مدار اتفاق پر رکھا ہی۔ موالید ثلاثہ یعنی حیوانات۔ نباتات جمادات کی بقا اتفاق پر موقوف ہی۔ زمانہ میں۔ بیج ہوا۔ زمین۔ پانی۔ روشنی میں۔ ت عناصر میں اگر اتفاق نہ ہو تو حیوانات اور نباتات کی کوئی نسل باقی نہیں رہ سکتی ہے۔ جماد میں کوئی چیز جلوہ گر نہیں ہو سکتی ہے۔ غرض اگر اتفاق نہ ہو دنیا کی ساری چیزیں معدوم ہو جائیں یا عدم وجود اُن کا یکساں ہو جائے۔ پس یہی حال انسان کے اخلاق کا ہے کہ اگر دل کو اتفاق سے اتفاق ہوا تو ساری بھلائیاں جلوہ گر ہونے لگیں اور اگر نفاق سے اتفاق ہوا تو ساری برائیاں ظاہر ہونے لگیں۔ ظاہر و باطن میں یک جہتی اور دل و زبان میں یکتائی نہ رہی۔ دل میں کچھہ ہی زبان پر کچھہ۔ دل تاریکی سے بھر گیا۔ دوستی کے لباس میں دشمنی کرنے لگے۔ ظاہر میں برادری کے ساتھہ رنج و شادی میں شریک مگر دل میں اور وں کے رنج سے خوش اور خوشی سے ناخوش۔ ظاہر میں بڑوں کی تعظیم مگر دل میں

حقارت - زبان سے کہتے ہیں یار دل میں دغا - زبان سے نیک خواہ دل سے بدخواہ بظاہر
بچوں کے زبان سے بوسے لیں اور دل میں کوسیں - دعا کریں کہیں کہ یہ دل لگی کی بات
تھی جس قوم میں نفاق کی وبا پھیل گئی وہ پایۂ عزت سے گر کر ذلت کے گڑھے میں گر گئی
اس میں ایک دوسرے کا بدخواہ - اپنے تفوق کے لئے بھائی بندوں کے آزار کے درپے
ذرا ذرا سی باتوں پر بڑے بڑے جھگڑے قائم - نہ ہمسایہ کی مروت نہ دوستی کے حقوق
کا خیال - اخلاقی اور علمی مجلسوں سے گریز غرض سعادت کی جگہ شقاوت نصیحت کی جگہ
فضیحت - کوئی کوشش نہ شائستگی کے لئے نہ تہذیب کے واسطے - زبان کو بدگوئی اور گالی
گلوچ میں مزہ - کانوں کو اوروں کے عیب اور غیبتوں کے سننے کا شوق - ہاتھ پاؤں کو اوروں
کی ایذا رسانی میں جنبش غصہ آئے تو کبھی ٹھنڈا نہ ہو - کسی سے عداوت و کینہ پڑ جائے تو
پشتہا پشت میں بھی انتقام کا خیال فرو نہ ہو - کوئی احسان کرے تو احسان نہ مانیں
اگر کوئی نیکی کرے تو اس سے بدی سے پیش آئیں غرض سارے کام وہ کرتے ہیں جس سے سوائے
ذلت و رنج کے کچھ اور نہ حاصل ہو - اب ان سب برے کاموں کے برخلاف بھلے کام اتفاق
کراتا ہے کہ دل کو روشن کرتا ہے - ظاہر و باطن کو ایک بنا دیتا ہے - سارے کام وہ کراتا ہے
جس سے قومی عزت حاصل ہو - اگر سلطنت ہو تو اس کو تقویت ہو جس قوم میں اتفاق
پیدا ہو گیا ساری اچھی چیزیں پیدا ہو گئیں دولت و عزت پانے کے لئے منصوبے -
علمی مجلسوں میں گھما گھمی - علوم و فنون کی مجلسوں میں گرما گرمی - دوستوں کی محفلوں
میں چہل پہل - تجارت کی جماعتوں میں دولت کی ریل پیل - اتحاد و وداد کو رونق - اختلاف
و نفاق کا منہ فق - خستہ دلوں کے واسطے شگفتگی کا سامان - غمزدوں کے واسطے شادی
کا اسباب مہیا - اگر کہیں عداوت کی آگ سلگی تو سب پانی لے کر اس کی طرف دوڑے
اور فوراً اس کو بجھا دیا - قومی ہمدردی - قومی اتحاد و باہمی ارتباط - قومی موافقت سے
دین و دنیا کی ساری نعمتیں انسانوں کو حاصل ہوتی ہیں - نفاق سے حسد - بغض - کینہ -

خبث باطن غرض وہ باتیں کہ جن سے نہ عزت حاصل ہو نہ دولت نہ حکومت۔ ہمارے ملک میں نفاق کو رونق ہے اسلئے ہمارے ملک کا موسم بے رونق ہیں ہم ایک دوسرے پر حسن ظن نہیں رکھتے ہیں ساتھ ملکر کوشش نہیں کرتے کسی شخص کو بخت و اتفاق سے کوئی جاہ و منصب حاصل ہو گیا تو اس کی تذلیل و تحقیر کے درپے ہوتے ہیں اس کی قدر و منزلت نہیں کرتے

نفاق تختہ تہذیب کو الٹ دیتا ہے۔ تہذیب درجہ بدرجہ اس محبت سے ترقی پزیر ہوتی ہے جو صلح و اتفاق کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ذہن زمین ہے اس کی زراعت تہذیب ہے جسکی سرسبزی اتفاق کے ہاتھ میں ہے۔ وہی سارے حاصلات اس کے پیدا کرکے لوگوں میں تقسیم کرتا ہے جس سے لوگ مرفہ الحال ہوتے ہیں۔

(۲) مرد و زن کے قران و اتفاق سے بشر و آہن سنگ کے قران سے شرر۔ خاک و باران کے قران سے میوے۔ سبزے۔ گل و ریحان۔ آدمی اور سبزہ کے قران سے دلی خوشی و بے غمی و خرمی۔ خرمی و جان کے قران سے خوبی و احسان۔ خون اور خوشی کے قران سے گلگونی و سرخ روئی۔ عقل میں قوت اتفاق سے منافق کے کام میں قوت شیطان کے اتفاق سے پیدا ہوتی ہے۔

باب ششم
گناہ و توبہ
(۱) گناہ

کسی کام کے کرنے میں یا نکرنے میں حکم الہی کی مخالفت کا نام گناہ ہے۔ یوں تو انسان کے اوصاف اور اخلاق بہت سے ہیں مگر جن خصلتوں سے کہ گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ یہ چار ہیں۔ ربوبیت۔ شیطانیت۔ بہیمی۔ سبعی۔ صفت ربوبیت مقتضی ایسے امور کی ہوتی ہے جیسے کبر۔ فخر۔ جابر ہونا۔ اپنی مدح و ثنا کی محبت۔ عزت۔ تونگری۔ ہمیشہ باقی رہنے کی محبت سب خلق پر بلندی چاہنا۔ یہاں تک کہ انا ربکم الاعلی پر نوبت پہنچانی۔ اس صفت سے

ایسے گناہ کبیرہ سرزد ہوتے ہیں کہ لوگوں کو اُن کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور اُن کو گناہوں میں شمار نہیں کرتے حالانکہ وہ بڑے مہلک ہیں اور اکثر گناہوں کی جڑ ہوتے ہیں چن دوسری صفت شیطانی سے حسد۔ سرکشی۔ حیلہ۔ مکر۔ جھگڑے۔ بُری بات کا حکم کرنا۔ کھوٹا نفاق۔ پیدا ہوتے ہیں۔ تیسری صفت بہیمی سے یہ قباحتیں متفرع ہوتی ہیں۔ شدت حرص طمع۔ شہوت۔ چوری۔ یتیم کا مال ہضم کرنا۔ مال حرام جمع کرنا۔ چوتھی صفت سبعی ہے اُس سے یہ بُرائیاں نکلتی ہیں۔ غضب۔ کینہ۔ لوگوں پر مار پیٹ۔ گالی گلوچ کرنا۔ قتل کرنا۔ ضائع کرنا۔ یہ چاروں صفت بتدریج انسان میں پیدا ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے بہیمی صفت غالب ہوتی ہے اور اُس کے بعد صفت سبعی ظاہر ہوتی ہے اور یہ دونوں جمع ہو کر عقل کو مکر و فریب اور حیلے میں لگاتے ہیں اور اس سے صفت شیطانی کا زور ہوتا ہے پھر سب سے آخر میں صفات ربوبیت۔ غرض گناہوں کا مبدء اور عصیان کا منبع تو یہی چار باتیں ہیں پھر اُن میں سے اعضاء پر گناہ پھیل پڑتے ہیں۔ بعض اِن میں خاص دل سے متعلق ہوتے ہیں جیسے کفر و بدعت۔ نفاق۔ لوگوں سے بُرائی دل میں رکھنی۔ بعض متعلق کان آنکھ سے۔ بعض پیٹ سے۔ بعض ہاتھ پاؤں سے۔ بعض تمام بدن سے۔

(۲) خیر و شر کی تقسیم

واضح ہو کہ دنیا کے جتنے اسباب ہیں اُن میں سے ہر ایک میں بھلائی کے ساتھ بُرائی ملی ہوئی ہے۔ اُن کی تین نوع ہیں۔ اول وہ جن کا نفع ضرر کی نسبت زیادہ ہو۔ مثلاً مال و جاہ اور بعض اور اسباب بقدر حاجت و کفایت۔ دوسرے یہ کہ اکثر لوگوں کے حق میں اُس کا ضرر نفع کی نسبت زیادہ ہو مثلاً مال و جاہ کثیر۔ تیسرے یہ کہ ضرر و فائدہ دونو مساوی ہوں اور یہ وہ باتیں ہیں کہ لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں بہت سے نیک بخت آدمی اس طرح کے ہیں کہ وہ بہت سے مال سے بہت خود فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اوروں کو نفع پہنچاتے ہیں اُن کے حق میں مال و جاہ نعمت ہے اور بہت سے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تھوڑے مال سے ضرر

پلتے ہیں یعنی ہمیشہ اُس کو کم جانتے ہیں اور خدا سے شکوہ اور طلب زیادتی کی کیا کرتے ہیں اُن کے واسطے مال مصیبت ہے۔ جتنی باتیں نیک ہیں وہ ایک اعتبار سے تین قسم کی ہیں اول وہ جو بذاتہ مقصود و محبوب ہوں جیسے سعادات اخروی۔ دوسرے وہ کہ دوسری چیز کے پیدا کرنے کے لئے چاہتے ہوں جیساکہ روپیہ اشرفی کہ اگر اس سے حاجت روا نہ ہوں تو روپیہ اشرفی اور پتھر کنکر برابر ہیں تیسرے وہ کہ دو نو بذاتہ اور لغیرہٖ مطلوب ہوں مثلاً صحت و سلامتی کہ انسان اسلئے بھی چاہتا ہے کہ دین و دنیا دونوں کے کام اچھی طرح کر سکے اور وہ بذات خود بھی محبوب ہیں اب ایک اور اعتبار سے تین قسمیں کی جاتی ہیں اول لذیذ جن کا نفع اُسی وقت معلوم ہو۔ دوسری نافع جو آخر کو مفید ہوں تیسری جمیل جو سب احوال میں اچھی معلوم ہوں اور برائی بھی تین قسم کی ہیں۔ ضار۔ قبیح۔ ایذا رساں۔ پھر خیر و شر کی دو قسمیں ہیں مطلق و مقید۔ خیر مطلق اسکو کہتے ہیں جس میں تینوں اوصاف خیر کے جمع ہوں جو اوپر مذکور ہوئے مثلاً علم و حکمت کہ ارباب حکمت و علم کے نزدیک وہ نافع بھی ہیں اور جمیل و لذیذ بھی شر مطلق جیسے جہل کہ وہ مضر و قبیح و ایذا رساں ہے۔ دوسری قسم مقید یہ ہے کہ جس میں کچھ اوصاف خیر کے اور کچھ اوصاف شر کے ملے ہوں مثلاً بعض اوقات ایک نافع چیز سے ایذا ہوتی ہے جیسے کوئی انگلی بیکار یا سولی وغیرہ کٹوا دے۔ اور کبھی نافع چیز قبیح ہوتی ہے جیسے کہ حمق کہ بعض اعتبار سے نافع ہوتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے یہ قول مشہور ہے۔ استراح من لا عقل لہ یعنی بے عقل آدمی چین سے رہتا ہے کیونکہ اُس کو انجام کا اہتمام نہیں ہوتا۔ اسیواسطے سر و راحت میں رہتا ہے کبھی کوئی چیز من وجہ مضر ہوتی ہے اور من وجہ نافع ہوتی ہے جیسے ڈوبنے کے خوف کے وقت مال کو دریا میں پھینک دینا کہ ہرچند اس سے مال کو ضرر ہوتا ہے مگر نفس کو نفع ملتا ہے کہ اُس کی نجات ہو جاتی ہے یعنی بوجھ کے اتار ڈالنے سے کشتی بچ جاتی ہے

(۳۳) توبہ

انسان کے خمیر میں خیر اور شر آپس میں ایسے مضبوط ملے ہوئے ہیں کہ اُن کو آپس سے جدا کر کے

خیر محض بنا کر فرشتہ ہونا۔ یا شر محض بن کر شیطان بنانا ممکن ہے۔ انسان بغیر گناہ کئے نہیں رہ سکتا انسان کی سرشت ایسی ہے کہ وہ شر سے خیر کی طرف اور خیر سے شر کی طرف رجوع کرتا ہے جیسا حضرت آدم نے خطا کی اور بعد خطا کے توبہ کی یعنی خیر سے شر کی طرف اور پھر شر سے خیر کی طرف رجوع کی تو آدم زاد پھر کیوں نہ ایسا کرے کیونکہ مثل مشہور ہے کہ باپ پر پوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ جو شخص یہ جانتا ہے کہ گناہ کرنے سے دین دنیا دونوں میں ضرر ہوتا ہے یہاں بھی اور وہاں بھی اس سے کالا منہ ہوتا ہے۔ اور اس کا یقین دل پر غالب ہو جاتا ہے وہ جب گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں رنج و افسوس ہوتا ہے جسکو ندامت کہتے ہیں جب اس ندامت سے دل میں رنج غالب ہوتا ہے تو انسان قصد کرتا ہے کہ میں اس بُرے کام کو عمر بھر نہ کرونگا۔ پس ان تینوں علم۔ ندامت۔ ارادہ ترک فعل کے مجموعہ کا نام توبہ ہے۔ توبہ ایک ایسا نور انسان کے سامنے ہے کہ جس سے وہ تاریکی جہالت کو مٹا سکتا ہے۔ ساری حرکات مذمومہ کو افعال محمودہ سے بدل سکتا ہے۔ اس سے فقط یہی نہیں کہ وہ زمانہ حال میں اپنے فعل بد کو چھوڑ دیگا۔ بلکہ اس کے استقبال میں اس کے ترک کا ارادہ کرے گا۔ گذشتہ کے لئے حزن و ملال کرے گا۔ اور اس کی مکافات کے درپے ہوگا۔ جیسے آدمی زہر کھا جائے تو اس وقت قے کر کے معدہ سے نکالتا ہے۔ ایسے ہی انسان کو چاہیئے کہ جسوقت گناہ سرزد ہو تو اُس کا توبہ سے علاج کرے۔ نادم ہو۔ اور آیندہ اُس کے ترک کا ارادہ کرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو زہر کا اثر چڑھ جائے گا اور پھر وہ لاعلاج ہو جائیگا۔ جہاں انسان نے گناہوں کی عادت اختیار کی پھر دل میں نہ ندامت پیدا ہو۔ نہ ترک گناہ کا ارادہ ہو۔ اگر ارادہ بھی ہو تو گناہ کا چھوڑنا پھر اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔ ہر انسان کو توبہ کرنی ضرور ہے اسلئے کہ ہر شخص کے اعضا گناہ سے خالی نہیں ممکن نہیں کہ آنکھوں سے وہ کسی کو بُری نگاہ سے نہ دیکھے یا بُری بات کانوں سے نہ سُنے۔ پاؤں سے بُری راہ میں نہ چلے۔ اگر اعضا کے گناہ سے بعض وقت بچ جائے گا تو دل سے گناہ کرنے کے قصد سے نہیں بچیگا اگر تو دل میں قصد گناہ نہ کرے گا تو اور وسوسوں سے نہیں بچے گا۔ خیالات

پریشان دل میں آئیں گے۔ اگر ان وسوسوں سے بھی نجات ہو تو خدا تعالیٰ اور اُس کی صفات و افعال کی واقفیت میں غفلت و قصور کرے گا۔ غرض ان سب خطاؤں سے بچنا انسان کا محال ہے آدمی کے دل پر گناہ کرنے سے تاریکی ایسی آتی ہے جیسے کہ آئینہ پر منہ کی بھاپ سے۔ گناہ متواتر کرنے سے دل ایسا سیاہ ہو جاتا ہے جیسا آئینہ مورچہ لگنے سے یا متواتر منہ کی بھاپ لگنے سے جس طرح آئینہ کی صفائی کے لیئے یہی کافی نہیں ہے کہ اُس پر آگے کو بھاپ اور سیاہی نہ ڈالیں بلکہ پہلی بھاپ اور زنگ کو مٹائیں جب اُس میں صورت نظر آئے۔ اسی طرح جلاء دل کے لیئے یہی بات کافی نہیں کہ اتباع شہوت آیندہ کے لیئے چھوڑ دیں بلکہ ضرور ہے کہ جو تاریکی پہلے گناہوں کے سبب سے دل پر آگئی ہے اُس کو بھی مٹائیں۔ اور یہ مٹانا اس طرح ہو سکتا ہے کہ آدمی نیکیاں کرے۔ نیکی کا نور چہرۂ دل سے بدی کی تاریکی کو دور کر دیتا ہے اور اس نور کے سامنے معاصی کی تاریکی کی کچھ تاب نہیں جیسے کہ رات کا اندھیرا دن کے اُجالے کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ یا جیسے میل کی کدورت صابون کی سفیدی کے سامنے نہیں رہتی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ دل سے بدی کی کدورت کو نیک کام نہیں دور کرتے وہ یہ کہتا ہے کہ آفتاب سے اندھیرا نہیں جاتا یا صابون سے دھونے سے کپڑے کا میل نہیں چھوٹتا۔ مگر ہاں یہ سچ ہے کہ اگر میل کی تہ کپڑے کے جگر میں گھس جائے تو پھر صابون سے اُس کو دور نہیں کر سکتے اسی طرح اگر گناہوں کے پے در پے کرنے سے دل پر ایسا زنگ لگ گیا ہے تو توبہ سے بھی وہ نہیں چھوٹے گا۔ گو ایسے گناہگار زبان سے توبہ توبہ کہتے ہیں۔ مگر ان کے دل میں ندامت اور ترک گناہ کا خیال نہیں آتا۔ دھوبی کی زبانی کہنے سے کہ کپڑا دُھل گیا کپڑے کی میل نہیں چھوٹنے کی بلکہ جب وہ اسکے چھٹانے کی تدبیر کریگا تو دور ہوگی اور کپڑا اُجلا ہوگا۔ جو لوگ دنیا پر گرے ہوئے ہیں اور خدا سے پھرے ہوئے ہیں اُن کا حال ایسا ہی ہے کہ زبان پر توبہ دل میں گناہ۔ جو شخص گناہ کرنے سے دل میں نادم ہوتا ہے اس پاس گناہ بھی آتے ہوئے شرمندہ ہوتے ہیں دور ہی بھاگتے ہیں نیکی کو بدی ایسا ہی مٹاتی ہے جیسے کہ میاں کو پانی بجھاتا ہے۔

(۴) توبہ کی ہدایت

ایک وقت تجھ پر ضرور ایسا آئے گا کہ دوست تجھ پر غم کریں گے دشمن خوش ہوں گے۔ وارثوں کا حلقہ تیرے سر کے گرد ہوگا۔ ظاہر میں وہ گریاں اور دل میں خنداں ہونگے۔ تیرے مال لینے کی فکر میں ہونگے۔ تیرے اعمال کا خیال اُن کو کچھ نہ ہوگا۔ پہلے اس سے کہ یہ واقعہ تجھے پیش آئے تو توبہ سے اپنا چارہ کر۔ ہوا و نفس پرستی سے دست کش ہو۔ جو کچھ بُرا کیا ہے اُس سے باز رہ۔ اور پشیمان اور اشک افشاں ہو۔ پھر خطا و جفا و عصیاں کی سرحد میں قدم رکھنے کا عہد و پیمان کر۔ اس توبہ کے باغ کے سب گل یک رنگ ہیں۔ سب مرغ اس کے ہم آہنگ ہیں۔ اس کا جو میوہ اس سال میں کھائے گا وہی دوسرے سال میں چکھے گا۔ جو کار بار بار کیا جاتا ہے اُس میں مزہ نہیں رہتا۔ پس معاصی کے مزے کیا بار بار چکھتا ہے۔ توبہ کا بھی مزہ چکھ کہ وہ بہت لذیذ ہے۔ توبہ کے بعد چاہیئے کہ پھر تیری طبیعت گناہ کی طمع نہ کرے۔ توبہ تو آدمی کی خاصیت میں داخل ہونی چاہیئے۔ اسلئے کہ وہ حضرت آدم کی اولاد ہے جنہوں نے خطا پر خود توبہ کی ہے پس چہرہ کو خاک نیاز سے پر گرد اور خون جگر سے رنگین کر۔ میل گنہ کے حرف کو دل سے تراش۔ اور خدا کے آگے ہاتھ دعا کے لئے اُٹھا کہ اے خطا بخش تو میری خطا کو معاف کر میں اب گناہ سے توبہ کرتا ہوں۔ گناہ کی آگ نے میرے دل کو جلا کر کباب کیا ہے۔ تو میرے دل پر توبہ کا دروازہ کھول دے اور اُس کا اثر میرے دل پر ڈال دے۔ ہمارا کام گناہ ورزی ہے تیرا کام گناہ آمرزی ہے۔ توبہ کرنا ہماری نہاد میں ہے مگر اُس کی کشاد تیرے ہاتھ میں ہے۔ ہم جو گناہ کے جنگل میں گمراہ ہو رہے ہیں سوا توبہ کے کوئی چارہ نہیں۔ پس تو توبہ کی اور اُس پر ثبات کی توفیق دے۔ اور اس توبہ کی نخوت کو بھی ہمارے دماغ سے نکال کیونکہ اس توبہ پر مغرور ہونا بھی گناہ ہے +

(۵) توبہ کا قبول ہونا

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ۔۔۔ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔۔۔ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

تو گناہ کے پیڑ لگائے تو اُن کو توبہ کا پانی دے۔ جسّے حزن و ندامت کا پھل آئے۔ ندامت کے جھروکہ پر بیٹھ کر اپنے گناہوں کے صحیفہ کو پڑھنا شروع کر جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نفس پر خوف چھائے گا اور اُس سے ناامیدی کی خندق کو پاٹ لے گا۔ ہوائے نفسانی کے اُپوں کو اُتر کر میدان علم میں پہونچے گا اور چشمۂ حکمت سے سیراب ہوگا اور ہوشیاری کی کشتی میں سوار ہوکر نجات کا بادبان چڑھائے گا اور بحرِ سلامت میں لنگر اٹھا کر ساحل راحت اور عزت و کرامت پر پہنچ جائیگا

(۶) توفیق - ہدایت - رشد - عصمت

ہر شخص کو توفیق کی ضرورت ہے۔ توفیق کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے ارادے اور قضا و قدر الٰہی میں تالیف ہو۔ اور ربط ہو۔ اور ربط کا ہونا خیر و شر دونوں میں شامل اور سعادت و شقاوت دونوں میں داخل ہے۔ مگر عادت یہ ہوگئی ہے کہ توفیق خاص اس کو کہتے ہیں جو قضا و قدر سعادت کے موافق ہو۔ بہرحال توفیق کی حاجت ہونے میں کچھ شک نہیں جیسا حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں

گر از حق نہ توفیق خیرے رسد کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

ہدایت کا حال یہ ہے کہ اُس کے بدون کوئی شخص سعادت کا طالب نہیں ہو سکتا۔ اسواسطے کہ انسان کا ارادہ کبھی ایسی چیز کی طرف ہوا کرتا ہے جس میں اُس کی آخرت کی بہتری ہو لیکن جب یہی نہ جانتا ہو کہ میری صلاح و بہتری کس چیز میں ہے یہاں تک کہ فساد کی شے کو بہتری کی چیز جان لے تو صرف ارادہ سے کیا نفع ہوگا۔ غرض کہ ارادہ اور قدرت اور اسباب سے جب تک عقل خیر و شر کا طریقہ نہ بتائے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ رشد سے مراد وہ عنایت الٰہی ہے ہوتی ہے جو انسان کو اپنے مقصد کی طرف متوجہ ہونے کے وقت مدد کرتی ہے جسکو تائید کہتے ہیں یعنی اگر مقصد مذکور میں اُس کی بہتری ہوتی ہے تو اُس کو قوت دیتی ہے اور اگر اُس کے حق میں بُرائی ہوتی ہے تو اُس کو سُست کر دیتی ہے۔ اُس کو تسدید کہتے ہیں + عصمت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کے دل میں وہ عنایت پروردگار ہو جس کے باعث آدمی خیر و خیرات کرنے پر اور شر سے احتراز کرنے پر قادر ہو۔ گویا کوئی اندرونی روکنے والا بیٹھا ہے کہ معلوم نہیں ہوتا۔ غرض یہ تینیں یعنی توفیق رشد

ہدایت عصمت کی جب آدمی کو میسر ہوتی ہیں کہ فہم صاف و تیز ہو۔ گوش حق نیوش۔ دل بصیرت منزل۔ تواضع گزین۔ مراعات آئین ہو۔ استاد خیر خواہ ملے۔ مال اتنا ہو کہ اُس کی کمی کے باعث مہمات و ضروریات سے قاصر ہو نہ کثرت کی جہت سے مانع اشتغال دینی ہو اور عزت اتنی ہو کہ جس سے احمقوں کی جہالت اور اعدا کے ظلم سے بچا رہے +

باب ہفتم

دنیا و محبت دنیا

(۱) دنیا کی محبت

بزرگان دین کا ارشاد ہے کہ دنیا کی خباثت میں سے ہے کہ آدمی اُسکے لئے خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور جب تک یہ نہیں چھوٹتی آخرت نہیں ملتی۔ دنیا کو گذرگاہ سمجھو اور مسافروں کی طرح سے اِس سے گذر جاؤ۔ عمارت وغیرہ نہ بناؤ۔ اور جان رکھو کہ سب برائیوں کی جڑ دُنیا کی محبت ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک گھڑی کی خواہش نفس بہت دنوں کے رنج کا موجب ہوتی ہے۔ بعضوں کی خود دنیا طالب دنیا ہے اور بعض دنیا کے طالب ہیں۔ جو لوگ طالب آخرت ہیں اُن کی تو زندگی بھر دنیا طالب ہے اور جو طالب دنیا ہیں اُن کو آخرت بلاتی رہتی ہے یہاں تک کہ موت آن کر گردن پر سوار ہو جاتی ہے۔ آدمی کہا کرتا ہے کہ یہ میرا ہے یہ میرا ہے حالانکہ اس کا اُس قدر ہے جو کھانے میں کھو دیا یا پہن کر اُڑا دیا یا خیرات دے کر جمع کر دیا۔ صلحا کے نزدیک دنیا ایسی ذلیل ہے جیسے کہ جذامی کے ہاتھ میں استخوان خوک بے گوشت یا بڈھی کے منہ میں بنری۔ دنیا اُن کے سامنے کیسے ہی بن سنور کر آئے وہ اُسے مُنہ نہیں لگاتے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کسی کے پاس رہے گی اور نہ کوئی اُس کے پاس رہے گا۔ انسان کے دل میں دنیا و آخرت کی محبت کا جمع ہونا ایسا ہے جیسے ایک برتن میں پانی اور آگ کا جمع ہونا۔ یہ دو بیگانہ کبھی آپس میں نہیں ملتے۔ یہ دو مخالف نغمے ایک تار سے نہیں نکلتے۔ ایک بام پہ دو ہوائیں نہیں ہوتیں۔ حضرت امیر المومنین کا قول ہے کہ دنیا و آخرت بمنزلہ مشرق و مغرب کے ہیں چلنے والا جتنا ایک کے نزدیک ہوتا ہے

دوسرے سے دور ہوتا ہے۔ دنیا میں سلطنت بغیر کشت و خون و ظلم کے۔ تونگری بدون فخر اور بخل اور محبت کے نہیں حاصل ہوتی۔ دنیا کو لوگ اس طرح چاہتے ہیں جیسے کہ بچہ ماں کو چاہتا ہے کہ جب سامنے آئی خوش ہو گیا اور جب چلی گئی تو رنجیدہ ہو کر رونے لگا۔ جو لوگ دنیا سے محبت نہیں کرتے خدا اُن سے محبت کرتا ہے۔ اکثر آدمی آخرت کی خیر و شر کو ایسا یقینی نہیں جانتے جیسے کہ دنیا کی بھلائی بُرائی کو جانتے ہیں۔ آخرت غائب ہے دنیا موجود ہے۔ اسلئے نقد سست کی محبت غالب ہے۔ یہ وجہ محبت نہایت پوچ ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو امور آدمی کے سامنے نہیں ہوتے اور صرف موہوم ہوتے ہیں اُن کے لئے صدہا طرح کی مصیبتیں آدمی اُٹھاتا ہے اور رنج و دکھ سہتا ہے اور بہت طرح کی حرکتیں اُس کے حصول کے لئے کرتا ہے۔ ذرا سی ملنے پر انسان ہشاش بشاش ہوتا ہے اور تھوڑی سی چیز کے نقصان پر رنجیدہ اور افسردہ۔ مگر دین کے نفع و نقصان سے اُس کو ایسی شادی و غم نہیں ہوتے +

مال دنیا دام مرغان ضعیف	ملک عقبیٰ دام مرغان شریف
سوئے دریا عزم کن زیں آب گیر	بحر جوے و ترک ایں گرداب گیر

جیسے مریض کی اشتہار طعام جس پر مدار زندگی ہوتا ہے جاتی رہتی ہے تو لذیذ کھانا بھی بُرا معلوم ہوتا ہے ایسا ہی جو دل حُب دنیا کی حرص میں مبتلا ہے وہ یاد الٰہی سے جس پر حیات جاودانی منحصر ہے بھول جاتے ہیں اُسکے ذکر کے قریب نہیں جاتے حضرت لقمان رح نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ دنیا ایک گہرا سمندر ہے اُس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے تم اپنی کشتی دنیا میں تقویٰ اور ایمان کو بناؤ اور توکل کا بادبان چڑھاؤ تاکہ اس بوجھ سے نجات پاؤ۔ دنیا ہڈیوں کو بُرا کرتی ہے اور امیدوں کو بنا اور موت کو نزدیک کرتی ہے اور آرزوں کو دور جس کو ملتی ہے وہ مشقت میں پڑتا ہے اور جس کو نہیں ملتی وہ رنج اٹھاتا ہے ۰

بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست	کہ رنج خاطرست ار ہست و گر نیست

(۲) ایک حکیم کہتا ہے دنیا تھی اور میں نہ تھا اور وہ رہے گی میں نہ رہوں گا میں اُس کی طرف

رغبت نہیں کرتا اس لئے کہ اُس کی زندگی تلخ ہے اور اُس میں کدورت کا نام صفائی ہے اہل دنیا کو ایک نہ ایک خوف لگا رہتا ہے خواہ نعمت کے دور ہونے کا یا مصیبت کے آنے کا یا موت کے کام کر جانے کا۔ بعض کا قول ہے کہ یہ دنیا کے عیبوں میں سے ہے کہ کسی کو استحقاق کے موافق نہیں دیتی کمی بیشی خواہ مخواہ ہوتی ہے۔ نا اہلوں کے حوالہ کی گئی ہے جو دنیا کو محبت سے طلب کرتا ہے جتنی اُس کو ملتی ہے اُس سے زیادہ طالب ہوتا ہے ؎

گفت چشم تنگ دُنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور

یحیی بن معاذ رح کا قول ہے کہ دنیا شیطان کی دکان ہے اُس میں کچھ مت چُراؤ نہیں تو وہ تمہارے پیچھے لگے گا اور پکڑ لے گا حضرت فضل رح کا قول ہے کہ اگر دنیا سونے کی ہوتی اور فنا ہو جاتی اور آخرت ٹھیکری ہوتی اور باقی رہتی تو بھی عقلا کو یہی چاہیئے کہ باقی چیز کو پسند کرتے اور فانی کو چھوڑتے مگر اب تو یہ فانی چیز ٹھیکری ہے اور باقی چیز سونے کی معلوم نہیں کیوں انسان واہیات چیز کو عمدہ چیز سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ انسان کو دنیا سے ایسی محبت ہے کہ سارے دن اُس کا ذکر کیا کرتا ہے +

(۳) اکثر آدمیوں کا یہ حال ہے کہ نہ کچھ دنیا کے مزے اُڑاتے ہیں نہ کچھ دین سے کام رکھتے ہیں عقبیٰ کی اجر کی امید پر دنیا کو چھوڑتے ہیں نہ دنیا سے زیادہ خدا کے عاشق ہوتے ہیں بعضوں کا قول ہے کہ دنیا مردار ہے جو کوئی اُس میں سے کچھ لینا چاہے تو کتّوں کے ساتھ رہنے پر صبر و تحمل کرے اور دنیا کی برائی میں حافظ شیراز فرماتے ہیں ؎

مجو درستی عہد از زمانِ سست نہاد کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است
فریب عشوۂ حسن از جہان پیر مخور کہ ہر کہ کرد با و اختلاط ناشاد است

(۴) دنیا ایک دوست کے لباس میں دشمن ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ ایسے مکان کی کیا تعریف کروں کہ جو اس میں تندرست ہے بیماری سے نڈر نہیں جو بیمار ہو تو نادم ہو اور جو مفلس ہو جائے تو غم کرے اور تونگر ہو تو بلاؤں میں پھنسے۔ مال حلال ہو تو حساب دینا پڑیگا

اور حرام تو عذاب میں مبتلا ہو +

(۵) دنیا ایک جادوگرنی ہے وہ تھوڑا بہت سب کے دلوں پر جادو کرتی ہے۔ حضرت ابو سلیمان رح کا قول ہے کہ جب آدمی کے دل میں آخرت ہوتی ہے تو دنیا اُس کا مقابلہ کرتی ہے لیکن اگر دنیا دل میں ہوتی ہے تو آخرت مقابل نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ آخرت شریف ہے اور دنیا کمینی کمینے کا مقابلہ شریف نہیں کیا کرتا۔ سیار بن حکم فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت دونوں دل میں اکھٹے ہوتے ہیں اُن میں جو غالب ہو جاتی ہے دوسری اُس کی تابع ہو جاتی ہے۔ حضرت مالک دینار رح کا قول ہے کہ جتنا دنیا کے لیئے تردد کرو اُتنا ہی آخرت کی فکر دل سے جاتی رہتی ہے اور جتنا آخرت کا تردد کرو اُتنا ہی دُنیا کی فکر دل سے ٹل جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں جسقدر ایک راضی ہوگی اسی قدر دوسری ناخوش ہوگی +

(۶) دنیا میں بیشک بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے نزدیک دنیا خاک یا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہوتی ہے۔ اُن کو اِس کی کچھ پروا نہیں کہ دنیا کدھر سے آئی اور کدھر چلی گئی کس کے پاس ہے اور کس کے پاس سے جاتی رہی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ دُنیا ہشیاروں کے لیئے غنیمت ہے اور جاہلوں کے لیئے غفلت یعنی دانا آدمی اس میں اعمال نیک کرنے کو لوٹ اور مفت سمجھتے ہیں اور نادان اُن کو پہچانتے نہیں حضرت لقمان رح نے اپنے بیٹے سے فرمایا ہے کہ جب سے تو دنیا میں پیدا ہوا وہ ہٹتی چلی جاتی ہے۔ اور آخرت مُنہ کے سامنے آتی جاتی ہے پس اپنے تئیں وہاں پہنچا جو نزدیک اور ساتھی ہے دور کی جگہہ جانے سے کیا فائدہ۔

(۷) دنیا میں انسان پر رات دن گذرے جاتے ہیں کبھی مصیبت ہے کبھی راحت ہے۔ جب آدمی دنیا سے جاتا ہے تو اُس کو یہ حسرتیں ہوتی ہیں کہ جو جمع کیا تھا اُس سے سیر نہ ہوا جو تمنا تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ آخرت کا توشہ تیار نہ ہوا۔ دنیا میں تونگر وہی ہے جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔ ایک حکیم سے کسی شخص نے پوچھا کہ دُنیا کسے ملتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ

جو اُسے چھوڑ دے۔ پھر پوچھا کہ آخرت کس کو ملتی ہے اُس نے جواب دیا کہ جو اُس کو طلب کرے۔
بکر بن عبد اللہ رح کا قول ہے کہ جو کوئی دنیا کو اِس غرض سے چاہے کہ مجھے دنیا کی حاجت نہ رہے
تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی آگ کو گھاس سے بجھانا چاہے۔

(۸) حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے کہ دنیا میں چھ چیزیں ہوتی ہیں کھانا پینا پہننا سواری نکاح خوشبو۔ سب کھانوں میں عمدہ شہد ہے وہ مکھی کا لعاب ہے۔ پینے کی چیزوں میں اچھا پانی ہے جس میں سب نیک و بد برابر ہیں۔ پوشاک میں حریر افضل ہے وہ کیڑوں کے ریشم سے بنتا ہے اور سواریوں میں افضل گھوڑا ہے جس پر لڑائی میں مارے جاتے ہیں اور منکوحات میں اشرف عورت کی صحبت ہے جو پیشاب گاہ کا پیشاب گاہ میں جانا ہے۔ سونگھنے کی چیزوں میں عمدہ مشک ہے جو حیوان کے خون سے بنتا ہے۔ غرض سب چیزیں ایسی ہی واہیات ہیں۔

(۹) دنیا میں کوئی دم شادی بے غم نہیں ہوتی اور کوئی خوش حال بے ملال نہیں ہوتا۔ ہر عشرت میں اُس کی زہر حسرت ہے اور ہر سرور میں اسکے شر و شور۔ سہ

خرمی بے غم نے باشد دریں باغ خراب خندہ گل دار د از پے اشکہائے یزان گلاب

دنیا جائے محنت ہے نہ جائے راحت۔ ہر سود میں زیان۔ ہر کمال میں نقصان۔ ہر گنج پر مار رنج۔ دانہ طرب کے ساتھ دام تعب۔

(۱۰) حُبِّ دُنیا کے اصول و فروع

دنیا کو یوں سمجھو کہ ایک درخت ہے جو وسوسہ ہائے شیطانی کی باغبانی سے نشو و نما پاتا ہے اور شہوات اور آرزوؤں کے ریشے دل میں دوڑا کر محکم کرتا ہے اور صفاتِ ذمیمہ کی شاخ در شاخ نکالتا ہے ارتکاب گناہ کے شگوفے کھلاتا ہے جس کا ثمرہ سوا رحمت الٰہی کی نا اُمیدی کے کچھ اور نہیں ہوتا اس شجر کو مواعظ اور نصائح کے تیشہ سے کاٹو۔

(۱۱) تمام نفسانی شہوتیں اور آرزوئیں سات قسم کی ہیں اول شہوت جاہ و جلال۔ دوم شہوت اکل مال سوم شہوت عمارات و مکانات عالی شان چہارم شہوت معاشرت شاہانہ

پنجم شہوت اطعمہ و اشربہ خوشگوار۔ ششم شہوت البسۂ اقمشۂ فاخرہ۔ ہفتم شہوت مجالست و مصاحبت ظرفا و ندمائے شیریں کار اور ساقی شوخ کے ہاتھ سے بادہ گلنار اور عمر گراں بہا کو رود و سرود و لہو و لعب میں گذراننے کی۔ ان شہوتوں کے ریشہ و انہ سے یہ صفات ذمیمہ پیدا ہوتی ہیں۔ اول تکبر۔ دوم بخل۔ سوم غضب حقد و حسد۔ چہارم طمع۔ پنجم ریا و سمعہ۔ ششم ظلم۔ ہفتم تندخوئی۔ ان سب صفات ذمیمہ کے ریشوں کے کاٹنے کے لئے ہم نے اپنے بیان کو تیشہ بنایا ہے جابجا دیکھ لو کہ وہ ان کو کاٹتا چلا جاتا ہے +

(۱۲) دنیا کی مذمت کی باب میں نصیحتیں و مواعظ

بعض اکابر کا قول ہے کہ زندگی پر مت پھولو اور موت کو مت بھولو۔ خدا سے ڈرو نیک عمل کرو دنیا کے طالب ہو نہ اس پر راغب ہو۔ دنیا بڑی مکار اور دغاشعار ہے اول اپنے معاملے چکناتی ہے پھر آرزوؤں کے جال میں پھنساتی ہے۔ اپنا بناؤ سنگار دلہن کی طرح دکھاتی ہے اس پر سب کی نگاہ پڑتی ہے۔ اس پر دل و جان سے شیفتہ و فریفتہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے عاشقوں کو خاک میں ملاتی ہے۔ جو اس پر بھروسا کرتا ہے اس کو وہ رسوا کرتی ہے۔ اس میں آفتیں بہت ہیں اس کا ہنر شر ہے۔ اس پر عاشق ہونا سراسر خطا ہے۔ وہ تیرے لئے عطا حق نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک اژدہا ہے جس نے تیرے باپ دادا کو کھایا ہے تو اس کو اپنے پاس نہ بلا۔ کبھی تو اس پدرکش سے خوش نہیں ہوسکتا۔ اس سے آزار پر آزار پہنچتا ہے اس کی راہ میں دین نشو و نما نہیں پاسکتا۔ یقین کو تاب و تابش نہیں ہوتی۔ اس نے اپنے تئیں خوب بنا رکھا ہے۔ بہت چابک تر و تازہ و خوش و نغز معلوم ہوتی ہے۔ مگر دین کی نظر میں وہ زنگی درشت رو و بدچشم نظر آتی ہے۔ عاقلوں کے نزدیک اس کا منہ کالا اور بال سفید ہیں وہ اپنے مہندی لگے ہوئے ہاتھ میں ایک جام زریں رکھتی ہے جس میں تیری جان کے واسطے زہر گھلا ہوا ہے +

(۱۳) دنیا میں جو بنا ہے وہ چلتا ہوگا۔ جو موجود ہے وہ فنا ہوگا۔ بھائیو خواب غفلت سے

بیدار رہو اور بیہوشی سے دور بھاگو پیشتر اس سے کہ تم سے لوگ کہیں تمہارا تن نازنین
بیماری کے بستر پر ناتوان ہو رہا ہے۔ دوست اس کی علالت سخت کی خبر سن کر عیادت کے
لئے آتے ہیں شفیق و مہربان دوا اِدھر اُدھر ڈھونڈھتے پھرتے ہیں طبیب کو بلا کر لاتے
ہیں وہ تمکو دیکھ کر کہتا ہے کہ شفا کی توقع نہیں۔ یہ سن کر دوستوں کو فکر ہوتا ہے کہ
دیکھئے بیماری سے عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔ اب تمہارے چہرہ کا حال متغیر ہوتا ہے
رنگ ارغوانی زعفرانی بنتا ہے۔ زبان بند ہوتی ہے۔ نہ بھائیوں سے بولو۔ نہ عزیزوں کو
پہچانو۔ اور نہ لب کھولو موت کے فرشتے نظر آئیں۔ غرض روح و جسم آپس میں متفرق ہو جائیں
آنکھیں دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئیں۔ مرغ روح قفس تن سے پرواز کرے۔ گھر میں آہ و
فغاں کا غل شور مچے کہ ہائے تم مر گئے۔ تمام برادری اور احباب جمع ہوں۔ تابوت
بنے۔ کفن لائیں مردہ شو کو بلائیں۔ کفن سئیں۔ غسل دے کر کفن پہنائیں۔ نعش کو لب
گور تک پہنچائیں۔ نماز پڑھائیں۔ پھر کچھ لوگ اپنے گھر کو جائیں کچھ جسم کو خاکدان
میں محبوس کر جائیں۔ جو عزیز خود ہیں وہ تمہارے مال کی جستجو میں ہوں۔ باغ و مکان
و مال و اسباب کے تقسیم کی گفتگو ہو۔ غرض دنیا اپنے حال بدلتی رہتی ہے۔ ابھی ایک
آدمی کو وہ ہنساتی ہے اسی اثنا میں دوسروں کو اس پر ہنسی آتی ہے۔ ابھی ایک آدمی
دوسرے کے لئے روتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد اس پر تیسرا آدمی روتا ہے۔ اگر کسی کو وہ
دینے پر آتی ہے تو دیکھو بعد چندے واپس لینے کے لئے ہاتھ پھیلاتی ہے اگر آج کسی کے
سر پر تاج و افسر رکھتی ہے تو کل سر تلے خاک و پتھر۔ کوئی جائے کوئی رہے کوئی آئے
اس کے نزدیک برابر ہے۔ اگر جانے والے کا کوئی عوض رہے تو واہ واہ اور اگر نہ رہا
تو واہ واہ۔ ہر وقت ایک نہ ایک کو فنا کرتی رہتی ہے جو اس کو عزیز جانتا ہے اس کو
ذلیل کرتی ہے جو اس کو جمع کرتا ہے اس کو فقیر کرتی ہے۔ اس کا حال زہر کا سا ہے
کہ جو کھاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرح رہنا چاہیے جیسے کوئی اپنے زخم کا

علاج کرتا ہے کہ تھوڑے دنوں پرہیز اس خوف کے سبب سے کیا کرتا ہے کہ بہت دنوں تک تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ چند روز دوا کی تلخی پر صبر کرتا ہے کہ کہیں درد بہت تک نہ رہے۔ مگر افسوس ہے کہ گذشتوں کو دیکھ کر پس ماندوں کو عبرت نہیں ہوتی۔ لوگ ایسے دنیا پر مرتے ہیں کہ جہاں ان کی حاجتیں پوری ہوئیں اور دنیا حسب دلخواہ ملی مغرور و سرکش ہو گئے۔ معاد کو بھول گئے اپنی عقل کو اس میں اتنا لگاتے ہیں کہ ان کے قدم جادہ مستقیم سے لغزش کھا جاتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ دنیا کا حال یہ ہے کہ دنیادار کو کسی خوشی میں اطمینان نہیں جو دنیا میں خوش ہوتا ہے وہ رنج میں پڑتا ہے۔ جو آج نفع پاتا ہے وہ کل نقصان اٹھاتا ہے۔ اس میں وسعت عیش بلا ہے اور بقا کا مآل فنا ہے ہر خوشی غم آگین ہے اور ہر رحمت زحمت سے قرین ہے۔ جو اس میں سے گذر جاتا ہے وہ پھر واپس نہیں آتا۔ دنیا کی تمام آرزوئیں دروغ ہیں اور تمام امیدیں بے فروغ۔ جو نعمتیں موجود ہیں ان کے جانے کا اور مصیبتوں کے آنے کا ڈر سدا رہتا ہے۔ ؎

گنج بے رنج نہ دیدست کسے گل بے خار نچیدست کسے

(۱۴۱) خوب سمجھ لو کہ دنیا مصیبت کا گھر ہے۔ اس کی ہر چیز کا انجام زوال ہے اور اس کا کسی کے پاس ہمیشہ بحال نہ اس کے حالات تبدیل سے مامون ہیں نہ اس کے باشندے آفات سے مصئون جب آدمی کو اس میں راحت اور خوشی پہنچتی ہے یکایک مصیبت آ دباتی ہے۔ اس کے احوال مختلف باہم گر ہیں اور مراتب متغیر نہ اس کے عیش کو قیام نہ راحت کو دوام موت ہر ایک کے سر پر کھڑی ہے آج دنیا میں ہمارا حال ایسا ہی ہے جیسا ہم سے پہلے لوگوں کا تھا جو ہم سے عمر میں زیادہ قوت میں قوی۔ مکانات و سامان دنیا میں اعلیٰ۔ ان کے شہروں کی آبادی زیادہ۔ مگر اب دنیا کے طول انقلاب سے ان کی آواز نہیں نکلتی۔ ان کے جسم سڑ گئے۔ شہر الٹ گئے۔ مکانات گر گئے۔ یا وہ مکان عالی شان اور گاؤ تکیے اور عمدہ فرش تھے یا اب پتھر اور اینٹیں اور خاک اور گوشہ لحد ہے۔ کہ انگلی نے انھیں ہیر ڈالا۔

اور تجھ دشمنی نے ان کا کچومر نکال ڈالا۔ خاک میں اپنے یاروں سے جا ملے۔ اور ایسے گئے کہ پھر نہ پھرے۔ قطعاً جان لو کہ جو اُن کا حال ہوا وہی تمہارا ہوگا وہی تنہائی ہوگی وہی خاک میں سڑنا گلنا اسی خواب گاہ میں سونا ہے +

(۱۵) بعض حکما کا قول ہے کہ زمانہ تیر انداز ہے اور آدمی نشانہ کہ ہر روز عمر کے دن رات کو اپنے تیروں سے اڑاتا رہتا ہے یہاں تک کہ تمام عمر پوری ہو جاتی ہے۔ اگر آدمی کو اپنے اوپر زمانہ کی تاثیر معلوم ہو کہ ہر گھڑی عمر کا نقصان کرتی جاتی ہے تو دنوں کے گذرنے سے نفرت ہو اور ساعات کے چلے جانے سے وحشت۔ مگر خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس کا خیال نہ آتا۔

ع غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی خالق نے گھڑی عمر سے اک اور گھٹا دی

زمانہ کا کام یہی ہے کہ جماعتوں کو متفرق کرے جتھوں میں ابتری ڈالے۔ دولت کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہونچائے۔ اس کے امل بہت طویل اور زندگانی بہت قلیل۔ انسان کی کسی نعمت سے خوشی پوری نہیں ہوتی۔ کہ نعمت کی جدائی سر پر آن موجود ہوتی ہے جس سے اس کو رنج ہوتا ہے۔ دنیا پر لعنت کر کے آخرت کا خیال رکھنا چاہئے۔ دین کو زیر کلاہ رکھنے سے گناہ پر رغبت ہوتی ہے۔ کلاہ کو اتار سر کو ظاہر کر اور گذشتہ گناہ سے توبہ کر اگر سر پر افسر نہ ہو تو بلا سے خرد سر کے اندر ہوتی ہے سر کے اوپر نہیں ہوتی۔ یہ سارے رنج و عنا اسی سبب سے ہوتے ہیں کہ خدا ہم سے غیر ہو جاتا ہے۔ اللہ کے لئے زینت جمال دین سے ہوتی ہے کچھ اسپ زین سے نہیں ہوتی۔ دنیا کی مہر بے کینہ کے نہیں ہوتی وہ لوزینہ میں سیر رکھتی ہے۔

(۱۶) دنیا کی تمثیلات و تشبیہات

دنیا کو سایہ سے مثال دیتے ہیں جیسے سایہ کو قیام نہیں اسے ڈھلنا ضرور ہے ایسے ہی دنیا کو قیام نہیں ظاہر میں سایہ حرکت کرتا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر حقیقت میں متحرک ہوتا ہے ایسا دنیا کا حال ہے کہ ظاہر میں ٹھیری ہوئی ہے مگر جلد جلد وہ چلتی ہے۔ سال و ماہ سے

اُس کے نقصان کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اُس کو خواب سے تشبیہ دیتے ہیں جیسے کوئی آدمی خواب میں بُری بھلی باتوں سے رنجیدہ یا خوش ہوتا ہے۔ ایسے ہی دنیا میں لوگ بھی گویا خواب میں رنج و راحت دنیاوی دیکھ رہے ہیں مرنے کے بعد جو آنکھ کھلے گی تو کچھ نہ دیکھیں گے

۵ دنیا خواب است زندگانی دردے	خوابے است کہ در خواب نہ بینی ان را
این قدر طول امل رہ میدہی در دل چرا	مصحف خود را بایں حرفے کنی باطل چرا
عیش دنیا احتلام خواب غفلت بیش نیست	از خیالے این قدر آلودگی اے دل چرا

اس کو ایسی عورت سے مثال دیتے ہیں کہ مردوں کے واسطے اپنے تئیں بنا سنوارے اور جب کسی سے بیاہی جائے تو اُسے ذبح کر ڈالے۔ اُس کو ایسی بڑھیا عورت سے بھی تشبیہ دیتے ہیں کہ جو بدصورت ہو مگر اوپر خوب زرق برق کی پوشاک و زیور بیش قیمت پہن لے اور سر پر برقع ڈال لے اور لوگوں کو فریب دے۔ اور تالیاں بجائے۔ اور ناچے۔ اُس کے پیچھے خواستگار ہو کر لوگ بھی تالیاں بجائیں اور ناچیں یہی حال دنیا کا ہے ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے دنیا کو ایک پُل سے بھی تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ آخرت میں پہنچنے کے لئے زندگی دنیا ایک پل ہے جس کا ایک ستون مہد ہے اور ایک ستون لحد ہے اور دونوں کے درمیان مسافت محدود ہے۔ بعض لوگوں نے اس پل کا نصف حصہ قطع کر لیا ہے بعض نے تہائی اور بعض نے دو تہائی اور بعض کو ایک ہی قدم طے کرنا ہے۔ مگر اُس کو معلوم نہیں بہر حال اُس پر سے عبور کرنا ضرور ہے اور پل پر عمارت بنانی اور اُس کو طرح طرح سے زینت دینی اور پھر چھوڑ کر چلا جانا نہایت جہل اور ذلت ہے۔ اُس کو سانپ سے بھی تشبیہ دیتے ہیں کہ اگر اُس کو ہاتھ لگاؤ تو وہ نرم اور چکنا معلوم ہوتا ہے مگر اس کا زہر آدمی کو مار ڈالتا ہے۔ ایسے ہی دنیا ظاہر میں نرم معلوم ہوتی ہے۔ دنیا دار کو دنیا میں خوض اور غور کرنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں اس سے سلامت نکل جاؤں گا۔ مگر اس میں پھنس جانا آسان ہے نکلنا نہایت دشوار ہے۔ طالب دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص پیاس کے بجھانے کے لئے کھاری پانی پیوے

کہ جتنا زیادہ پیئے گا اُتنی ہی پیاس زیادہ ہوگی۔ یہاں تک کہ آخر کو مر جائے گا۔ دنیا کو غذا سے مثال دیتے ہیں کہ جس کا آغاز اچھا معلوم ہوتا ہے مگر انجام پلید معلوم ہوتا ہے جب لذیذ ومزہ دار و چکنی غذا معدہ میں کمال کو پہنچتی ہے تو جتنی اچھی وہ ہوتی ہے اُتنی ہی اُس میں بدبو اور کثافت زیادہ ہوتی ہے پس دل میں شہوات دنیا وہی اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر مرنے کے وقت اُن سے بدبو ایسی ہی آتی ہے جیسی کہ غذا سے۔ جس چیز کو جس قدر آدمی اچھا جانتا تھا اُتنا ہی اُس کے نہ ہونے سے رنج اُٹھاتا ہے۔ غذا میں خوب مصالحے اور خوشبوئیں ڈالتے ہیں پھر اُس کو جہاں ڈالدیتے ہیں اُس کو سب جانتے ہیں بس یہی حال دنیا کی خواہشوں کا ہے۔ دنیادار دنیا کی لذتوں میں مبتلا ہوکر آخرت سے غافل رہتے ہیں اور پھر بڑی بڑی حسرتیں اُٹھاتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے لوگ کشتی میں سوار ہوں اور ایک جزیرہ پر پہنچیں وہاں ناخدا اجازت دے کہ جس کو قضاء حاجت منظور ہو وہ یہاں اُتر جائے۔ مگر یہ مقام خوفناک ہے یہاں سے جلد اپنے کام کرکے واپس آنا ورنہ کشتی لنگر اُٹھاکر چلی جائے گی۔ یہ لوگ کشتی سے اُتر پڑے اور اطراف جزیرہ میں پھیل گئے۔ پھر بعضوں نے تو ناخدا کے قول پر عمل کیا اور قضاء حاجت کرتے ہی کشتی کی طرف چلے آئے اور کشتی کو خالی دیکھ کر خوب فراغت کی جگہ اور خاطرخواہ آسائش کا مکان لے لیا۔ اور بعضوں نے جزیرہ میں توقف کرکے اس کے پھولوں اور غنچوں اور بیابانوں اور نغمات دل آویز اور جانوروں کے چہچہے فرحت انگیز اور جواہر بوقلموں اور معادن گوناگوں اور نقوش غریبہ اور اشکال عجیبہ کی سیر کی مگر کشتی کے نہ ملنے کا خوف بھی اُن کے ساتھ رہا اسلیئے وہ جلد پھر آئے۔ گو اُن کو کشتی میں پہلوں کا سا فراغت کا مکان نہ ملا تاہم اچھی طرح بیٹھ گئے۔ مگر بعض اُن اشیاء کو دیکھ کر اُن پر ایسے لٹو ہوگئے اور جواہر اور گوہر اور میوہ و گل کی خوبی اس قدر دل میں کھبی کہ اُن کے چھوڑنے کو دل نہ چاہا۔ اُس میں سے کچھ ساتھ لے لئے کشتی میں آکر مکان میں گنجائش اتنی بھی نہ دیکھی کہ خود اچھی طرح بیٹھتے بوجھ کے رکھنے کا تو کیا ذکر ہے مجبور ہی اس بوجھ کو سر پر لاد کر کشتی میں

ہو بیٹھے مگر اس اپنی حرکت سے نادم تھے کہ ناحق دردِ سر مول لیا کچھ لوگ جنگلوں میں گھس کر کشتی کو بالکل بھول گئے اور اتنی سیر کی کہ ناخدا کی آواز بھی نہ سُنی مگر درندوں کا خوف دل میں تھا اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس نشیب و فراز میں لغزش بھی ہوگی اور مصیبت اُٹھانی پڑے گی۔ پاؤں اور کپڑوں میں کانٹے چبھے تھے ٹہنیوں سے بدن پر چرکے لگیں گے۔ ہولناک آوازوں سے کلیجہ کانپے گا جھاڑیوں کپڑے ایسے پھٹ جائیں گے کہ ننگے رہ جائیں گے۔ پھر اُلٹے جا بھی نہ سکینگے کشتی والوں کی آواز سُن کر سر پر بوجھ کے گٹھے لئے کنارہ پر پہنچے۔ تو اس میں جگہ نہ پائی کنارہ ہی پر بھوکے پیاسے مر گئے بعض کو کشتی والوں کی بھی آواز نہ سُنائی دی اور کشتی بھی چل دی تو وہ درندوں کی خوراک بنے کچھ تھک تھک کر حیران پریشان مر گئے بعض دلدل میں پھنس گئے بعض کو سانپ بچھو کھا گئے۔ غرض اسی طرح سب کے سب خوار و نزار ہو کر مردار ہو گئے۔ اب لوگ جو کشتی میں سر پر بوجھ رکھ کر سوار ہو گئے تھے اُن کو ان چیزوں کی حفاظت کی فکر ہوئی مکان تنگ پہلے ہی سے تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھول مُرجھا گئے میوے سڑ گئے بدبو آنے لگی۔ جواہر کے رنگ متغیر ہو گئے۔ یک شد دو شد کا مضمون پیش آیا کہ پہلے صرف رکھنے ہی کی وقت تھی اب بدبو سے ایذا ہونے لگی۔ پھر تو کچھ علاج بجز اس کے نہ سوجھا کہ اُن کو دریا میں ڈال دیا۔ مگر اس کی بدبو اور خوراک کی تاثیر ان پر ایسی ہو گئی تھی گھر پہنچنے تک بیمار پڑ گئے اور بہت دنوں تک چینگ ہگا کئے۔ اور جو ان سے پہلے کشتی میں بیٹھ گئے تھے اُن کو خاطر خواہ آسائش تو نہ ملی الا وطن میں پہنچ کر صحیح سالم رہے اور وطن میں بھی راحت اور آرام سے رہے پس یہی حال دنیا کے لوگوں کا ہے کہ وطن اصلی کو بھول کر اس جزیرے کے گلزار اور جواہر اور چاندی سونے پر ایسے غافل ہیں کہ انجام کی فکر ذرا نہیں کرتے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ مرنے کے وقت یہ سب نعمت کی چیزیں وبال گردن ہونگی۔ گو اب اُن کے آنے کی خوشی اور جانے کا غم ہوتا ہے اس مصیبت میں سب ہی مبتلا ہیں الاحسن کو خدا بچائے خدا نے اپنے بندوں کے لئے دنیا کو ضیافت خانہ بنایا ہے کہ اس میں اپنا توشۂ آخرت لے لیں

مہمان یہ نہ سمجھیں جو عطردان یہاں ہم کو عطر سونگھنے کو پیش ہوا ہے وہ ہماری ملک سے ہے جب تم عطر سونگھ لوگے تو عطردان مالک خانہ واپس لے گا۔

(۱۷) دنیا کی حقیقت اور ماہیت

دنیا و آخرت دل کے دو احوال کا نام ہے جو حال کہ دل سے قریب ہے یعنی موت سے پہلے اس کو دنیا کہتے ہیں کہ دنو (یعنی قریب) سے مشتق ہے اور جو حال متاخرین یعنی بعد موت کے ہے اس کو آخرت بولتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے غرض اور خواہش اور لذت موت سے پہلے ملتی ہے وہ آدمی کے حق میں دنیا میں داخل ہیں مگر اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ جس چیز کی طرف رغبت ہو وہ خواہ مخواہ بری ہو بلکہ وہ تین قسم کی ہیں اول وہ اشیاء جو آخرت میں ساتھ رہیں اور ان کا ثمرہ بعد موت کے معلوم ہو وہ علم و عمل ہیں دوسری قسم وہ حظوظ اور لذات ہیں جس سے صرف زندگی میں فائدہ ہو اور آخرت میں کچھ ثمرہ نہ ملے جیسے گناہوں سے لذت یاب ہونا یا مباحات زائد از ضرورت سے مستفید ہونا جس کو رفاہیت و رعونت کہتے ہیں۔ تیسری قسم کی وہ لذات ہیں کہ ان دونو قسموں میں متوسط ہیں غرض دنیا میں اول سوم محمود اور دوم مذموم جو آدمی کہ غذا و لباس و مسکن بقدر ضرورت آخرت کے لئے حاصل کرتا ہے وہ دنیا دار نہیں کہلاتا ہے اور یہ دنیا اس کے حق میں مزرعۂ آخرت ہوتی ہے حظ دنیاوی کی بھی دو قسم ہیں ایک تو وہ جس سے رغبت کرنے والا عذاب آخرت کا مستحق ہو۔ اسکو حرام کہتے ہیں دوم وہ اس درجہ پر نہ پہنچے اس کا نام حلال ہے۔ افسوس ہے کہ جب کسی اپنے ہمسر کو امارات دنیاوی میں بڑھا دیکھتے ہیں تو کیسے اس کے لئے حسرت کرتے ہیں حالانکہ اس دنیاوی رتبہ کو کچھ قیام نہیں ہے ہر وقت بدلتا رہتا ہے اور انجام کو بالکل منقطع ہو جاتا ہے۔ دنیاوی لذات پر جب یہ حسرت ہو تو سعادات اخروی پر بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے اسلئے کہ وہ نعمتیں پائدار اور خارج از وصف اور بے انتہا ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا ایسی نعمتوں کے نہ ملنے سے دل پر کیا کیا گذرتا ہے۔

(۱۸) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تم دنیا کو اپنی دایہ اور آخرت کو ماں جانو جب لڑکا سن شعور کو پہنچتا ہے تو دایہ کو ترک کرتا ہے اور ماں کے پاس رہتا ہے پس اے دل کو دکھ حصال تو بھی اس بوڑھی دایہ کو چھوڑ کر مادر عقبیٰ کے سینہ سے لپٹ +

(۱۹) دنیا کے وہ شغل جنمیں ساری دنیا ڈوبی ہوئی ہے

دنیا اُن اشیاء خارجی کا نام ہے جن سے انسان کو حظ ہوتا ہے اور اُن کی درستی میں وہ مصروف رہتا ہے۔ تمام روئے زمین کی چیزیں تین قسم کی ہیں معدنیات۔ نباتات حیوانات۔ نباتات کو انسان اس غرض سے چاہتا ہے کہ اُس سے غذا اور دوا حاصل کرے۔ معدنیات کا طالب اس وجہ سے ہے کہ اُن سے آلات اور برتن بناوے جیسا کہ تانبے اور لوہے وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں یا نقد رکھنے کے لیے اُن کا طالب ہوتا ہے جیسے کہ سونے چاندی کو اسی غرض کے لئے رکھتا ہے یا اور غرضوں کے واسطے ان کی طلب ہوتی ہے اور حیوان کی دو قسمیں ہیں انسان اور بہائم۔ بہائم گوشت کے اور باربرداری اور زینت کے واسطے رکھتے ہیں اور انسان سے کبھی تو یہ غرض ہوتی ہے کہ اُن سے خدمت لیویں جیسا غلاموں سے یا صحبت مراد ہوتی ہے جیسے کہ عورتوں سے یا دلوں کو اپنی طرف کرنا منظور ہوتا ہے کہ وہ تعظیم و اکرام کریں اس کو جاہ کہتے ہیں یعنی مالک ہونا لوگوں کے دلوں کا جاہ کہلاتا ہے ان چیزوں کے ساتھ انسان کے دو علاقے ہیں ایک علاقہ دل کے ساتھ ہے یعنی ان چیزوں کی محبت اور حفاظت اور بہہ تن ہمت کو اُن کی طرف مصروف کرنا کہ گویا بندہ دنیا یعنی عبدالدنیا بنائے اور اسی علاقہ میں تمام دل کی صفتیں جو دنیا سے متعلق ہیں داخل ہیں جیسے کبر و کینہ اور حسد اور ریا اور شہرت اور بدگمانی اور ذہن کی سستی اور تعریف کی محبت اور شیخی وغیرہ اس علاقہ کو دنیاء باطنی کہتے ہیں اور دنیا کا ظاہری اُن چیزوں کا نام ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ دوسرا علاقہ بدن کے ساتھ ہے یعنی بدن کو ان چیزوں کی درستی میں مصروف کرنا تاکہ وہ قابل اپنے اور غیر کے حظ اٹھانے کے

ہوجائیں اس علاقہ میں تمام پیشے اور حرفے آگئے جن میں لوگ مشغول و مستغرق ہیں اور
انھیں دونوں علاقوں یعنی علاقہ قلبی اور علاقہ بدنی کی جہت سے خلقت کو نہ اپنے نفس
کی نہ دنیا میں اپنے آغاز اور انجام کی خبر ہے۔ اگر آدمی اپنے نفس کو اور اپنے پروردگار
کو پہچانے اور دنیا کی حکمت اور اسرار کو جانے تو معلوم کرلے کہ یہ سب چیزیں جن کو ہم نے
دنیا سے ظاہری لکھا ہے اس لئے پیدا ہوئی ہیں۔ کہ جس سواری پر خدا کی طرف جانا منظور
ہے اس کا گھاس دانہ اس سے ہوجائے اور سواری سے غرض ہماری بدن انسانی
ہے کہ وہ بدون کھانے پینے اور لباس و مسکن کے باقی نہیں رہتا جیسا کہ حج کے راستہ
میں اونٹ کو دانہ پانی اور جھول نہ ملے تو وہ بھی زندہ نہیں رہے گا۔ جو آدمی کہ دنیا میں
اپنے نفس اور مقصود کو بھول جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاجی منزلوں میں ٹھہر
اور ہمیشہ اپنی سواری کے لئے کہیں سے گھاس لائے کہیں سے ٹھنڈا پانی اُن کو پلائے یہاں تک
کہ اسی فکر میں قافلہ سے علیحدہ ہوجائے اور اس کو معلوم بھی نہ ہو کہ اگر ایسا کروں گا تو
حج سے بھی محروم رہوں گا اور مع سواری دام و دد کا لقمہ ہوں گا۔ جو حاجی ہوشیار ہوگا
اُس کا دل تو کعبہ اور حج میں مصروف رہے گا اور سواری کی خدمت بقدر ضرورت کرے گا
کہ جس سے اُس میں رفتار بنی رہے۔ اِس طرح جو شخص سفر آخرت میں دانا بینا ہوتا ہے وہ
بدن کی خدمت ضروری کرتا ہے جیسے کوئی پاخانہ میں حاجت کے وقت جا بیٹھتا ہے پیٹ میں کچھ ڈالنے اور پھر اس کو
پاخانہ کی راہ دور کرنے میں کچھ فرق نہیں دونوں باتیں ضرورت کے واسطے ہوتی ہیں پس ایک دوسرے پر
ترجیح دینا نہ چاہئے جیسے قضاء حاجت میں بقدر ضرورت مصروف ہوتے ہیں شکم سیر کرنے میں بھی بقدر
ضرورت مصروف رہتے ہیں انسان خود دنیا ہی کے لئے اپنے واسطے شغل پر شغل نکالتا چلا جاتا ہے
اُن میں کام بے انتہا نکلتے چلے آتے ہیں انھیں شغلوں میں حیران پریشان رہتا ہے
اور اصلی مقصود کو بھول جاتا ہے۔ انسان نے فقط اپنے اِن تین ضرورتوں غذا۔ پوشاک

سکن کے لئے ہزاروں پیشے اور صنعتیں ورکام نکالے ہیں جنکے اندر مشغول رہنے کے سبب سے اُس کو ایک دم کی فرصت نہیں ہوتی۔

(۳۰) تغیراتِ جہان

دنیا میں بھی کیا کیا تغیرات عجیب و غریب ہوتے ہیں کہ ابھی آفتاب نارگوں نکلا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد سرنگوں ہو گیا۔ ابھی طاق آسمان پر ستارے روشن تھے کہ غائب ہو گئے چاند اپنا جمال ستاروں میں دکھا رہا تھا کہ دق کے رنج سے ہلال ہو گیا۔ زمین ابھی ساکن بادب تھی کہ زلزلے سے تپ لرزہ میں آگئی۔ ہوا روح کے ساتھ مقترن تھی کہ متعفن ہو گئی پانی کہ روح کی ہمشیرہ تھا حوض میں زرد تلخ و تیرہ ہو گیا۔ ابھی آگ جس ہوا سے موجود تھی تا دُود سے رہی تھی اُسی سے بجھ گئی۔ وہی خاک جو موسم بہار میں مایۂ گل تھی ناگہاں ہوا ہی نے اسے برباد کر دیا۔ دریا کے اضطراب و جوش کو دیکھ کر سمجھ لو کہ کیا کیا تبدیلیاں ہوش ربا ہوتی ہیں چرخ گرداں کو دیکھو کہ اُس کی حالت میں بھی وہی تبدل ہوتا ہے جو اُس کے فرزندوں کے حال میں کہ کبھی اوج و حضیض پر کبھی سعد و نحس کبھی شرف و صعود کبھی وبال و ہبوط۔ کل اجزاء سے مرکب ہوتا ہے پس جس کل میں تغیر ہو اُس کے اجزا میں کیوں نہ ہو۔ جب بہتروں کے نصیب میں درد و رنج ہو تو کہتروں کو کب گنج مل سکتا ہے جب کلیات میں رنج و درد ہو تو ان کی جزئیات میں کیوں نہ رنگ زرد ہو۔ خاک۔ باد۔ آب۔ آتش۔ ان اضداد کی آشتی کا نام زندگانی ہے اور اُن کی جنگ کا نام موت ہے۔ ان دشمنوں کی صلح تو اس جہان کی عمر ہے اور ان کی جنگ اس جہان کی عمر جاوداں۔ یہ دشمن آپس میں مصالحت کر لیتے ہیں۔ عاقبت کا سبب آپس میں جدا جدا ہو کر اپنے جنس کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ خدا اپنے لطف سے پلنگ و بکری و خرگوش میں اُلفت پیدا کر دیتا ہے اور ان کی جنگ موقوف کر دیتا ہے اگر بھیڑ بھیڑیے سے ڈرے تو تعجب کی بات نہیں لیکن بھیڑ بھیڑیے سے دل لگائے تو تعجب ہے

(۲۱) مالِ دنیا

مال ان چیزوں کا نام ہے جو روئے زمین اور لوگ اُن سے منتفع ہوتے ہیں ان میں سے اعلی غذائیں ہیں پھر رہنے کے مکانات پھر کسب معیشت کی جگہیں مثل دکان کھیت وغیرہ پھر لباس۔ اثاث البیت اور اُس کے آلات پھر آلات کے آلات اور بعض اوقات آلات بھی حیوان کی قسم سے ہوتے ہیں جیسا کُتّا کہ آلہ شکار ہے۔ بیل کاشتکاری کا آلہ ہے۔ گھوڑا لڑائی کا آلہ ہے۔ دنیا میں سب سے بڑی چیز مال ہے وہ فائدہ اور نقصان سے خالی نہیں۔ اگر آدمی پاس مال نہیں ہوتا تو افلاس بدکار بنا دیتا ہے۔ اگر ہوتا ہے تو آدمی سرکش ہو جاتا ہے۔ انسان کے حظوظ زندگانی کا نام دُنیا ہے اُس کے بہت سے حصے ہیں اُن میں سے ایک مال ہے۔ اور ایک جاہ ہے ایک اتباع شہوت اور غصہ و حسد۔ ایک شیخی و تعلی غرض کہ اسی طرح بہت سے اجزا ہیں جتنے آدمی کو حظ زندگانی ہوتا ہے دنیا کا رکن عظیم مال ہے۔ جس کے ہونے سے آدمی تونگر اور نہ ہونے سے فقیر ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں وصاف ایسے ہیں کہ اُن سے آدمی کا امتحان ہوا کرتا ہے مفلس کی دو حالتیں ہوا کرتی ہیں۔ قناعت و حرص ایک اُن میں سے اچھی دوسری بُری۔ حریص کے دو حال ہیں یا تو وہ لوگوں کے مال میں طمع کرتا ہے یا دوسروں کے مال سے دست بردار ہو کر حرفہ اور پیشہ کے کرنے میں مستعد رہتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں پہلی حالت بُری ہے۔ تونگر کے بھی دو حال ہیں ایک تو بخل کے سبب امساک کرنا دوسرے خرچ کرنا پھر ان میں بھی ایک صورت اچھی اور ایک صورت بُری ہے۔ پھر خرچ کرنے والے کے دو حال ہیں ایک اسراف دوسری میانہ روی۔ میانہ روی عمدہ ہے۔ جو مال نیک کمائی سے کمایا جاتا ہے وہ اچھا کہلاتا ہے اور جو بُری طرح سے حاصل کیا جاتا ہے وہ بُرا کہلاتا ہے۔ جب مال نیک کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے تو اُس کی تعریف ہوتی ہے۔ اور جب بُرے کاموں میں صرف ہوتا ہے تو اُس کی بُرائی کی جاتی ہے۔ مال نہ بالکل خیر ہے نہ بالکل شر ہے۔ بلکہ وہ دونوں خیر و شر کا سبب ہوا کرتا ہے اور جو چیز سبب خیر و شر دونوں ہوں وہ مدح و مذمت دونوں کے قابل ہوتی

مال انسان کے واسطے ایک ضروری چیز اس وجہ سے ہے کہ اُس سے غذا اور لباس جو بدن کی بقا اور کمال نفس کے لئے ضروری ہے حاصل ہوتا ہے اور کمال نفس میں خیر و سعادت ہے۔ یوں مال بھی کمال نفس کا ذریعہ ہے۔ پس جو مال کمال نفس کے لئے کام میں آئے اچھا ہے۔ مال سے ایسے کام بھی ہو سکتے ہیں کہ نفس کو سعادت اخروی سے باز رکھے۔ مال ذریعہ اور وسیلہ مقاصد کے حاصل کرنے کا ہے۔ پس ان مقاصد کے موافق مال کا حال اچھا برا ہوگا۔ اگر مال اتباع شہوات کے کام میں آتا ہے تو اُس کی برابر آفات نہیں اور اگر وہ نیک کاموں میں کام آتا ہے تو اُس کی برابر خوبیاں نہیں۔ مال بغیر اچھے بُرے کام نہیں ہو سکتے۔ مال میں سانپ کی طرح زہر بھی ہے اور زہر مہرہ بھی۔ زہر اُس کی آفات ہیں اور زہر مہرہ اُس کے فوائد۔ پس جس شخص کو مال کے فوائد اور آفات دونوں معلوم ہوں وہ شر سے بچے اور خیر کا طالب ہو۔

(۲۲) مال کے دینی و دنیوی فوائد و نقصان

پھر مال کے فوائد کی دو قسمیں دنیاوی اور دینی ہیں۔ دنیاوی فوائد مال کے تو ظاہر معلوم ہوتے ہیں۔ دینی فوائد تین طرح کے ہیں اول مال کو اپنے نفس اپنی عبادت میں خرچ کرے دوسری قسم یہ کہ اور لوگوں پر صرف کرے مروت کے سبب سے لوگوں کی حفظ آبرو میں نوکروں اور ملازموں کے غنی کرنے میں اور شرفا کی ہدیہ اور دعوت اور اعانت میں آدمی کے ایسے خرچوں سے بہت دوست ہو جاتے ہیں اور ایسے اخراجات سے سخاوت کی صفت آجاتی ہے صفت سخاوت کی جب تک نہیں حاصل ہوتی جب تک احسان اور مروت سے لوگوں کے ساتھ نہ پیش آوے۔ اور بدلے اُن کو نہ دے۔ تیسری قسم کے خرچ وہ ہیں کہ کسی انسان معین پر نہ ہوں۔ بلکہ اُس سے فائدہ عام ہو جیسے مسجد۔ پل۔ سرائے۔ شفاخانہ۔ مدرسہ کنواں۔ بنوانا یا خیرات کے لئے زمین و جائداد وقف مساکین کر دینا۔ یہ ایسے خرچ ہیں جنسے ہمیشہ کو مرنے کے بعد خیرات ہوتی ہے اور صلحا خرچ کرنے والے کے حق میں مدتوں تک

دعا کیا کرتے ہیں اسی کو خیر جاری کہتے ہیں۔ مال کے ہونے میں آفات بھی ہیں کیں انسان پر شہوات کا تقاضا ہمیشہ رہتا ہے مگر بے مائگی سے کچھ نہیں کر سکتا عصمت بی بی از بے چادری افلاس تقاضے کو پورا نہیں ہونے دیتا جب تک کسی گناہ کا سامان نہیں ہوتا تب تک اُس کا شوق نہیں اُبھرتا جب آدمی اپنے میں اُسکے کرنے کی قدرت دیکھتا ہے تو اُسے شوق اُبھرتا ہے چونکہ مال سے یہ قدرت آجاتی ہے اسی واسطے تقاضا معصیت سلسلہ جنبانی کرتا ہے اُس وقت اپنی خواہش کے موافق ارتکاب کرنے لگے گا تو آفات میں مبتلا ہوگا۔ اگر صبر کرے گا تو رنج اُٹھائے گا۔ اسلئے کہ باوجود قدرت صبر کرنا بہت سخت ہے۔ دوم تنعم میں بھی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ ایک تکلف پر دوسرا تکلف بڑھتا جائے گا۔ اُس کو ضرورت اِس سبب سے بہت سے آدمیوں کی طرف ہوگی۔ جن کے راضی کرنے میں جھوٹی سچی باتیں بنانی پڑیں گی سوم ایک بڑی آفت مال کی جس میں تھوڑے بہت سب ہی گرفتار ہیں یہ ہے کہ وہ مال کی اصلاح اور درستی میں خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے۔ غرض مال کا وجہ حلال سے حاصل کرنا دشوار ہے پھر اُس کا حق طور پر خرچ کرنا مشکل ہے۔ اُس کے اکتساب میں خدا کی یاد سے غافل نہ ہونا اور سخت دشوار ہے۔ مال والے کے ذمے سیکڑوں جھگڑے لگے رہتے ہیں۔ صبح شام کہیں کسانوں سے کہیں شرکاء سے کہیں خریداروں سے جھگڑا ہے۔ کہیں حساب کا بکھیڑا کہیں پائی اور حدود کی تکرار۔ کہیں سرکار کی جوابدہی۔ اُس کے نوکروں سے خراج وضبطی کا بکھیڑا معمار اور مزدوروں سے اُلجھنا کہ کام تھوڑا کیا کہیں کسانوں پر چوری اور خیانت کا الزام لگانا۔ کہیں اپنے شریک سوداگر سے اندیشہ اس بات کا کہ یہ نفع زیادہ لیتا ہے اور کام کم کرتا ہے مال تلف کرتا ہے خواہ آدمی پاس کسی کا مال ہو اُس کو تردداتِ پیش آتے رہتے ہیں +

(۲۳) مال کی خرابیاں

مال کا پیدا کرنا اور اس کی حفاظت یہ دونوں کام انسان کے بڑی محنت اور مشقت کے کام ہیں مال جمع کرنے میں دل کو ملال ہوتا ہے زر و گوہر حاصل کرنے میں کس داب تفکر میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔ بہت سی اشیاء کی حسرت میں آسیا کی طرح دستِ تاسف ملنا پڑتا ہے جب مالک مال بہت ہو جاتا ہے۔ اسباب ثروت و حشمت مہیا ہوتا ہے تو توسن نفس سرکش ہوتا ہے اور وادی عصیان میں جا پڑتا ہے مال کی محبت دل میں نفاق پیدا کرتی ہے اور وہ اس کو ایسا بڑھاتی ہے جیسا کہ ابر گھاس کو دنیا میں ہر روز اور ہر ساعت دیکھ لو کہ دو فرقوں میں کیسے کیسے جھگڑے مال کے سبب سے اٹھتے ہیں یاران دیرینہ کے صاف سینے کیسے حسد و کینے کے ناخن سے خراشیدہ ہوتے ہیں کبھی دو گز زمین پر دو عزیزوں کی جان جاتی ہے۔ اسی لئے عاقلوں نے مال کو مردار سے تشبیہ دی ہے اور اس کے طالبوں کو کتا مقرر کیا ہے۔ اکثر آدمی دنیا میں مال و جاہ کو دین و ایمان سمجھتے ہیں اور سیم و زر کی جمعیت کو بخت و دولت جانتے ہیں مگر انقلاب روزگار ان کو خطاؤں پر مطلع کرتا ہے وہ دست تاسف ملتے ہیں اور حسرت میں مرتے ہیں۔ آدمی کی زندگانی کے واسطے مال ہے لیکن مال کے واسطے زندگانی نہیں مال بے عمر کے بیکار ہے اور عمر کچھ مال سے بڑھتی نہیں

(۲۴) دیانت و خیانت مال

دیانت کی مدح و خیانت کی مذمت زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے۔ قطع نظر مذہب کے یوں عقل سے بھی نظر آتا ہے کہ اہل خیانت تھوڑے دنوں میں خلق کے آگے انگشت نما مشہور ہوتے ہیں اور جہاں وہ نزدیک اور دور کے لوگوں میں خیانت کے ساتھ نامزد ہوئے تو ان کے معاملات میں فرق آتا ہے اور خلق کو نفرت ہوتی ہے بیگانہ و یگانے اون سے معاملہ کرنا چھوڑتے ہیں اس سبب سے ان کے دخل اور نفع میں خلل پڑتا ہے۔ جو مال دنیا بے ایمانی سے جمع ہوتا ہے وہ بھی رفتہ رفتہ ضائع ہوتا جاتا ہے۔ ایک گروہ بیہوش اور گندم نما جو فروش ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے حق مارنے کو اپنے مال کی افزونی اور احوال کی ترقی کا سبب

جانتے ہیں وہ بے ایمانی سے اوروں کو نقصان پہنچانے کو اپنا فائدہ گنتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ خیانت خرمن ثروت کے لئے برق ہے۔ جو مال کہ خیانت سے جمع ہوتا ہے وہ خیانت ہی میں جاتا ہے۔ جو چیز ہوا لاتی ہے ہوا ہی اُس کو لے جاتی ہے ایک شخص کچھ کپڑے چُرا کر بازار میں بیچنے گیا۔ ایک دلال اُس سے وہ کپڑے اُڑا کر لے گیا کسی شخص نے پوچھا کہ کپڑے کتنے کو بیچے اُس نے جواب دیا کہ جتنے کو خریدے تھے۔ مالِ حرام بود بجائے حرام رفت ملازمت ہو۔ تجارت ہو کوئی راہ سود اور نفع کے لئے بہتر راستی اور امانت سے نہیں ہے امانت ہی سعادت و اقبال کی کیمیا ہے۔ مال میں اسی سے برکت ہوتی ہے۔ امانت ہی کی دلالی سے تجارت کے بازار میں ہزار ہا نفعے ہوتے ہیں۔

(۲۵) جاہ

دنیا کے دو رکن اعظم مال اور جاہ ہیں مال کے معنی تو یہ ہیں کہ جن چیزوں سے نفع ہو ان کا مالک ہونا جاہ کے معنی یہ ہیں کہ جن دلوں سے اپنی تعظیم و طاعت مطلوب ہے ان کا مالک ہونا۔ مالدار اور غنی اپنی دولت کے ذریعہ سے تمام مقاصد نکالتے ہیں اور شہوات اور حظوظ نفسانی کو پورا کرتے ہیں اسی طرح صاحب جاہ لوگوں کے دلوں کو قابو میں رکھ کر اپنے تمام مقاصد و مطالب پورے کرتے ہیں جیسے دولت مختلف معاملات کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے دل بھی مختلف معاملات سے تسخیر ہوتے ہیں کہ کسی کو کسی بات میں معتقد علیہ جانیں پس جب دل میں کسی شخص کی نسبت کسی وصف کمال کا اعتقاد ہوگا وہ اُسی اعتقاد کے موافق اُس کا مسخر ہو جائے گا۔ یہ کچھ شرط نہیں ہے کہ وہ وصف فی نفسہ بھی کوئی کمال ہو۔ بلکہ یہی کافی ہے کہ اُس شخص کے عندیہ اور اعتقاد میں وہ کمال ہو بعض اوقات وہ ایسی چیز کو بھی کمال اعتقاد کرتے ہیں کہ جو واقع میں کمال نہ ہو۔ معتقد علیہ میں اس وصف کمالی کا یقین معتقد کر لیتا ہے۔ اِس لئے اُس کا دل ضرور ہی منقاد ہو جاتا ہے۔ دل کی ایک کیفیت کا نام انقیاد ہے۔ دل کی کیفیات تابع اپنے اعتقادات اور علوم و تخیلات کے ہوتے ہیں پس جیسا اعتقاد ہوگا ویسی ہی کیفیت

اُس پر طاری ہوگی۔ مالداروں کے لونڈی غلام لوگ زبردستی سے بنتے ہیں اور آزادی کے موقعے ڈھونڈتے رہتے ہیں مگر صاحب جاہ کو اطاعت لوگ خوشی سے کرتے ہیں اور آزاد طبع اپنی خواہش سے اُسکے تابع ہوتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جاہ کے معنی یہی ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں جگہہ ہو یعنی ایک شخص کے کسی وصف عالی کا دلوں میں اعتقاد ہو جانا پس جس قدر کہ اُس کے کمالوں کا لوگوں کے دلوں میں اعتقاد ہوگا اسی قدر دل بھی منقاد ہوں گے اور جس قدر دلوں کا انقیاد ہوگا اُسی قدر صاحب جاہ کو لوگوں کے دلوں پر اختیار ہوگا اور جس قدر اختیار ہوگا اُسی قدر اُس کو فرحت اور محبت جاہ سے ہوگی یہی سبب ہے کہ سب آدمیوں کو دولت سے زیادہ جاہ کی چاہ ہوتی ہے۔ جیسے روپیہ اشرفی کو بذات خود نہ کھا سکتے ہیں نہ پی سکتے ہیں نہ لباس بنا سکتے ہیں اس اعتبار سے روپیہ اشرفی اور کنکر میں کچھ فرق نہیں مگر ان کے ذریعہ سے ہم اپنی محبوب چیزیں حاصل کر سکتے ہیں اس لئے ان سے محبت ہوتی ہے یہی حال جاہ کا یعنی دلوں کے مالک ہونے کا ہے کہ وہ بذات خود کارآمد نہیں بلکہ وسیلہ حصول اغراض کا ہے۔ جاہ کو مال پر ترجیح ہے۔ اول اس لئے کہ صاحب جاہ مال جتنا چاہے حاصل کر سکتا ہے مگر صاحب مال جاہ نہیں حاصل کر سکتا۔ دوم مال معرض تلف میں آسکتا ہے حفاظت کا محتاج ہے اور بہت سی آفتیں مال پر آسکتی ہیں مگر دل جب ملک میں آجاتے ہیں تو مال کی آفات میں سے کوئی آفت اُن پر نہیں واقع ہو سکتی۔ ہاں ایک آفت شاذ و نادر یہ آسکتی ہے کہ کوئی صاحب جاہ کی بُرائی بیان کرکے بہکا دے اور اعتقاد بدل دے۔ سوم دلوں کی ملکیت بے رنج و مشقت بڑھتی جاتی ہے اور ایک سے دوسرے میں سرایت کرتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ دل جب کسی کے وصف کمال کے معتقد ہوتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا عالم یا عاقل ہے تو زبان خود بخود اُس کی ثنا میں کھلتی ہے اور جس چیز کے خود معتقد ہوتے ہیں وہ دوسرے کے سامنے بیان کرتے ہیں پس دوسرے شخص کا دل بھی اسی حال میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ مال کے بڑھانے میں بہت رنج و تعب

اُٹھانے پڑتے ہیں غرض جاہ کو مال پر سب طرح سے ترجیح ہے۔ انسان کو مال و جاہ کی محبت بیشک ہونی چاہیے اسلئے کہ جو چیز محبوب چیزوں کے وصول کا وسیلہ و ذریعہ ہو۔ اُس کو آدمی کی طبیعت محبوب جانتی ہے۔ ایک اہل جاہ مستحق ہوتے ہیں کہ لوگوں کے دل اُن کے منقاد ہوں۔ مگر اکثر آدمی جھوٹے جاہ کے مدعی ہوتے ہیں۔ اُن کو جاہ کی طلب کا سودا دیوانہ بناتا ہے۔ وہ بزرگی اور برتری و مہتری کو بڑی بے تابی کے ساتھ تلاش کرتے ہیں اور دنیا کے مناصب تا مناسب اپنی ترقی چاہتے ہیں اگر دُنیا کے تمام مفاسد عظیمہ پر نظر ڈالو تو اُن کا سبب یہی حُب جاہ ہوگا نمرود۔ فرعون۔ شداد۔ دقیانوس کے سبب سے جو مفاسد برپا ہوئے اُن کا سبب یہی حُب جاہ تھا جو جاہ و جلال کے مشتاق ہوتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ابنا روزگار میں معزز و مکرم ہوں اور مسند تفاخر پر بیٹھیں اور ہمیشہ نہال عمر و زندگانی سے عیش و کامرانی کے میوے چکھیں اس لئے وہ چشم طمع کھولتے ہیں اور دست تعدی لوگوں کے مال پر دراز کرتے ہیں اگر وہ حاتمی کرتے ہیں تو اوروں کی تھیلیوں سے۔ اگر بزرگی دکھلاتے ہیں تو اوروں کے چھوٹا ہونے سے۔ اُن کے خوان کی رنگینی مسکینوں کے دلوں کے خون سے ہوتی ہے اور اُن کے کھانے میں چربی ضعیفوں کے پہلوؤں سے۔ غرض وہ اپنے منصب کے برقرار رکھنے میں طرح طرح کی محنت و بلائیں اپنے سر پر لیتے ہیں اور انقلاب زمانہ کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بڑے ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

مرد جاہل جاہ دنیا را لقب دولت نہاد ہم چناں کاماس را بینی و گوئی فربہی

جو حکومت دنیا پر مفتون ہوتے ہیں وہ نفس و ہوا کے محکوم ہوتے ہیں۔ حکومت جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا وہ اپنے نفس امارہ کی حکومت ہے جس سے طبیعت سرکش مغلوب ہوتی ہے جو اس حکومت میں منافع ہیں وہ کسی میں نہیں۔ دولت و جاہ دنیا ایک بازیچہ ہے اس کے پیچھے دیوانہ بننا۔ اور دین کو اس کے لئے رشوہ میں دینا عقل کے خلاف ہے۔

(۲۶) مال و جاہ کا نعمت و مصیبت ہونا

مال ایک سانپ ہے جس میں تریاق نافع اور زہر ہلاہل دونوں موجود ہیں اب اگر سانپ کو کوئی سپیرا پکڑے گا جو زہر سے بچنے کی ترکیب اور تریاق نکالنے کی تدبیر سے ماہر ہے تو اُس کے لئے سانپ کا پکڑنا نعمت ہے۔ لیکن اگر گنوار مغرور اُس کو پکڑے گا تو اس کے لیے مصیبت ہے۔ یا مال ایک سمندر ہے جس کی تہ میں طرح طرح کے موتی اور جواہر ہیں تو جو شخص فن شناوری اور غوطہ زنی میں یکتا ہوگا اور سمندر کی آفات سے بچنے کی گھاتیں جانتا ہوگا اُس کو سمندر کی نعمتیں ملیں گی اور اگر ہر ایک امر سے ناواقف ہے تو پھر اُس کے ڈوبنے میں کیا شبہ ہے۔ پس جو شخص جاہ و دولت کے استعمال کو اچھی طرح جانتا ہے اُس کے حق میں یہ نعمتیں ہیں ورنہ ہیں مصیبتیں +

(۲۷) انسان کو کمال و اپنا غلبہ پسند ہوتا ہے

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ آدمی میں چار طرح کی صفات ہوتی ہیں بہیمی سبعی شیطانی۔ ربوبیت انسان میں ایک امر ربانی یعنی روح بھی ہے اس لئے اُس کو ربوبیت پسند ہے اور ربوبیت کے معنی یہ ہیں کہ کمال میں یکتا ہونا اور وجود مستقل میں یگانہ ہونا۔ اس لئے انسان کو کمال محبوب بالطبع ہے اور وہ کمال کے ساتھ یہ بھی پسند کرتا ہے کہ میں اس میں یگانہ ہوں۔ مگر یہ صفت یگانہ ہونے کی خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ انسان خواہ کیسا ہی متفرد بالکمال ہونا چاہے مگر ہو نہیں سکتا۔ انسان کا نفس متناہی کمال کے حاصل کرنے میں عاجز ہے۔ انسان کو بالطبع سب پر غالب ہونا پسند ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ایک کمال پایا جاتا ہے مگر یہ غلبہ اشیاء پر جب ہوتا ہے کہ ان میں تاثیر و تغیر کی قدرت اپنے ارادہ سے حاصل ہو کہ جس طرح چاہے اُن کو اُلٹ پھیر دے۔ پس انسان کو یہ بات محبوب ہوئی کہ جو چیزیں اُس کے ساتھ موجود ہیں سب پر اپنا غلبہ اور تصرف کرے۔ مگر موجودات عالم میں بعض چیزوں میں تصرفات انسانی کو دخل ہے

جیسے کہ زمین کی اشیا اور بعض اُس کے تصرف سے باہر ہیں جیسے آسمان و صفات اللہ تو انسان نے اِس بات کو محبوب سمجھا کہ فلکیات پر علم کی جہت سے مستولی ہونا چاہیے اور اُس کے اسرار اور دقائق کو جاننا چاہیے یہ بھی ایک طرح کا غلبہ ہے۔ غرض یہ غلبہ کمال علمی سے حاصل ہوتا ہے۔ زمین کی اشیاء پر تصرف و قدرت سے مستولی ہونا طبعًا محبوب ہے۔ اب زمین کی اشیاء کی دو قسمیں ہیں ایک اجسام دوسری ارواح۔ اجسام جیسے کہ روپیہ اشرفی اور اسباب وغیرہ ان چیزوں میں انسان کو یہ بات محبوب ہے کہ ان کو جہاں چاہے رکھے جس کو چاہے دیوے جس کو چاہے نہ دیوے۔ غرض ان پر تصرف اور قدرت کا خواہاں ہوتا ہے۔ یہ قدرت ہی کمال گنا جاتا ہے۔ غرض اسی طرح وہ لوگوں کے دلوں کو بھی غلام بنانا چاہتا ہے کہ ان کے اجسام اور اعضا پر تصرف و قدرت ہو جائے گو جبرًا و قہرًا ہی ہو اور دل کی ملکیت بھی حاصل نہ ہو کیونکہ دلوں کی تسخیر تو بدون اعتقاد کامل کے نہیں ہوتی۔ یہ ضرور نہیں کہ لونڈی غلاموں کے دل بھی آقا کے کمال کے معتقد ہوں قہر و جبر کا خیال البتہ دل میں رہتا ہے اُسی سے اپنے اجسام سے اطاعت کرتے ہیں اور یہی دبدبہ و غلبہ اور قدرت حضرت انسان کو پسند ہے بلکہ اس غلبہ سے زیادہ وہ غلبہ اور قدرت اُس کو پسند ہے جو لوگوں کے دلوں پر اُس کو قدرت اور تصرف حاصل ہو اور قلوب ایسے مسخر ہو جائیں کہ اُس کے اشارہ اور ارادہ میں ہیں۔ غرض ہر ایک دل کا مطلوب کمال ہے اور کمال علم و قدرت سے ہوتا ہے پس ہر ایک انسان اسی قدر خوشی اور لذت پاتا ہے جس قدر کہ اُس کو کمال ہو یہ وجہ ہے جس سے کہ علوم و مال و جاہ محبوب ہیں ٭

(۲۸) مدح و ثنا کی محبت اور خوشی اور ہجو کی نفرت

ہر انسان کو اپنی مدح و ثنا سے خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے اور ہجو سے نفرت اور بعض انسان چار سببوں سے اپنی مدح سے لذت یاب ہوتا ہے۔ اوّل مدح کے باعث نفس جب جانتا ہے کہ میں صاحب کمال ہوں اور کمال ایک محبوب شے ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ تو

نفس کو اپنے محبوب کی واقفیت ہوتی ہے خواہ مخواہ خوشی اور لذت پاتا ہے۔ مدح سے ممدوح کے نفس کو اپنے کمال کا شعور ہو ہی جاتا ہے اس لئے کہ جس وصف سے تعریف کی جاتی ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو ظاہر ہوتا ہے یا مشکوک اگر وصف ظاہر اور محسوس ہے تو لذت کم ہوتی ہے جیسے کسی کی تعریف میں کہیں کہ قد کا اونچا اور رنگ کا سفید ہے تو ہر چند یہ ایک طرح کا کمال ہے مگر نفس اس سے غافل رہتا ہے اسلئے اُس کی چنداں لذت بھی نہیں مگر دوسرے کے جتانے سے جب اس کمال کا شعور ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ لذت حاصل ہوتی ہے اور اگر وصف مذکور ایسی چیزوں میں سے ہو جن میں شک کو مجال ہے تو اس سے لذت بہت زیادہ ہوتی ہے مثلاً کسی کی کمال علم اور کمال ورع یا حُسن خلق کی تعریف کرنی یہ اوصاف ایسے ہیں کہ آدمی کو ان میں اکثر شک ہوتا ہے کہ میرا حُسن خلق یا علم یا ورع کامل ہے یا نہیں اور اس بات کا مشتاق ہوتا ہے کہ یہ شک مٹ جائے اور یقیناً معلوم ہو جائے کہ میں اس وصف میں بےنظیر ہوں تاکہ اطمینان ہو اور پھر اس وصف کے حاصل کرنے میں مشقت نہ کرنی پڑے پس جب دوسرے کی زبان سے اپنے کمال کو سُنتا ہے تو دل کو تسکین ہوتی ہے اور دل کو وثوق ہوتا ہے اور نہایت لذت حاصل ہوتی ہے اور سب سے زیادہ تر لذت اس سبب سے اس وقت ہوتی ہے جب مدح و ثنا کوئی ایسا شخص کرے جو اس طرح کی صفات سے واقف ہو اور کلام بھی بےتحقیق اور بیہودہ نہ کہتا ہو مثلاً کوئی اُستاد اپنے کسی شاگرد کی ثنا کرے کہ بڑا ذکی اور دانا اور فاضل ہے تو اس سے شاگرد کو نہایت خوشی ہوتی ہے اور اگر کوئی بیہودہ اور لغوگو اس طرح کی ثنا کرے تو لذت کم ہوتی ہے ہجو اور مذمت کے برا معلوم ہونے کا سبب یہی ہے کہ نفس کو اپنے نقص کا شعور ہوتا ہے اور چونکہ نقصان کمال کی ضد ہے اور کمال محبوب ہوتا ہے تو بالضرور نقصان بُرا معلوم ہوگا اور جب اس پر اطلاع ہوگی رنج ہوگا خصوصاً اس وقت کوئی دانا بینا معتمد آدمی مذمت کرے

جیسا کہ مدح میں بیان ہوا دوسرا سبب یہ ہے کہ مدح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعریف کرنے والے کا دل ممدوح کا مملوک اور مسخر و معتقد ہے اور دل کی ملکیت بہر صورت آدمی کو پسند ہے جب یہ معلوم ہوگا کہ مادح میرا معتقد اور اُس کا دل میری مشیت کے تابع ہے لذت حاصل ہوگی خصوصاً جب ایسا شخص تعریف کرے کہ جس کو قدرت زیادہ اور اُس کے دل کے تسخیر ہونے سے کام زیادہ نکلے تو اور بھی زیادہ خوشی اور لذت ہوگی مثلاً حکام اور اکابر کے دل کی تسخیر سے اور یہ لذت کم ہوتی ہے اگر کوئی ایسا شخص تعریف کرے جو بیقدر ہو اس لئے کہ اگر ایسے بیقدر کے دل کا مالک بھی ہوا تو کیا ہے ایک حقیر چیز ملکیت میں آئی اور اسکی کی تعریف ممدوح میں قدرت ناقص کا اظہار کرتی ہے اور اسی وجہ سے ہجو کو بھی برا جانتا ہے اور دل پر صدمہ ہوتا ہے اور جب کوئی اکابر میں سے ہجو کرتا ہے تو اور زیادہ رنج ہوتا ہے کہ اس صورت میں بڑا مطلب فوت ہوتا ہے تیسرا سبب یہ ہے کہ ایک شخص کا تعریف کرنا اس بات کا موجب ہی ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا دل بھی اپنا معتقد ہو جائے خصوصاً جب ایسا شخص تعریف کرے کہ جس کے قول پر سب ملتفت ہوں اور اُس کا اعتبار کرتے ہوں مگر اس میں شرط یہ ہے کہ تعریف لوگوں کے سامنے ہو پس جسقدر جمعیت زیادہ ہوگی اور تعریف کرنے والا لائق التفات ہوگا اُسی قدر تعریف سے زیادہ لذت حاصل ہوگی مثلاً میر مجلس یا عالم ثنا کرے گا تو تعریف نہایت لذیذ معلوم ہوگی اور ہجو اُس کے برعکس شاق گذرے گی چوتھا سبب یہ ہے کہ تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح صاحب حشمت و رعب ہے کہ مادح اُس کی ثنا میں رطب اللسان ہونے کو مضطر ہے خواہ ترغیب دل یا دباؤ سے یا دباؤ بھی آدمی کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک طرح کا غلبہ پایا جاتا ہے اس جہت سے ممدوح کو اس تعریف میں لذت ہوتی ہے گو تعریف کرنے والا دل میں ان اوصاف کا ممدوح کے لئے معتقد نہ ہو اگر یہ چاروں اسباب ایک ہی تعریف کرنے والے کی تعریف میں جمع ہو جائیں تو ظاہر ہے

کہ نہایت درجہ کی لذت ہوگی اور اگر مختلف ہوں تو اُسی قدر لذت بھی کم ہوگی۔ مگر انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی تعریف پر بھولے نہیں پہلی تعریف کو جانے کہ اس میں مبالغہ ہے مجھ میں وہ کمال نفس نہیں ہے جس کی تعریف کی گئی ہے۔ دوسری تعریف کو سمجھے کہ مادح اوپری دل سے کہتا ہے اپنے قول کا معتقد نہیں اور مجھ میں وہ صفت نہیں جو وہ بیان کرتا ہے ایسے ہی تیسرے سبب کو سمجھے جو تجھے سبب جانے کہ میرے خوف اور دباؤ سے ثنا نہیں کرتا بلکہ مجھ کو بناتا ہے

(۲۹) مدح وذم میں لوگوں کے حال مختلف ہوتے ہیں

مادح اور مذمت سازی کی نسبت لوگوں کے چار احوال ہوتے ہیں اوّل صورت یہ ہے کہ مدح سے خوش ہوکر شاکر ہوں اور مذمت سے ناخوش ہوکر مذمت کرنے والے سے کینہ رکھیں اور اس سے انتقام لینے کو اچھا سمجھیں اکثر حال لوگوں کا یہی ہے۔ صورت دوم یہ کہ مذمت باطن میں تو شاق معلوم ہوتی ہے مگر زبان اور اعضاء ظاہری پر اُس کی مکافات کی نوبت نہیں آتی اُس کو روکے رکھتا ہے اسی طرح مادح کی مدح سے باطن میں تو خوش ہوتا ہے مگر ظاہر کی حفاظت کرتا ہے۔ اظہار سرور ظاہر نہیں کرتا۔ سوم یہ اعلیٰ درجہ کی بات ہے کہ مدح وذم مساوی معلوم ہوں نہ مدح سے سرور ہو نہ مذمت سے رنج۔ یہ بات جس میں ہوگی اُس میں علامات پائی جائے گی کہ اُس کو مادح کو مذمت کرنے والا کا بیٹھنا برابر گوارا اور ناگوار ہوگا۔ دوم جتنی خوشی اور فرحت مادح کی حاجت روائی میں ہوگی اتنی ہجو کرنے والے کی کاربرآری میں۔ سوم مجلس سے مدح اور ہجو کرنے والے کا چلا جانا برابر معلوم ہو۔ چہارم دونوں کے مرنے کا غم ورنج برابر ہو۔ پنجم دونو کی مصائب اور اذیت پہنچنے پر اثر برابر ہو۔ مگر یہ رتبہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ چوتھی صورت یہ کہ مدح کو بُرا جانے اور مادح سے ناخوش ہو اور مذمت والے کو دوست جانے کہ اُس نے اُس کے عیب بتلائے اور جو بات ضروری تھی اُس کی طرف

اس کو ہدایت کی یہ مرتبہ نہایت سخت دشوار ہے۔ ہم میں پرلے درجہ کی خوبی یہی سمجھی جاتی ہے کہ مذمت کرنے والے کی برائی اور راوج کی بھلائی دل میں ہو مگر اس کا اظہار قول اور عمل میں نہ ہو۔

(۳۰) دنیا کے امور میں تفاوت

دنیا کا حال ایسا ہی ہے جیسے کسی بحر کا ہو کہ آدھا حصہ اس کا شیریں اور روشن مثل شکر و قمر ہو۔ دوسرا آدھا تلخ زہر ہو اور رنگ تیرہ ہو۔ اب ان دونوں حصوں میں اوپر نیچے سے سمندر کی طرح لہریں اٹھ رہی ہوں کبھی یہ اوپر کبھی وہ اوپر۔ کبھی صلح کی موجیں اٹھیں تو سینے بے کینے ہو گئے۔ کبھی جنگ کی لہریں اٹھیں تو محبت زیر و زبر ہو گئی محبت تلخیوں کو شیریں کرتی ہے کیونکہ اس کا کام رشد و ہدایت ہے۔ قہر شیریں کو تلخ کرتا ہے۔ تلخ و شیریں آپس میں موافقت نہیں کرتے۔ مگر یہ تلخ و شیریں اس نظر سے بھلے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ عاقبت کے منظر سے دیکھے جاتے ہیں چشم آخر بیں صحیح و درست دیکھتی ہے چشم اوّل بیں خطا کرتی ہے بہت سی شیریں چیزیں شکر نظر آتی ہیں مگر ان میں زہر بھرا ہوتا ہے۔ جو زیرک ہے وہ تو ان کو دور ہی سے پہچان جاتا ہے اور ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ بعض اس کو سونگھ کر پہچانتے ہیں اور رد کرتے ہیں بعض اس کو لب و دنداں سے چکھ کر تھوک دیتے ہیں بعض گلے کے اندر لیجا قے کرتے ہیں بعضے کھا جاتے ہیں سارا بدن اس سے ان کا تکلیف پاتا ہے اور اس کا اخراج مشکل سے ہوتا ہے۔ ان سے زندگی میں امراض پیدا ہوتے ہیں جو قبر میں لیجاتے ہیں وہاں بھی وہ ان کو ستاتے ہیں۔ سر نبات و شکر بننے کے واسطے زمانہ کی مہلت ضرور ہے۔ مدتیں چاہئیں کہ آفتاب سے لعل میں رنگ و چمک پیدا ہو۔ پانچ سات برس سے کم میں درخت پر پھل نہیں لگتا۔ ایسے ہی اس تلخ و شیریں زمانہ کے نتیجے دیر میں نکلتے ہیں تصاریف غذائی سے زہر بھی خوشگوار ہو جاتا ہے۔ دنیا کسی مقام میں نہر ہے کسی مقام میں وادی کسی جگہہ کہیں کسی جگہ

کہیں خار کہیں گل۔ کہیں سر کہیں تل۔ کہیں خوف کہیں جا۔ کہیں بخل کہیں سخا۔ کہیں فقر کہیں غنا۔ کہیں قہر کہیں رضا۔ کہیں جور کہیں وفا۔ کہیں طمع کہیں عطا۔ کہیں درد کہیں صفا کہیں خاک کہیں گیاہ۔ کہیں عیب کہیں ہنر۔ کہیں سنگ کہیں گہر۔ کہیں حنظل کہیں شکر کہیں خشکی کہیں تری۔ کہیں ظلم کہیں عدل۔ کہیں جہل کہیں عقل کہیں ایک ہی چیز ایک جگہہ گزند جان دوسری جگہہ درماں۔ غورہ میں ایک پانی ترش ہوتا ہے وہی انگور ہونے پر شیریں ہو جاتا ہے۔ وہی خم میں تلخ اور حرام ہو جاتا ہے۔ غرض ان تفاوت امور کا ظہور عاقل خوب جانتے ہیں +

باب ہشتم

معاملات دنیا

(۱) تجرد و تاہل کے فوائد و نقصان

تجرد سے مراد یہ ہے کہ آدمی عورت سے الگ رہے اور تاہل سے مراد یہ ہے کہ آدمی نکاح کرے ان میں سے ہر ایک کے جدا جدا نفعے اور نقصان ہیں۔ انسان کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے انسان کے حق میں تاہل و تجرد کی منفعتیں اور مضرتیں بھی جدا جدا ہوتے ہیں اگر ہر انسان کے حق میں اُن کے فوائد اور نقصانوں کا وزن میزان عدل میں کیا جائے تو اکثر آدمی ایسے ہونگے جن کے حق میں تاہل کے فائدوں کا پلڑا جھکا ہو گا بعض ہی شخصوں کے حق میں دوسرا پلڑا جھکے گا۔ نکاح کی رغبت اور اعراض بسبب اختلاف حالات مختلف ہوتی ہیں اُس کی منفعتیں اور مضرتیں بیان کرتے ہیں +

(۱) پہلا فائدہ نکاح کرنے کا اولاد کا ہوتا ہے یہ سب کی اصل ہے اور نکاح اسی کے لیے موضوع ہوا ہے۔ بقاء نسل اسی سے ہی بغیر اس کے جنس انسان سے عالم خالی ہوتا ہے۔ تاہل ایک تیراک ہے کہ اولاد کے موتی محیط عدم سے نکال کر ماں باپوں کی گردن کا زیور بناتا ہے

وہ باغبان ہے کہ عورت و مرد کی آمیزش سے ثمر اولاد سے ماباپوں کو متمتع کرتا ہے۔ روشن گر ہے کہ آئینہ خاطر کو عیال کی کدورت کی خاکستر میں غوطہ دیتا ہے کہ اندیشہا سے نفسانی کا زنگ اُتر جائے آتش زنہ ہے کہ خاندانوں کا چراغ روشن کرتا ہے۔ اولاد ہی اس خوان جہان کا نمک اور دیدۂ دل کی عینک ہے جیسے جانوروں کے پھنسانے کے واسطے دانہ پھیلا دیا جاتا ہے اسی کی چاہ میں وہ جال میں پھنس جاتے ہیں اسی طرح عورت اور مرد کو تزویج کے جال میں پھنسانے کے لئے اولاد کا دانہ ڈالا جاتا ہے جس کی خواہش کے وہ دام میں آتے ہیں عورت و مرد زوج پیدا کئے گئے ہیں اور ان کے اندر ایسے اعضا بنائے گئے ہیں کہ جن کے خط عقدۃ الحسن میں نقوش و حروف اور آواز کو دخل نہیں ہے یہ لکھا ہوا ہے کہ ان میں ازدواج ہو جس کا نتیجہ اولاد ہو جس کو خدا نے چشم بصیرت دی وہ اس خط سے حکمت ازلی کے دقائق سمجھتا ہے۔ یہ ساز و سامان عورت و مرد میں اپنی زبان فصیح سے خالق کی مراد پر شہادت دیتا ہے اور عقل والوں کو بتاتا ہے کہ ہم کو اولاد کی غرض سے بنایا ہے۔ پس اس کے پیدا کرنے میں وہ لذت ہے جس کی برابر کوئی دنیاوی لذت نہیں پس جو نکاح کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو جو چیز محبوب ہے اُس کو پورا کرتا ہے جو اس سے اعراض کرتا ہے وہ اس چیز کو ضائع و تلف کرتا ہے ایسے کام کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اب یہ کہنا شاید قابل اعتراض ہو کہ خدا تعالیٰ کو نسل آدم کا قائم رکھنا محبوب نہیں ہے۔ اس سبب سے کہ خدا تو خود انسان کو موت سے معدوم کرتا ہے اگر انسان نکاح سے اعراض کر کے نسل آدم کو معدوم کر دے تو کیا ناپسند کام کرتا ہے۔ اس کا جواب دینا انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ کیوں انسان کے معدوم کرنے کے یہ طریقے مقرر کئے ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نفس کی حفاظت شہوت کے فسادوں سے ہو۔ انسان کی سرشت میں جوش شہوت ایسا ہے کہ جب وہ غالب ہوتی ہے تو عقل اور تقوے میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ اس کو روک سکیں اُس کی جوش کی حالت میں عقل و علم دونوں دھرے رہتے ہیں آدمی وحشیوں کے

کام کرنے لگتا ہے اسلئے بُری بُری باتوں میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے۔ تجرد محض ہنس سکتا اگر تقوے نے بڑا زور کیا اعضاء ظاہری کو شہوت سے روک دیا۔ مگر دل کا اُس کے وسوسے وفکر سے بچانا اُس کے اختیار میں نہیں۔ اس لئے نفس ہمیشہ کشاکش میں رہتا ہے اور جو دل پر وسوسے گذرتے ہیں اُس کو خدا ہی جانتا ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ نکاح کرنے سے نفس کو راحت پہونچتی ہے۔ بی بی کے پاس بیٹھنے سے اُس کا مُنہ دیکھنے سے دل خوش ہوتا ہے۔ اُس کی حرکتوں سے جی کو چین ہوتا ہے انسان کی سرشت میں ہے کہ جب اُس کے نفس پر خلاف سرشت دباؤ ڈالا جائے گا اور زبردستی وہ کسی مخالف امر پر لایا جائیگا تو وہ کہنا نہیں مانے گا اور سرکشی کرے گا لیکن اگر اُس کو کبھی کبھی لذتوں سے راحت ملتی رہے گی تو وہ خوش رہے گا۔ عورتوں کے ساتھ دل بہلانے میں وہ راحت ہوتی ہے جس سے کرب دور ہوتی ہے اور دل مسرور ہوتا ہے جب نفس سے زبردستی کام لیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ اسلئے ضرور ہے کہ وہ حلال چیز سے لذت اور راحت حاصل کرے۔ جب کوئی شخص غایت درجہ کی محنت کرے تو ضرور ہے کہ وہ بیچ بیچ میں دم بھی لے کچھ ہنسے بھی۔ پس جو آدمی سارے دن اپنے فکر معیشت میں بسر کرے تو چاہئے کہ کوئی اُس کو آرام و راحت پہونچے جس سے وہ لذت یاب ہو۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ گھر کا انتظام ہوتا ہے کھانا پکانا۔ گھر کا صاف ستھرا رکھنا۔ فرش بچھانا برتن مانجھنے اور لوازم خانہ داری مہیا کرنے سے مرد کے دل کو فراغت ہوتی ہے۔ اگر آدمی اکیلا گھر میں ہے تو بڑی ہی مشکل پڑے اسلئے کہ گھر کے سب کاموں کی کفالت اگر خود کرے تو اُس کی اکثر اوقات اسی میں تلف ہو جائے گی۔ اور کسی علم و عمل سے فارغ نہ ہوگا اس اعتبار سے ایک نیک بخت عورت کا گھر میں ہونا ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ وہ تدبیر منزل سے بالکل بے فکر کر دیتی ہے جس کو نیک بخت بی بی مل گئی گویا دنیا کی ساری خوبیاں

ہاتھ لگ گئیں۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ نکاح سے تہذیب اخلاق ہوتی ہے اور نفس پر ایک مجاہدہ اور ریاضت ہوتی ہے۔ گھر کی رعایت و و لایت اور گھر والوں کے حقوق کا ادا کرنا اور اُن کی عادتوں پر صبر کرنا اور اُن سے تکلیف اٹھانی۔ اُن کی اصلاح میں کوشش کرنی۔ اُن کو معاد و معاش کے طریقے سکھانے۔ اُن کے لئے کسب حلال میں جانفشانی کرنی اولاد کی تربیت و تعلیم۔ یہ سب امور بڑے مرتبے کے ہیں پس ان سب کاموں کے کرنے سے اپنے نفس کی اصلاح ہوتی ہے جو گھر سے ایذا اُس کو پہنچتی ہے اُس پر صبر کرتا ہے فقط اپنے نفس کی راحت و رفاہیت و اصلاح میں وہ ساعی نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ زن و فرزند کی فکر میں رہتا ہے کہ کیونکر اُن کو راحت اور چین پہنچائے۔ اور اُن کی معاد و معاش کے باب میں اصلاح کرے۔ وہ حلال کمائی کو اپنے ہی لئے طلب نہیں کرتا ہے بلکہ غیروں کے لئے بھی۔ یہی تہذیب اخلاق کا جزو اعظم ہے۔ وہ جو کچھ گھر والوں پر خرچ کرتا ہے وہ بڑی خیرات ہے۔ حلال کمانا اور عیال پر خرچ کرنا بڑی نیکی ہے بعض اوقات بیویوں کی بدمزاجی سے خاوند بڑے نیک مزاج ہو جاتے ہیں۔ بی بیاں زبان درازیاں کرتی ہیں ستاتی ہیں بے ادبی کرتی ہیں وہ خاموش رہتے ہیں اور صبر کرنے سے اُن کے نفس کو جفاکشی اور غصہ مارنے کی عادتیں درست ہو جاتی ہیں اسلئے کہ جو شخص خود تنہا رہتا ہے تو اُس سے اُس کے نفس کی بدیوں کی خواہشیں مترشح نہیں ہوتیں اور نہ باطن کے عیب ظاہر ہوتے ہیں اسلئے آدمی کو چاہئے کہ اپنے نفس کو ایسے بکھیڑوں میں ڈال کر آزمائے اور صبر کا عادی ہو کر مرتاض و معتدل عادات پیدا کرے تاکہ باطن صفات ذمیمہ سے پاک صاف ہو جائے۔

اِن فوائد کے ساتھ نکاح میں آفتیں بھی ساتھ لگی ہوئی ہیں اول سب سے زیادہ قوی آفت یہ ہے کہ جب اسباب معیشت کے اطوار ابتر ہو جاتے ہیں تو پھر آدمی حلال روزی پیدا کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے جب آدمی نکاح کریگا تو نکاح کے سبب سے طلب بھی زیادہ ہوگی

پھر گھر والوں کو کھلانا اُن کے ذمے ہوگا جس میں وہ حرام حلال کی تمیز نہیں کرے گا۔ اُس کو بی بی بچوں کے اخراجات کے لیئے وہ ناجائز کام کرنے پڑتے ہیں کہ اگر تنہا ہوتا تو ہرگز نہیں کرتا۔ دوسری آفت یہ ہے کہ گھر والوں کے حقوق کو ادا کرنے اور اُن کی عادتوں پر صبر کرنے اور ایذا کی برداشت کرنے سے قاصر ہو۔ زن و فرزند کے حقوق ادا کرنا سہل کام نہیں ہے۔ جو کوئی اس سے پہلو تہی کرتا ہے وہ ایسا ہی جیسے کوئی بادشاہ رعیت سے کنارہ کشی کرے۔ انسان اپنے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کیا کرتا ہے۔ نکاح کی صورت میں تو اُس پر اور بہت سے حقوق ہو جاتے ہیں اسلیئے بعض بزرگ آزادمنش نکاح سے اعراض کرتے ہیں ؎

ہوش کے رہنے کو تنہا نہیں بل ہے کافی   اُس کی دُم میں بندھے جھاڑو تو وہ پھر کیسے رہے

تیسری آفت یہ ہے کہ تاہل کے سبب سے دنیا کی طلب میں آدمی ایسا محو ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کو بھول جاتا ہے۔ ہر وقت یہ سوجھتی ہے کہ اولاد کے انتظام معیشت کے واسطے بہت سا مال جمع کیجیے اور اُن کے واسطے اپنے پیچھے چھوڑیئے۔ اور اُس کے سبب اپنے ہم چشموں میں دون کی لیجیئے۔ غرض کچھ ایسی صورت ہوتی ہے کہ سارے کام وہ اس طرح کرتا ہے جیسے کہ اُس کو خدا کا خیال ہی کچھ نہیں رہا۔ یہ بڑے جوانمردوں کا کام ہے کہ ایسی حالتوں میں خدا کو بھولے نہیں نالیاں خس و خاشاک سے بھر جاتی ہیں سمندر میں اُن سے کچھ تبدل نہیں ہوتا۔ ایسے ہی جو باخدا ہیں وہ اس اہل و عیال کے بارے خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے بلکہ اس میں اور ترقی کرتے ہیں۔ جو نااہل ہیں وہ تاہل سے خدا سے غافل ہو جاتے ہیں غرض کہ فوائد اور آفات دونوں ہیں انسان اپنی حالت کو دیکھ کر اُن کو عدالت کی ترازو میں تول لے جس طرف کا پلڑا جھکتا دیکھے اُس طرف جھک جائے۔ خوب سمجھ لے کہ میرے حق میں کس حالت کے بہتر ہونے کا ظن ہے اُس کو اختیار کرے +

(۲) کثرت اولاد

کثرت اولاد وہ غضب ڈھاتی ہے کہ آدمی کو تونگری میں مفلس بناتی ہے۔ دو دولت مندوں میں آپس میں مباحثہ ہو رہا تھا کہ کون دولت مند زیادہ ہے۔ ہر ایک قسم کی دولت میں وہ برابر نکلے تو ایک دولت مند نے کہا کہ تیرے اولاد مجھ سے زیادہ ہے اسلئے تو مجھ سے زیادہ مفلس ہے۔ کمی اولاد بھی ایک قسم کی تونگری ہے +

(۳) نکاح کے طریقے

مسلمانوں کے ہاں مذہبًا جب تک عورت مرد بالغ نہ ہوں اُن میں نکاح درست نہیں ہوتا۔ گو اُس کا رواج ہندوستان میں نہ ہو۔ مگر اور ملکوں میں یہ امر مذہبًا مباح ہے کہ نکاح سے پہلے عورت اپنے خاوند کی سیرت و اخلاق سے بہتر طور پر آگاہی حاصل کرے اور مرد کو عورت کی سیرت و صورت دونوں سے خصوصًا صورت سے اپنے معائنہ سے۔ کیونکہ اگر عورت بدصورت ہو تو سرشت انسانی اُسپر کفایت نہیں کرتی مگر حسن سیرت کو حسن صورت پر ترجیح ہے اگرچہ یہ قاعدہ مشہور ہو رہا ہے کہ صورت و سیرت کا اچھا ہونا لازم و ملزوم ہیں یعنی جنکی صورت اچھی ہوگی اُس کی سیرت بھی اچھی ہوگی۔ خواہ کسی طریقے سے نکاح ہوں ہر جا لیکن میں بہت سے گھر ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ او

جن کو عورت خوبصورت خوش خلق سیاہ چشم رنگ میں سرخ سفید شوہر دوست میسر ہو تو اُس کو اِس دُنیا میں حور مل گئی جس سے گھر جنت بن گیا۔

اکثر آدمی یتیم و مفلس عورت سے تو نکاح نہیں کرتے ہیں کہ جس کے کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے میں اور نفقہ دینے میں تھوڑے سے مال پر راضی کر دینے میں آسانی ہو۔ بلکہ دُنیا داروں کی بیٹیوں سے شادی کرتے ہیں جو ہمیشہ اپنی نئی نئی فرمائشیں اور خواہشیں اُن کے سامنے پیش کرتی ہیں بہت سے لوگ جہیز کے لالچ میں آن کر نکاح کرتے ہیں گویا

انھوں نے بیاہ کو بھی ایک تجارت اور ربا کی صورت بنا رکھا ہے۔ بعض مہر اور دولت کے لالچ میں آ کر اپنی جوان کنواری لڑکیاں بوڑھوں سے بیاہ دیتے ہیں جس سے وہ بیچاری ساری عمر تباہی بھگتتی ہیں۔ قرابت قریبہ میں شادی کرنی اچھی اس سبب سے نہیں ہوتی کہ اولاد ضعیف پیدا ہوتی ہے اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتی ہے مسلمانوں کے ہاں اس کا خوب تجربہ ہوتا ہے۔

(۴) شوہر و زوجہ کے حقوق باہم

شوہر کو چاہیے کہ وہ عورت کے یہ حقوق مرعی رکھے کہ بیوی کی بدخلقی پر صبر کرنا۔ اس کے ساتھ خوش خلقی برتنا جس کے معنی نہیں کہ ایذا نہ دے بلکہ یہ معنی ہیں کہ اگر وہ ایذا دے تو اس کی برداشت کرے جب وہ غصہ کرے تو اس کے غصہ پر حلم کرے۔ حضرت لقمان کا قول ہے کہ عاقل کو چاہیے کہ اپنے گھر میں بچے کی طرح رہے اور جب اپنے قوم میں ہو تو مرد بنجا کبھی گھر والوں کے ساتھ سخت دل و سخت زبان نہ ہو۔ بیوی کے ساتھ مزاح کرے مگر اتنا نہ بڑھا دے کہ عورت کا مزاج بگڑ جاوے۔ اور اس کی نظر میں اپنی ہیبت کچھ نہ رہے اس بات میں اعتدال کا لحاظ رکھے اس طرح جب کوئی بری بات دیکھے تو تنبیہ و خفگی سے درگذر نہ کرے۔ بری بات پر کبھی راضی نہ ہو۔ بلکہ جب کوئی بات خلاف مروت وغیرہ دیکھے تو سخت تنبیہ کرے۔ جورو کا غلام بننا بھی برا ہے۔ ایسے گدھے نہ بنو کہ بیوی تمہاری پیٹھ پر پالان رکھ کر سوار رہے۔ غرض بیوی کے ساتھ مخالفت و موافقت میں میانہ روی کا طریقہ اختیار کرے اور ہر بات میں حق کی پیروی رکھے۔ عورتوں کے مزاج میں بدخلقی و کم عقلی و کج فہمی غالب ہوتی ہے۔ اس میں اعتدال جب ہی پیدا ہوگا کہ کچھ لطف ان کے ساتھ کیا جائے۔ کچھ سیاست برتی جائے۔ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　　چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

ایسی شریر عورتیں بھی ہوتی ہیں کہ مرد کو بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہیں جیسے ہم

پاس آئے تو گالی دیں جب اُن کے پاس ہوں تو اُس کے مال میں خیانت کریں عورت کی عزت
میں ہمیشہ اعتدال رکھنا چاہئے جن امور کی خرابی کا اندیشہ ہو اُن کی ابتدا سے غفلت نہیں کرنی
چاہئے عورتوں پر بدگمانی اور اُنکے باطن کی تلاش میں مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔ عورت پر
بدگمان ہونا بڑا گناہ ہے جس مرد کو بیوی کی غیرت نہ ہو اُس کا دل اندھا ہے۔ روٹی کپڑا
اچھی طرح بیوی کو دے۔ نہ اُس میں تنگی کرے نہ اسراف یہ دونو بُرے ہیں اعتدال چاہئے
مرد کو تنہا خوری اچھی نہیں جو آپ کھائے وہ سب کو کھلائے۔ اگر زن و شوہر میں جھگڑا
ہو جائے تو بہتر ہے کہ آپس میں اُس کو دور کریں اگر وہ یوں نہ فیصل ہو تو برادری کی
پنچایت میں اُس کو فیصلہ کرائیں۔ عورت کو طلاق کوئی ایسی ہی سخت ضرورت آن پڑے
تو دے نہیں طلاق دینا عورت کے دل کو رنج دیتا ہے۔ کسی کے دل کو رنج دینا اچھا نہیں
اب یہ سنو کہ عورت پر مرد کے حقوق کیا ہیں۔ بیوی بننا ایک طرح کا لونڈی بننا ہے۔ اُس پر
شوہر کی فرماں برداری واجب ہے اُسے کبھی عورت کو نہیں چاہئے کہ زائد از حاجت کوئی
چیز طلب کرے اور اُس پر وہ فرمائش کرے جو اُس کے مقدور سے باہر ہو۔ ایک بزرگ نے
اپنی بیٹی کو شادی کے وقت یہ سمجھایا کہ جس گھر میں تو آئی تھی اب اُس سے نکلتی ہے اور
ایسے بستر پر جاتی ہے جس سے تو واقف نہ تھی اور ایسے آدمی پاس رہے گی جس سے پہلے
الفت نہ تھی تو اُس کی زمین بن کہ وہ تیرا آسمان بن جاوے گا۔ تو اُس کے لئے باعث آرام ہو
تاکہ وہ تیرے لئے باعث آرام ہو۔ تو اُس کی لونڈی بن تو وہ تیرا غلام رہے گا۔ اپنی طرف
سے اُس کے پاس مت جا تاکہ تجھ سے نفرت کرے اور نہ اُس سے دور ہو تاکہ تجھ کو بھول جائے
بلکہ وہ اگر تیرے پاس ہو تو اُس کے قریب ہو۔ اور اگر علیحدہ رہے تو دور رہ۔ اور اُس کے ناک
اور کان اور آنکھ کا خیال رکھ کہ تجھ سے بجز خوشبو کے اور کچھ نہ سونگھے اور سوا اچھی
بات کے تجھ سے کچھ اور نہ سُنے اور نہ دیکھے۔ ایک شخص نے بیوی کو سمجھایا ہے کہ جب
مجھے غصہ آئے تو اپنی زبان تو نہ ہلانا۔ ڈھول کی طرح مجھے مت بجانا۔ معلوم نہیں کہ مجھ سے

مجھ سے کونسی آزار عیاں ہو۔ کثرت سے شکوے نکرنا کیونکہ دل بدلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی
اور جب کچھ ایذا کا گمان ہوتا ہے تو دل میں دوستی نہیں باقی رہتی۔ بس تجھکو جب جاودان
رہنا منظور ہے تو ان باتوں سے پرہیز کر۔ عورت کا یہ فرض ہے کہ خاوند کی خوشی کی خواہاں
رہے۔ اُس کے مال میں خیانت نہ کرے۔ شوہر کو کبھی نہ ستاوے اور جو کام کرے خاوند
کی اجازت سے۔ شوہر کے لئے بناؤ سنگار کرے جب شوہر نہ ہو تو نیک بخت اور پژمردہ رہے
اور جب وہ آئے تو پھر وہی سامان عیش کرے۔

(۵) صحبت و عزلت

صحبت کے معنی ساتھ رہنے کے اور عزلت کے معنی دور رہنے کے اور گوشہ نشینی کے ہیں۔
عقلا و حکما و اولیا کی رائے مختلف ہے کہ صحبت و عزلت میں کس کو ترجیح ہے۔ اب ہم
دونو کی بُرائی و بھلائی بیان کر کے ثابت کریں گے کہ فی نفسہ ایک دوسرے سے
افضل نہیں بلکہ وہ اشخاص و احوال کے لحاظ سے کسی کے حق میں صحبت افضل ہے
کسی کے حق میں عزلت۔ اب یہ سنو کہ کونسی صحبت اچھی ہوتی ہے جس میں بیٹھنا چاہیئے اور
کونسی صحبت بری جس سے بچنا چاہیئے۔ اول عاقلوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے
اسلئے کہ عقل جو راس المال اور اصل ہے اس سے بڑھتی ہے۔ احمق کی صحبت سے احتراز کرنا چاہیئے اُسکی
صحبت کا انجام وحشت اور جدائی ہے۔ عقلاء علما کی صحبت آدمی کے حق میں ایسی ہوتی ہے
جیسی زمین کے حق میں موسلا دھار بارش۔ جاہل کی صحبت عاقل کی عقل کو برباد کر دیتی
ہے اور اُس کو جاہل بنا دیتی ہے۔ کیونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ احمق آدمی دوست
کے نفع کا قصد کرتا ہے مگر اُس سے ضرر ہوتا ہے۔ خردمند اگر دشمن بھی ہو تو خرد کا
طریقہ ایک فن واحد ہوتا ہے اُس سے آدمی اپنے تئیں بچا سکتا ہے۔ مگر دوست جو شخص
کے جنون میں گرفتار ہو اُس کے فنون تو صدہا ہوتے ہیں اُس سے حفاظت نہیں ہو سکتی
سا[illegible] وہ شخص ہے کہ کیا تو خود وہ باتوں کو ایسی طرح سمجھے جیسے کہ وہ نفس الامر میں ہیں

یا وہ سمجھانے اور سکھانے کے بعد بات کی اصل اور تہ کو معلوم کرلے۔ ایسے سچے آدمیوں کی صحبت
عیش کے وقت زینت دیتی ہے اور مصیبت کے وقت اُسکے دفع کرنے کا سامان مہیا کرتی ہے
دوم یہ ضرور ہے کہ جن عاقلوں کی صحبت میں بیٹھو وہ خوش خلق بھی ہوں۔ اگر ان پر غصہ
و شہوت کا غلبہ ہوتا ہے یا بخل و نامردی کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ اپنی خواہش کی اطاعت
کر جاتے ہیں اور جو بات اُنکو معلوم ہوتی ہے اُس کے خلاف کرتے ہیں ایسے آدمیوں کے اخلاق
درست نہیں ہوتے اُن کی صحبت سے کچھ نفع نہیں۔ سوم بدکاروں کی صحبت سے ایسے بھاگو جیسے
شیر سے بھاگتے ہو۔ یہ صحبت تمکو برباد دے گی۔ ایسے آدمیوں کی صحبت سے بچو جو حریص ہوں
اُن کی صحبت زہر قاتل ہوتی ہے۔ اسلئے کہ آدمی کی سرشت میں ہے کہ دوسرے کی مشابہت اور
اقتدا کیا کرتا ہے۔ بلکہ ایک کی طبیعت اپنے ہم نشین کی طبیعت میں سے کچھ باتیں چورا لیا کرتی ہے
اور صاحب طبیعت کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسلئے حریص آدمیوں کی مجالست سے حریص ہو جاوے
ایک بزرگ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں کہ بیٹا تجھکو اگر لوگوں کی صحبت کی ضرورت پڑے
تو ایسے شخص کے ساتھ رہنا کہ جب تو اس کی خدمت کرے تو وہ تیری حفاظت کرے
اور جب تو اُسکے پاس بیٹھے تو تجھکو زینت دے۔ تجھکو کوئی مشقت پیش ہو تو وہ برداشت
کرے۔ تو اپنا ہاتھ خیرات کے لئے پھیلاوے تو وہ پھیلا دے۔ تجھ سے کوئی خوبی دیکھے
تو اُسکو شمار کرے۔ اور برائی دیکھے تو اُسکو روک دے جب تو اُس سے لینے کا سوال کرے
تو دیوے تو خاموش رہے تو خود ابتدا کرے تجھ پر بلا نازل ہو۔ تو تیری غمخواری کرے
جب تو کوئی بات کہے تو تیرے قول کی تصدیق کرے۔ اگر تو کسی کام کا قصد کرے تو اچھا
مشورہ دے۔ اگر دونوں میں اختلاف ہو تو تجھکو اپنے نفس پر ترجیح دے۔ ایسا آدمی تو صحبت
و محبت کے لئے ملنا دشوار ہے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ جو شخص چار باتوں میں بدل جائے
اُسکی صحبت اختیار مت کر یعنی غصہ۔ ہوا۔ رضا۔ طمع میں آدمی کو چاہیے کہ ان چاروں
حالتوں میں صادق الوفا ہو جو شخص کریم النفس ہوتے ہیں اُن کا دستور یہ ہے کہ زشتی کو چھپاتے ہیں

حسن کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگر لئیم جب دوستی کو ترک کرتے ہیں تو خوبی کو چھپاتے ہیں برائی ظاہر کرتے ہیں ایک بزرگ کا قول ہے کہ ایسے کے ساتھ صحبت اختیار کر جو تیرے راز کو چھپا دے عیب کو ظاہر نہ کرے مصیبتوں میں ساتھ دے ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست در پریشاں حالی و درماندگی

اور نفیس چیزوں میں تجھکو اپنے اوپر مقدم رکھے۔ تیری بھلائیوں کو پھیلاوے اور برائیوں کو ترک کرکے رکھے۔ وہ تیرا سچا دوست ہے جو تیرے ساتھ ہو۔ تیرے بھلے کے واسطے اپنا ضرر کرے دنیا کے حادثوں سے جو ابتر ہو تیرا حال آرام اپنا دور کرے تجھ کو چین دے

(۶) آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں ایک بالکل شیریں تو اُن کی صحبت سے کبھی سیر نہ ہو۔ دوسرا بالکل تلخ کہ تو اُن سے کچھ فائدہ نہ اٹھا۔ تیسرے کھٹے میٹھا تو اُس سے کچھ حاصل کر پیشتر اس سے کہ وہ تجھسے حاصل کرے۔ چوتھے نمکین تو اُسکو بوقت حاجت کے اختیار کر +

(۷) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے کہ پانچ آدمیوں کی صحبت نہ اختیار کرو اول جھوٹا اُس کا حال شراب کا سا ہے کہ بعید کو قریب اور قریب کو بعید دکھلاوے۔ دوم احمق کہ اُس سے تجھ کو کچھ نہیں ملے گا۔ وہ تجھ کو نفع پہنچانا چاہے گا۔ اُس کی بیوقوفی سے ضرر پہنچ جائیگا سوم بخیل جب تجھ کو اس سے زیادہ ضرورت پڑے گی تو وہ تجھ سے یارانہ کی کٹی کر دے گا چوتھا نامرد کہ سختی کے وقت تجھ کو چھوڑ کر آپ رفو چکر ہو جائے گا۔ پانچواں فاسق کہ تجھکو ایک لقمہ یا اُس سے کمتر پر بیچ ڈالے گا غرض ایسی صحبت میں بیٹھنا چاہئے کہ دنیاوی معاملات میں اس سے مستفید ہو یا امر آخرت میں۔

(۸) صحبتیں تین طرح کی ہوتی ہیں ایک دنیا کے لئے۔ دوسری دین کے لئے۔ تیسری دل بہلانے کے لئے۔ یہ سب باتیں ایک صحبت میں نہیں مجتمع ہوتیں بلکہ متفرق ہوتی ہیں اسلئے اُن کی شرائط بھی متفرق ہوتی ہیں۔ ایک صحبت مثل غذا ہوتی ہے کہ جس سے کسی طرح مفر نہیں ہوتا۔ دوم مثل دوا کہ کبھی اُسکی ضرورت ہو اور کبھی نہ ہو۔ تیسرا مثل روگ کے کہ جسکی

کبھی ضرورت ہی نہ پڑے۔ مگر اسنجانا اس سے بھی کام پڑتا ہے۔ یہی صحبت ایسی ہوتی ہے کہ نہ جس سے امن ہو نہ نفع۔

(۹) کہتے ہیں کہ سب صحبتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کہ درخت کہ اُن میں بعض سایہ دار ہوتے ہیں اور ثمردار نہیں ہوتے وہ تو ایسی صحبتیں ہیں کہ جن سے دنیا میں فائدہ ہو مگر آخرت میں نفع نہیں مگر دنیا کا نفع ڈھلتے ہوئے سایہ کی طرح سریع الزوال ہوتا ہے۔ بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ پھل رکھتے ہیں سایہ نہیں رکھتے۔ ایسی وہ صحبتیں ہیں کہ آخرت کے کام کی ہیں مگر دنیا کے کام کے نہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ جن میں پھل اور سایہ دونو ہوتے ہیں وہ ایسی صحبتیں کہ جن سے دین و دنیا دونو کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ نہ جنمیں پھل نہ سایہ جیسے ببول کا درخت کہ کپڑے پھاڑنے کا ہے نہ کھانے نہ پینے کا۔ یہ صحبتیں جن سے نہ نفع دین ہو نہ دنیا۔ ایسے ہیں جیسے کہ حیوانات میں چوہا اور بچھو غرض ہر فرد بشر کا نرالا مزہ ہے ان کا حال پھلوں کا سا ہے کسی پھل میں مزہ اور شیرینی ہے کسی میں نہ ذائقہ ہے نہ شیرینی۔

(۱۰) صحبت کا حال سن چکے۔ اب عزلت کا حال سنو۔ اول اکثر عابدوں و زاہدوں کا میل اختیار عزلت کی جانب ہوتا ہے۔ اُسکو وہ اختلاط اور صحبت پر اس سبب سے ترجیح دیتے ہیں کہ عزلت میں خدا کا ذکر فکر کرنے اور خدا کی عجیب صنعتوں اور زمین آسمان کی حکمتوں میں اور دنیا اور آخرت کے باب میں خدا کے اسرار میں غور کرنا خوب فراغت سے اس میں ہوتا ہے۔ وہ عزلت میں خدا کے ساتھ ہم نشین ہو کر باتیں کرتے اور اُنس پیدا کرتے ہیں۔ غرض جو عابد حقیقت میں کام کرتے ہیں اُن کی عزلت صحبت و اختلاط خلائق سے بزرگ تر ہے۔ دوم عزلت کی بدولت کثرت معصیت سے بچتے ہیں۔ یہ گناہ مخالطت کو لازمی ہیں کہ غیبت کرنا۔ یا عیب سننا۔ ریا۔ نفاق۔ جب آدمی ملتا ہے تو بہت سی باتیں ایسی کرتا ہے کہ جو ریا اور نفاق سے خالی نہیں ہوتیں مثلاً اسلام علیکم کہتا ہے مگر دل میں تو یہ غرض نہیں ہوتی کہ وہ شخص دین و دنیا کی

آفات سے بچا رہے جو اصل معنی و غرض اس کے ہیں۔
تیسرا فائدہ یہ ہے خصومت۔ فتنہ و تعصب جو ہر جگہ پھیلا ہوا ہے وہ گوشہ گزینی اختیار کرنے سے چھوٹ جاتا ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کے شر سے نجات پاتا ہے اور آسودہ رہتا ہے اسواسطے کہ جب تک لوگوں میں رہے گا تو ان کی غیبت اور بدگمانی کے رنج سے نہیں بچے گا غرض تنہائی میں سب طرح سے سلامتی ہے۔ ع ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را +
بعض بزرگان دین نے اس گوشہ عزلت میں بیٹھ کر بہت سی باتیں معرفت الہی کے ادراک کیں ہیں جن سے دنیا کو فائدہ پہنچا ہے۔ یہ تو عزلت کے فائدے تھے اب اس کی آفات سنو کہ بعض مقاصد دینی اور کل مقاصد دنیوی اوروں کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتے۔ وہ بغیر مخالطت کے حاصل نہیں ہوتے۔ عزلت میں وہ فوت ہوتے ہیں۔ ان کا فوت ہونا عزلت کی آفت ہے۔ عزلت سے آدمی علم سیکھنے سکھانے سے محروم رہتا ہے۔ بغیر علم کے عزلت اختیار کرنا حیوان بنتا ہے دوسری آفت یہ ہے کہ نفع لینے اور نفع پہنچانے سے باز رہے گا۔ کسب معاش جو ضروری ہے وہ بغیر مخالطت کے کیونکر حاصل کرسکے گا۔ اگر عیالدار ہو اور وہ کسب معاش کو چھوڑ کر عزلت اختیار کرے تو وہ ظالم ہے۔ تیسری جو لوگوں کے اخلاق ذمیمہ پر صبر کرنے سے انسان کی نیک خوئی پیدا ہوتی ہے اس سے باز رہے گا۔ ہاں جو یہ نیک خوئی حاصل کر چکے ہوں وہ اگر عزلت اختیار کریں تو مضائقہ نہیں نیک خوئی بڑی ریاضت سے حاصل ہوتی ہے۔ ریاضت سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ آدمی ہمیشہ رنج و تکلیف کھینچے جس طرح دوا سے تلخی نہیں مقصود ہوتی بلکہ بیماری کا جاتا رہنا مطلوب ہوتا ہے جب بیماری جاتی رہی تو اپنے تئیں ہمیشہ دوا کی تلخی میں گرفتار رکھنا کچھ ضرور نہیں۔ چوتھی یہ آفت ہے کہ عزلت میں شاید وسواس پیدا ہوں اور ذکر الہی کے تواتر سے دل ملول ہو اور احتیاج ہو جاوے۔ یہ امر لوگوں کی موانست اور ملاقات سے جاتا ہے۔ دل جبر کرنے سے اندھا ہو جایا کرتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ کسی نیک دوست کی صحبت سے راحت حاصل کرے کہ اس سے دل کو فرحت اور نشاط زیادہ ہوتی ہے۔

پانچویں آفت یہ ہے کہ عزلت میں نہ کسی عیادت میں نہ تعزیت میں نہ تہنیت میں شریک ہو سکتا ہے جس کے سبب سے لوگوں کے حقوق تلف ہونگے۔ نفاق اور تکلف اُن سے پیدا ہونگے۔

چھٹی آفت یہ ہے کہ مخالطت میں لوگوں کے حقوق کا ادا کرتے رہنا فروتنی کی ایک قسم ہے اور عزلت میں ایک نوع کا تکبر ہے اور اس تکبر سے یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم کسی کے پاس نہ جائیں لوگ ہماری زیارت کو آئیں۔ غرض کبھی عزلت کے یہ سبب بھی ہوتے ہیں کہ آدمی تکبر کے سبب سے عزلت اختیار کرتا ہے۔ جانتا ہے کہ محفلوں مجلسوں مجمعوں میں لوگ میری عزت نہ کرینگے۔ یا یہ ڈرتا ہے کہ علم و عمل میں میرے نقصان لوگ جان جائینگے تو وہ گوشہ نشینی کو اپنے نقصان کا پردہ بناتا ہے اور ہمیشہ اس آرزو میں رہتا ہے کہ میری زیارت کو لوگ آیا کریں اور مجھ سے برکت لیں۔ میرے ہاتھ چوما کریں یہ عزلت نہیں عین نفاق ہے۔ جو عزلت خدا کے واسطے ہوتی ہے اُس کی دو علامتیں ہیں ایک تو یہ کہ گوشہ میں آدمی کبھی بیکار نہ رہے یا ذکر فکر میں مشغول رہے یا علم و عبادت میں۔ دوسرے اس امر سے کراہت رکھے کہ لوگ اُس کی زیارت کو آئیں۔ بعض بزرگ ایسے گوشہ عزلت میں خدا پرستی کرتے ہیں کہ وہ کسی کے آنے کو اپنے پاس پسند نہیں کرتے ہیں۔ اور لوگ جیسے کسی کے آنے سے احسان مند ہوتے ہیں وہ نہ آنے سے ممنون ہوتے ہیں۔ ایک فقیر کے پاس بڑا بادشاہ گیا جب فقیر سے پوچھا کہ آپ کیا حاجت رکھتے ہیں تو اُس نے کہا کہ میں یہ حاجت رکھتا ہوں کہ آپ مجھے دوبارہ نہ دیکھیں جو لوگ گوشہ نشینی اپنی تعظیم کرانے کے لئے اختیار کرتے ہیں وہ بڑے نادان ہیں۔

(۱۱) مصاحبت و مجالست

انسان مدنی الطبع ہے اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ جائے اور آشنائی اور آمیزش کا دروازہ خلق کے لئے بند کر دے۔ وہ ہر امر میں معاد و معاش کے اندر اور آدمیوں

اعانت کا محتاج ہے اور خواص و عوام کی جماعت کے ساتھ اختلاط ناچار و لاعلاج ہے جو عاقل با فراست اور ہوشمند صاحب کیاست ہے وہ تحقیق و تمیز کرکے لوگوں کے ساتھ قرین اور عام و خاص میں فرق کرکے ہم نشین ہوتا ہے کہ جن کی مصاحبت سے عمر بے بدل ضائع نہ ہو اور خدائے عزوجل سے غافل نہ ہو۔ یہ مصاحب اس کی اصلاح حال میں ساعی ہو اور گمراہی سے آگاہی کی شاہراہ پر ہادی ہو۔ ایسوں کے ساتھ ہم نشین ہونا چاہیے کہ جن کے اوضاع و اطوار کے ملاحظہ سے خدا یاد آئے۔ ان کی گفتار سننے سے علم و دانش بڑھے اور ان کے کردار کے معلوم ہونے سے آخرت کا خیال ہو۔ حدیث ہے کہ ہم نشین صالح کی ہم نشینی عطار کی مانند ہے کہ اگر وہ اپنا عطر نہ دے تو بھی اس کی مجالست سے معطر و خوشبودار ہو جاتا ہے۔ اور ہم نشین بد مانند کورہ حداد ہے کہ اگر وہ تجھے شرارے سے خود نہیں جلاتا مگر اس کے دھوئیں کا اثر تجھ پر پہنچتا ہے۔ **نظم**

اے برادر می گریز از یار بد یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ترا بر جاں زند یار بد بر جان و بر ایماں زند

دشمنان دوست نما کی ہم نفسی سے انسان کا دل تیرہ ہو جاتا ہے اور لہو و لعب پیدا وغیرہ۔ ایسی مصاحبت کی برابر کوئی چور نہیں جو انسان کی عمر کو چرا کر لے جاتی ہے۔ آدمیوں کی مصاحبت سے یہ مفسدے برپا ہوتے ہیں ہرزہ گوئی۔ ہرزہ خندی۔ دل و دین کے گھر کی بربادی اور وقار و تمکین کی تباہی۔

(۱۳) کسب اور معاش

رب الارباب و مسبب الاسباب نے دارین کی تقسیم اس طرح فرمائی ہے کہ آخرت کو جزا اور سزا کا مقام ٹھیرایا ہے اور دنیا کو محنت اور اضطراب اور مستعد ہو کر کمانے کا مکان مقرر فرمایا۔ دنیا میں مستعد ہونا یہی نہیں کہ صرف معاد ہو اور معاش نہ ہو بلکہ معاد کا ذریعہ اور مددگار معاش ہو۔ چنانچہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ قول مشہور ہے۔ اب دنیا میں تین طرح کے آدمی ہیں

ایک وہ کہ معاش میں ایسے مشغول ہیں کہ معاد سے غافل ہیں یہ ادنیٰ درجہ کے آدمی ہیں رات دن دنیا کے شمار میں لگے رہتے ہیں اور روز شمار کو کچھ نہیں شمار کرتے۔ دوم وہ لوگ ہیں جو معاد کے شغل میں معاش سے بے پروا ہیں یہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ سوم وہ ہیں کہ اعتدال سے بہت قریب ہیں یعنی معاش کا شغل معاد کے واسطے کرتے ہیں یہ متوسطین ہیں جو شخص اپنے نفس کے لئے کام اس غرض سے کرتا ہے کہ اس کو سوال کرنے کی حاجت نہ رہے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے اور آدمیوں کے بار منت سے سبک ہو جائے۔ اور اپنی احتیاج کو دفع کرے تو اس سے زیادہ کوئی نیک کام نہیں ہے وہ دین و دنیا حاصل کرتا ہے۔ اور اگر وہ صرف اس لئے کام کرتا ہے کہ مال کی کثرت میں دوسروں سے مقابلہ اور فخر کروں اور کوئی اس کے لئے ناجائز کام نہیں کرتا تو وہ بھی برا نہیں یہ بھی جائز و حلال ہے عین خدا پرستی یہ ہے کہ کوئی کار و خدمت اس لئے کرے کہ اس کے باعث لوگوں سے بے پروا ہو جائے۔ دوسرے سے مانگنے سے بدتر کوئی برا کام نہیں۔ کوئی شخص رسی لیکر لکڑیاں اپنی پیٹھ پر لاد لاوے تو اس سے بہتر ہے کہ کسی مالدار شخص کے پاس جاوے کہ کچھ دیدے۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حلال کمائی کرنے سے مفلسی دور کرنا کیونکہ جو فقیر ہو جاتا ہے اس کے اندر تین باتیں پیدا ہوتی ہیں اول دین کی برائی۔ دوم ضعف عقل سوم مروت کا جاتا رہنا۔ اور ان تینوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ آدمی اس کو فقیر حقیر جانتے ہیں۔ غرض نہ دنیا میں ایسا مشغول ہو کہ آخرت کو چھوڑ دے۔ نہ آخرت میں ایسا مصروف و محو ہو کہ دنیا چھوٹ جائے دونو برے ہیں تحصیل معیشت میں میانہ روی اچھی ہے سب جانتے ہیں کہ سونا چاندی تو برستا نہیں جب تک محنت و کسب کرو گے پیدا نہیں ہوتا جب تک آدمی محنت مزدوری نہ کرے وہ اوروں پر کرم نہیں کر سکتا بیکار آدمی سے زیادہ کوئی بد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ نہ وہ کوئی دین کا کام کرے نہ دنیا کا۔ سچا سوداگر سچے عابد سے بہتر ہے کوئی پیشہ کرنا جس سے کچھ مل جاوے۔ لوگوں کے مانگنے کی نسبت کہیں اچھا ہے +

(۱۳۳) ایک بار سمندر میں طوفان آیا کشتی والوں نے حضرت ابراہیم ادہم رح سے جو کشتی میں ان کے ساتھ تھے عرض کیا دیکھئے حضرت کیسی شدت ہو رہی ہے آپ نے فرمایا کہ شدت اس کا نام نہیں شدت یہ ہے کہ آدمی لوگوں کا محتاج ہو۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ بازار کا پچھا مت چھوڑو کہ تونگری ایک قسم کی سلامتی ہے یعنی لوگوں سے سلامت رہنا ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ انسان کو پرندوں کو دیکھ کر تو شرم کرنی چاہیئے کہ وہ رزق کے طلب میں صبح کو اِدھر اُدھر جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے آتے ہیں۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ طلب معاش میں مصروف ہونا میرے نزدیک مسجد کے کونہ میں بیٹھنے سے اچھا ہے۔ سر پر لکڑیوں کے گٹھا اٹھانے کی مشقت سوال کے کرنے سے بہتر ہے۔ غرض کہ سوال کی اور دوسرے شخص کی خدمت کے محتاج ہونے کی برابر کوئی ذلت دنیا میں نہیں اگر کسی شخص کو بن مانگے مل جاتا ہو تو بھی اس سے پیشہ کرنا افضل ہے۔ کیونکہ لوگ اُس کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی زبان حال سے سوال کرتا ہے۔ اور لوگوں میں اپنی احتیاج کھلا کھلی کہہ رہا ہے غرض بھیک مانگنے سے اور بیکار رہنے سے ہر پیشہ کرنا اچھا ہے۔

(۱۳۴) لیکن جن معاملات میں آدمی کچھ پیدا کرے اُس میں درستی معاملہ عدل۔ احسان دین کا خوف ضرور ہو۔ تجارت خواہ یہ مقصود ہو کہ بقدر کفایت زائد از حد یا زائد از رزق جبت حاصل ہو جائے تو اس میں اوپر کی چار باتوں کا لحاظ ضرور چاہیے کہ ہو۔ غرض ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ کوئی پیشہ یا تجارت اس نیت سے کرے کہ سوال کی ضرورت نہ پڑے اور لوگوں کا دست نگر نہ ہو بلکہ حلال کی کمائی سے غنی ہو جاوے۔ اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کرے تاکہ اور سب اپنے بھائیوں آدم زاد کی خیر خواہی میں اپنا روپیہ صرف کر سکے اور معاملات کرنے میں دوسروں کے لئے وہ بات پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے حرام حلال کا خیال رکھے۔ دین کو دنیا کے لئے نہ فروخت کرے۔

(۱۵) توکل و جہد

توکل کا لفظ مشتق وکالت سے ہے جس کے معنی دوسرے پر اعتماد کرکے کام سپرد کرنے کے ہیں جس کو کام سپرد کرتے ہیں اُس کو وکیل کہتے ہیں اور جو کام سپرد کرتا ہے اُس کو متوکل کہتے ہیں بشرطیکہ وکیل پر اُس کے نفس کا اطمینان اور اعتقاد ہو اور اُس کو متہم بعجز و قصور کا نہ سمجھتا ہو غرض کہ توکل صرف وکیل پر اعتماد دلی کو کہتے ہیں۔ جاہلوں کے نزدیک توکل کے معنی یہ ہیں کہ نہ بدن سے کوئی کام کرے نہ دل سے کوئی تدبیر کرے اور زمین پر چھٹے کپڑے کی طرح یا گوشت کے لوتھڑے کی مثال پڑا رہے۔ یہ امر شرعاً حرام اور عقلاً ناجائز۔ توکل خدا پر کرنا بہتر ہے مگر اُس کے ساتھ حیلہ و تدبیر کرنی اور اسباب کا بہم پہنچانا ضرور تر ہے قول پیغمبر ہے کہ ع با توکل زانوئے اشتر بہ بند۔ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ۔ انسان کی کوشش ان چار قسموں سے باہر نہیں ہوتی۔ اول کسی نافع چیز کا حاصل کرنا جو اپنے پاس نہ ہو جیسے مال کا حاصل کرنا۔ دوم اپنی اشیاء نافعہ کی حفاظت جیسے کہ ذخیرہ کی۔ سوم کسی ایذا رساں کو پہلے ایذا سے دفع کرنا مثلاً درندہ یا چور کو ٹالنا۔ چہارم جو مصیبت اپنے اوپر آگئی ہو اُس کو دور کرنا۔ اب ہر کوشش میں تدبیر و اسباب و جہد کا بیان کرتے ہیں نافع چیز کے حاصل کرنے کے تین قسم کے اسباب ہیں۔ اول یقینی دوم ظن غالب قابل اعتماد۔ سوم وہمی کہ ان پر نفس کو اعتماد کامل اور اطمینان نہیں یقینی اسباب تو وہ ان کے ساتھ مسببات خدا تعالیٰ کے حکم و مشیت سے وابستہ ہیں اور ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے اُس کے خلاف نہیں ہوتا مثلاً جب آدمی کے سامنے کھانا رکھا ہوا اور وہ بھوکا بھی ہو مگر اُس پر ہاتھ نہ بڑھائے اور کہے کہ میں متوکل ہوں خدا تعالیٰ بغیر کھانا کھلائے پیٹ بھر دے تو یہ جنون ہے توکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسباب قطعی بنا دیے ہیں جو اُس کی عادت خلق میں جاری ہے اُس کے برخلاف وہ نہیں کرتا۔ اگر آقا اپنے نوکر کے ہاتھ گرمی میں پنکھا دے اور کچھ نہ کہے تو نوکر سمجھ جائے گا کہ آقا کا مطلب کیا ہے

ایسے ہی جس کے ہاتھ ہیں وہ خدا کی رمز کو جانتا ہے کہ اُس کے دینے کا مقصد کیا ہے
اب کوئی کہے کہ میں متوکل ہوں میرے کہنے میں بغیر بوئے غلہ پیدا ہو جاوے اور بغیر صحبت کے اولاد
تو اس ترک فعل کا نام توکل نہیں ہے۔ بلکہ توکل تو حال اور علم سے ہونا چاہیئے یعنی علم تو
اس بات کا ہو کہ خدا نے ہاتھ اس کام کے لئے دیئے ہیں۔ حال یہ ہو کہ سکون قلبی اور اعتماد
خدا تعالیٰ کے فعل پر ہو کہ ہاتھ اسلئے دیئے ہیں کہ ہم جہد و کسب کریں۔ دوسری قسم اسباب
کی وہ ہیں کہ جو یقینی نہیں مگر غالب یہی ہے کہ مسببات کے بدون نہیں حاصل ہو سکتے
یا اگر حاصل ہوتے ہیں تو بہت دشواری سے مثلاً کوئی شخص قافلہ سے جدا ہو اور ویران
جنگل میں چلا جاوے جہاں آدمی نہ آدم زاد کوئی ہو اور زاد راہ ساتھ نہ لے تو یہ توکل نہیں ہے
بلکہ حماقت ہے۔ جان کو ہلاکت میں ناحق ڈالنا ہے۔ کوئی شخص دنیا کو چھوڑ کر کسی پہاڑ
کی گھاٹی میں جا بیٹھے جہاں اُس کو کچھ کھانے پینے کو نہ ملے تو وہ متوکل نہ کہلائے گا۔
بلکہ پاگل۔ یا کوئی شخص شہر میں ہے اور کوئی کسب نہ کرے تو یہ کاہلی ہے توکل نہیں۔
اگر کوئی شخص رزق کے حاصل کرنے کی جہد نہ کرے اور کہے کہ خدا رزاق ہے وہ رزق
پہنچائے گا جو باران برساتا ہے وہ ضرور نان دیتا ہے تو وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا اپنے
بندوں کو دوسروں کے ہاتھ سے رزق پہنچانا اس سے بہتر جانتا ہے کہ خود اپنے ید قدرت
سے اُن کو دے۔ غرض تمام اسباب سے دور رہنا مخالف حکمت الٰہی اور متضمن ناواقفیت
عادت خداوندی ہے کسب کرنا اور عمل کرنا خدا تعالیٰ کے دستور کے موافق ہے۔ اس
طرح توکل خدا تعالیٰ پر ہو نہ اسباب پر۔ یہی اصل توکل ہے۔ تیسری قسم وہ اسباب ہیں کہ ان
سے مسبب پر پہنچنا وہمی بات ہو کچھ ظاہر کا اعتبار نہیں جیسے بڑی باریک باریک تدبیریں
عقیل مآل بین کرتا یعنی کچھ ضرور نہیں کہ جو تدبیریں جس طرح کریں ویسا ہی ظہور میں آوے
توکل کے معنی ترک تدبیر کے نہیں۔ تدبیر کو حجاب خالق و مخلوق کے درمیان بعض آدمی
بتلاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ توکل کے ضعف سے تدبیر پیدا ہوتی ہے۔ تدبیر نتیجہ تقدیر

ستیز ہے۔ توکل کا پیشہ یعنی کوئی پیشہ نہ کرنا سب سے بہتر ہے۔ حکم حق کے آگے مُردہ بننا چاہئے تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی زحمت نہ آئے۔ غرض توکل کے لوگ ایسے معنی سمجھتے ہیں کہ جہد و سعی نہیں کرتے اور احمق بنتے ہیں کسب کو لقمہ تذویر سمجھتے ہیں کسب کرنے کو کہتے ہیں کہ ایک بلا سے دوسری بلا کی طرف دوڑنا اور سانپ سے بچ کر اژدہے کے مُنہ میں جاتا ہے۔ انسان جو حیلہ کرتا ہے وہی اُس کا دام بنتا ہے جس کو وہ جان جانتا ہے وہ خون آشام ہوتا ہے افسوس ہے کہ کسب اور نام کے اور جہد سواء وہم کے کچھ اور نہیں افسوس ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اسباب کی نردبان ہی پایہ بہ پایہ چڑھ کے مطلب و مقصد کے بام پہ پہنچتے ہیں۔ پاؤں خدا نے اسلئے نہیں دیئے کہ لنگڑے بن کر بیٹھے رہیں۔ ہاتھ اسلئے نہیں دئے کہ لڑائی میں آستین کے اندر ان کو چھپا لیں۔ نعمت قدرت کا شکر سعی کرنا ہے جملہ حال میں حیلہ ضرور ہے جب تک جال نہ بچھاؤ گے ہوا کے مرغ کیسے پکڑو گے جو جہد نہیں کرتے وہ نادان ہیں۔ متوکل نہیں۔

ادخلوا الابیات من ابوابها   واطلبوا الارزاق من اسبابها

جو لقمہ کسب حلال سے کھائے گا وہ دل میں نور و کمال علم و حکمت و عشق رقت پیدا کریگا

(۱۶) عورتوں کے ساتھ مباشرت و معاشرت

عورتوں کے ساتھ مباشرت و معاشرت ایک جلتی ہوئی آگ ہے۔ اگر وہ روغن عقل سے روشن ہوتی ہے تو وہ دین دنیا دونو کے گھروں کو روشن کرتی ہے اور اگر وہ ہوا و ہوس کی خس و خاشاک سے سلگتی ہے۔ تو دین دنیا دونو کے خرمن کو جلا کر بھسم کرتی ہے کیا وہ کم بخت بے سعادت ہے جو عقل کو چھوڑ کر نفس بہیمی کو بے باکی کے میدان میں چھوڑ کر بے مہار بناتا ہے کیا وہ احمق بدبخت ہے کہ تزویج کی فضیلت کو ترک کرکے اندھوں کی طرح فسق و فجور میں پڑتا ہے۔ جو شخص اپنی زن حلال کو چھوڑ کر زنا کرتا ہے وہ حقیقت میں پاکیزہ پختہ گوشت کو چھوڑ کر سڑے ہوئے کچے گوشت کو کھاتا ہے اور جو عورتیں اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر

اجنبی مردوں کے پاس جاتی ہیں وہ حلال کے دسترخوان سے اُٹھ کر مردار کھانے جاتی ہیں شاہدان بازاری کے ساتھ معاشرت کرنے پر جو لوگ راضی ہوتے ہیں اور فواحش کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہیں وہ سراپا اپنے تئیں تباہ و غارت کرتے ہیں۔ اور جو شخص صورت پرستی کو اپنا کمال گمان کرتا ہے اور عورتوں کی کثرت کو اپنی مردانگی کا فخر سمجھتا ہے سرتاسر احمق اور بےعقل ہے۔ یہ بات تو حیوانوں میں انسان سے زیادہ ہے اور بیل اور گدہا سور اس کام میں انسان سے بڑھ کر ہیں۔ انسان کی بڑی جوانمردی یہی ہے کہ وہ اپنے نفس سرکش کو محرمات سے روکے اور نفس امارہ کو مارے یہی اس کا جہاد اکبر ہے۔ یہ نہایت نامردی ہے کہ وہ ہوا و ہوس میں پھنس جاوے۔ نفس و باہ باز کے کتے اور شغال مست کو غفلت کے خواب خرگوش سے بیدار کرے اور حق کی بندگی کا پٹہ گلے میں ڈالے وہ شخص مردانہ اور بہادر ہے کہ جو وقت ہوائے نفس کی باد تند چلے تو ثبات قدم کو نہ چھوڑے اور میل طبعی کے جب نسیم چلے تو سبزہ کی طرح اس میں نہ لرزنے لگے۔ خوش خرام اور سرو قامتوں کو دیکھ کر اُن کے پاؤں میں سایہ کی طرح نہ گر پڑے۔ شیریں لبوں کا مگس نہ بنجائے۔ غرض نفس کی ہوس کی خواہ کیسی ہی موج خیز ہو مگر اس میں وہ اپنی سفینہ دل کو آتش گرداب سے بچائے۔ انوار حق کے روبرو خورشید طلعتوں کے جمال کو کرم شب تاب سے کمتر جانے۔ خوش صورتوں کا بندہ نہ بنے خدا کا بندہ رہے۔ زلیخا طلعتوں کی آمیزش سے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح احتراز کرے ؎

اگر لذت ترک لذت بدانی دگر لذت نفس لذت نخوانی

زنا اک شہر قند نما ہے اس سے بچے تو شکر ملے گی۔ اس عیب سے پاک ہو تو ہنر تیرے ہاتھ آئیں گے ان کنکروں کو چھوڑو تو گوہر ہاتھ لگیں گے۔ جو شخص ناکاری کرتا ہے وہ اپنے گھر کی قلتبانی کرتا ہے۔ دیکھ لو کہ جس گھر کے مرد اوباش ہوتے ہیں اکثر اُن کے گھروں کی عورتیں بھی ایسی ہی خراب ہوتی ہیں ؛

(۱۷) عاقلوں اور صاحب دلوں پر عورت غالب ہوتی ہے اور عورت پر جاہل غالب ہوتے ہیں اسلئے کہ ان میں شفقت اور رقت نہیں ہوتیں تندمزاجی و خشم و شہوت یعنی قوا حیوانی ان میں زیادہ اور لطف و کرم اوصاف انسانی کم ہوتے ہیں۔

(۱۸) نظر بازی

منگر در بتان آخر کار ۔۔۔ نگرستن گرستن آرد بار

آنکھ کیا ہے جسم انسانی میں ایک رخنہ اور عجیب و غریب روزن ہے کہ جسکے اندر خانہ دل میں ہزاروں خرابیاں جاتی ہیں اور کیا کیا ہنگامہ فساد مچاتی ہیں۔ دلبر سیم بر اسی رخنہ سے کمند نظر ڈال کر خانہ دل سے صبر و شکیبائی کو نکال لیتے ہیں۔ ابرو کمان اسی روزن سے اپنے غمزہ کے خدنگ ڈال کر ہوش و حواس کو فنا کر دیتے ہیں۔ حسن کے سودے عشق بازی کے بازار میں نظر ہی کی دلالی سے ہوتے ہیں صحیفہ اعمال میں بہت سے گناہوں کی رقمیں نگاہ ہی کی قلم سے لکھی جاتی ہیں۔ معشوقوں کی ہم آغوشی کا خیال نگاہ بغیر نہیں ہوتا۔ یہ نگاہ بھول جاتی ہے کہ خدا بصیر ہے وہ ہمارے سب برے بھلے کاموں کو دیکھتا ہی سچ ہے نظر توبہ شکن سے بہت آفتیں پہنچتی ہیں۔ جیسے صدف میں موتی چھپا ہوا ہے۔ ایسا تو بھی دیدہ کو چھپا کہ جس سے تیر بلا کا ہدف نہ ہو۔ جب دل کسی کی آنکھوں پر مائل ہوتا ہے تو نظر ہی کا ہاتھ اس کا رشتہ کش ہوتا ہے۔ دیدہ جب بادام کی طرح بے پردہ ہو گا تو اس کا مغز دہن کھائے گا جب غنچہ کھلے گا تو اس کے اندر ہوا جائے گی۔ بس آنکھ کی حفاظت کر کہ سب محرمات اس سے پوشیدہ رہیں۔

(۱۹) جوان عورت و مرد کو عصمت کے باب میں نصیحت

اے دختر تیرا رخ میری آنکھوں کا چشم و چراغ ہے۔ تو میرے باغ کا بہتر ثمر ہے۔ اگرچہ تجھ سے زیادہ تیرے بھائی نیک اختر ہیں لیکن وہ میری آنکھوں میں تجھ سے بہتر نہیں دختر بغیر پسر نہیں صدف بدون در نہیں بخت نے تجھے ہمایوں فال بنایا۔ مناسب

حال دیکھ کر رواج کے موافق تیرا نام مستورہ میمون رکھا گیا۔ اب تیری یہ فرخندہ فالی چاہیے
ہے کہ تو اپنے حال سے نام کو جال دے۔ تیری عمر سات برس کی ہے اسلئے میری باتیں
نہیں سمجھے گی۔ مگر جب سترہ برس کی ہوگی تو جانے گی کہ میں کیا کہتا ہوں۔ تو اپنی زندگی
اس طرح بسر کر کہ جس سے تو اپنے خویشوں کا نام زندہ کرے۔ اور میرا نام اس سبب سے
روشن ہو کہ تو مجھ سے پیدا ہوئی ہے۔ مرنے کے بعد پھر تو مجھے ایسا زندہ کر کہ لوگ سمجھیں کہ
اب میں تجھ سے پیدا ہوا ہوں۔ دُرِ ارجمند سے جیسے صدف مشہور ہوتا ہے ایسے ہی تو
مجھے نامور کر۔ بہتر ہوگا کہ تو اپنے سامان کے واسطے اپنے پاؤں کو دامان میں کھینچ کر
بیٹھ جائے۔ جیسا دامانِ کوہ اپنی شکوہ کے سبب سے کہیں نہیں سرکتا اسی طرح تو اپنے
دامان سے پاؤں کو نہ ہٹا۔ جو قدم پس دامان بیٹھا اُس نے پردہ نشینی میں اپنا سامان
کرلیا۔ جو پاؤں سو جاتے ہیں وہ آرام پاتے ہیں۔ جو عورت آسانی سے باہر چلی جاتی ہے وہ
گھر کے سب آدمیوں سے ایسی ہراساں ہوتی ہے جیسے کفن چور رات کو کفن چرا کر دن کو مرد و زن
سے ڈرتا ہے۔ جو عورت لالہ زار میں جا کر گل چنتی ہے وہ دامن خار میں اٹکاتی ہے۔
شراب پی کر آنکھوں کے گل سرخ بنانے سے بید کا رنگ ہونا اچھا ہے۔ جب آنکھیں اُس کی
شراب سے سرخ ہوں تو اُن کا سفید ہونا بہتر ہے۔ اپنی آنکھوں میں سرمہ اس طرح نہ لگا کہ
منہ کالا ہو۔ منہ پر سے جھوٹا گلگونہ اتار ڈال۔ ایسی کوشش کر بغیر غازہ کے سرخ رو ہو۔
اور تیرے صدق و صواب کا آوازہ بلند ہو۔ اور تیرا رخ حمرا تجھ کو حمیرا الخطاب بنا سکے۔ مجھے
زن کے پارسا ہونے کا ظن اس سبب سے نہیں ہوتا کہ عرق النسا کی سخت بیماری کا نام رگِ
زن ہے۔ حالت فرسودگی میں عورت کی عصمت نہیں دیکھی جاتی بلکہ آسودگی میں بے باکی
صاحب عصمت باقی ہے۔ گھر جب مال سے پُر ہوتا ہے تو اُس کے ہمسایہ میں چور لگے
رہتے ہیں۔ سارے شکرلب مگس ہوتے ہیں۔ شکر کے گرد جب تک مکھیاں کم نہیں ہوتیں کہ
مگس راں نہ ہو۔ جو عورت کہ جوانی میں ملامت کے کام کرتی ہے وہ بڑھاپے میں بڑی ندامت

اٹھاتی ہے۔ جو عورت آسودگی سے آزاد رہتی ہے اُس کا خانہ ویران بھی آباد رہتا ہے
جو عورت کہ سیل شراب میں آجاتی ہے اُس کا گھر خرابات بن جاتا ہے اور وہ خراب ہو جاتی
ہے جب اُس کا وجود شریف مے آلود ہوتا ہے تو اُس کے در و دیوار سے حریف آموجود
ہوتے ہیں۔ اگرچہ حجرہ میں دورِ جام چلتا ہے لیکن اُس کی بو ہمسایہ کو پیام پہنچاتی ہے
شہر میں شیطان سیرت انسانوں کا غوغا مچ رہا ہے تو اپنے دروازہ کو قفل لگا کر کنجی کو کہیں
گم کر دے۔ پردہ نشین عورت کو اپنی بے پردگی سے آفت پیش آتی ہے۔ اگر تو یہ چاہے
کہ میرے ہم و ہم عصر مجھ پر طعنہ زنی نہ کریں تو نامحرموں سے پردہ کر جس لقمہ پر سرپوش نہ ہوگا
وہ چیونٹیوں اور مکھیوں سے نہیں بچے گا۔ رات کو جس کھانے کی پتیلی پہ سینی نہ ڈھکی جائیگی
وہ گتّے بلّی سے نہ بچے گی۔ عورت متقنعہ جو دام مگس نہیں بنتا ہے وہ فرشتوں کا دام بنتا ہے
عورت کا جلوہ زنا شوہری کے واسطے وہ نہیں ہے کہ پری کی طرح کرے۔ بلکہ اُس کا جلوہ
پردہ کے اندر شرم و ہراس ہے۔ اگر تو یہ چاہے کہ میرے اقربا مجھ پر خندہ زنی نہ کریں تو اپنے
پردہ نشینوں سے پردہ کر۔ اپنے انوار میں آفتاب بن جا۔ حیا کا پردہ اپنے رخسار پر ڈال
جس نے حیا کا نقاب چہرہ سے الٹ دیا اُس کی آبرو خاک میں مل گئی۔ پردہ عصمت آلودگی
سے رخنہ رخنہ ہو جاتا ہے۔ عورت فعل بدخواہ کیسا ہی پس داماں کرے وہ پنہاں نہیں ہو سکتا
بہت رند اُس کو آشکارا کر دیں گے جن کی عادت یہ ہے کہ جو برے کام نہیں بھی کرتے ہیں تو بھی
اُن کے کرنے کی شیخیاں بگھارا کرتے ہیں۔ بدکاروں کی یہ رسم ہے کہ جو کام بد کرتے ہیں اُس کی
شہرت کو اپنا شرف و فخر جانتے ہیں۔ جو زن رعنا رعنائی کرتی ہے اُس کی دس پردوں کے اندر
بھی رسوائی ہوتی ہے۔ زنِ بد کی تباہی پر اُس کی شکل گواہی دیتی ہے جفت حلال کے
سوا اپنے خال کو بھی کسی کا منہ نہ دکھا۔ آفتاب سے بھی منہ چھپا کہ سایہ تیرا ہم قدم نہ ہو خلوت
میں سوا شوہر کے کسی کے پاس نہ بیٹھ اگرچہ وہ تیرا برادر ہی کیوں نہ ہو۔ غیر کو خیال میں بھی
مقام نہ دینا چاہئے جس گھر سے آسائش گم ہو جائے اگر وہ بہشت بھی ہو تو جہنم ہے

اور ایسا مطبخ ہے کہ جس میں وزن دھوئے کے نکلنے کا نہیں ہے اسلئے لوگ روتے ہوئے اُس سے بھاگتے ہیں۔ زبان دراز بیوی کے ساتھ رہنا وحشی کُتّے کے ساتھ بند رہنا ہے۔ جس کی بیوی گھر میں آہو کی طرح جولانیاں کرتی ہے وہ گرگ گزندہ ہے جو دانت مارتی ہے اگر خاوند تونگر ہو تو بیوی کو چاہئے کہ زر و زیور سے صنم بنے لیکن اگر خاوند بے توشہ و مفلس ہو تو قناعت کو اپنا زیور اور پیشانی کے قطروں کو سلک مروارید بنائے ان سے بہتر زیور اُس کے لئے اور نہیں اور فقط مُنہ کے دھو لینے کو آئینہ اور شانہ جانے۔ جو عورت انسان کی اولاد سے وہ ایک شوہر رکھتی ہے اور جو ایک سے زیادہ رکھتی ہے وہ خوک و سگ کی نسل سے ہے۔ سب سے بڑا بدخواہ دشمن آدمی کا جو اُس کے گھر میں رہتا ہے وہ اُس کا نفس ہے۔ اس بدخواہ کا مارنا بڑی مردانگی ہے۔ نفس کی رسی ڈھیلی نہ چھوڑ۔ جہانتک ہوسکے اُس کو قید میں رکھ۔ وہ بدی کی طرف رہ نما نہ ہو۔ جو عورت شہوت کے واسطے چراغ لیتی ہے اُس کی روشنی سے اُس کو فروغ نہیں ہوتا۔ جو مرد اپنے جادہ سے قدم باہر رکھتا ہے خلق اُس کے بُرے نام کو نیکی کے ساتھ یاد نہیں کرتی۔ جو عروس اپنی رعنائی میں گرفتار ہوتی ہے رسوائی اُس کے ساتھ ہوتی ہے برتن آلودہ پانی سے پاک ہوتا ہے مگر زن بدخاک سے پاک ہوتی ہے۔ کوئی دوسرا شخص تیری برابر تیری نگہبانی نہیں کرسکتا۔ پس جب تیرا ہی نفس تیرے دروازہ کو توڑ دے تو کون تیری حفاظت کرسکتا ہے۔ جو خود گرہ لگائے اُس کو دوسرا کون کھولے گا۔ جو بکری بھیڑیے کے سامنے خود آگے آگئی پاسبانی کُتّا کیا کرے گا۔ پس جن کو خدا نے ادب دیا ہے وہ سر دیدے گا مگر فساد کی بات کو نہیں اختیار کرے گا +

(۲۰) پرخوری

بعض نفس پرست ایسے شکم پرور ہوتے ہیں کہ شکم پرستی اُن کا دین و ایمان ہوتا ہے معدہ ہر وقت آب و نان سے پُر ہوتا ہے۔ فانوس بدن میں چراغ حیات کے لئے کھانا بمنزلہ روغن ہے۔ جیسے روغن کی زیادتی و کمی چراغ کے واسطے مضر ہوتی ہے ایسے کھانے

پینے کی افراط تفریط حیات کو معرض خطر میں ڈالتی ہے۔ اگر بھوکے پیاسے رہتے ہیں تو تمام قواء و حواس ضعیف ہوتے ہیں اور موت کے قریب ہوتے جاتے ہیں اور اگر ان کی افراط ہو تو پھر تمام بدن کے کارکن اپنی تدبیر و تصرف سے دست کوتاہ کرتے ہیں۔ امراض مہلکہ کا حملہ ہوتا ہے جو جان کو باہر نکال دیتے ہیں۔ کھانے پینے میں اسراف نہیں چاہیے تمام علم طب اسی مسئلہ میں آجاتا ہے کہ معدہ خانۂ درد اور محل امراض ہے۔ امتلاء طعام و شرب سے اور غذا ہائے غلیظہ و نامناسب سے پرہیز کرنا اس کی دوا ہے اور دوا بھی ایسی ہے کہ اس سے کوئی زیادہ موثر نہیں۔

(۲۱) خود آرائی

خودسازی و خودآرائی پر فریفتہ ہونا اور رعنائی رنگینی لباس پر شیفتہ ہونا عورتوں کا شیوہ ہے اے انسان صورت معنی شناس۔ زشت طینت زیبا نمود۔ بدگوہر رعونت اندود۔ لالہ صفت خودنما سیاہ دروں و گلگوں قبا۔ سادہ لوح منقش لباس۔ دشمن جان عاشق تن خارستان شجر گل پیرہن۔ زاغ سرشت طاؤس نما۔ کرم طبع ابریشم قبا۔ تو اس بات کو خوب جان لے کہ انسان کو اپنا لباس یہ بنانا چاہئے کہ بردباری و فروتنی کا پیراہن ہو عفاف و پرہیزگاری کی ازار۔ انکسار کی چادر۔ صدمات و بلاؤں کی پاپوش۔ تسلیم و رضا کا عمامہ۔ بندگی و اطاعت کا کمربند۔ وہی شخص صاحب سعادت ہے کہ اس خلعت والا سے مشرف ہو۔ جو اس تشریف دل آرا سے سرفراز ہوتے ہیں ان کو کب پروا ہوتی ہے کہ جامہ نیا ہے یا پرانا ہے۔ تن پوشیدہ ہے یا برہنہ وہ اپنی خطاء نفس کی ندامت کو سو جامۂ چین و ختا سے اچھا جانتے ہیں۔ اور اپنی شب بیداری کو ہزار خواب مخمل فرنگ سے بہتر سمجھتے ہیں ؎

جہد کن دل زندہ گرداں تن چہ آرائی بہ زر
مردہ را سودے ندارد گور پر نقش و نگار

لباس کی شہرت چند قسم کی ہوتی ہے ایک یہ کہ بہت نفیس و گراں بہا ہو۔ اور اس کے پہننے سے امثال و اقران میں ممتاز ہو اور اس کے سبب سے لوگوں میں انگشت نما۔

دوم یہ نہایت ہی برا ہوا اور اس میں کثافت حد سے زیادہ بھری ہو جیسے کہ بدسیر فقیر اور
طالب مرید پیرو گدڑیاں اور ٹاٹ پہنتے ہیں اور بان کی رسیاں کستے ہیں پس بہتر ہے
کہ آدمی لباس میں شیوۂ متعارف کو ہاتھ سے نہ دے۔ اور ضابطہ اعتدال کو چھوڑ کے
خود آرائی کو اپنا شیوہ نہ بنائے۔

(۴۲) بیماری

بیماری اور مرض موت کا پیغام ہوتا ہے —— اس سے انسان کی حیات کی منزل آئی ہوتی
ہے۔ کچھ ضروری نہیں ہے کہ طبیب حاذق کا علاج موثر اور نافع اور اجل کا دافع ہو۔ اکثر ان کی
تدبیریں خطا ہوتی ہیں اور بیماری بڑھاتی ہیں۔ اگر وہ چارۂ مرگ میں بیچارہ نہ ہوتے تو پہلے
اپنے تئیں موت سے بچاتے۔ لقمان اور افلاطون کاہے کو مرتے۔ پس جس وقت مرض
پیش آئے طبیبان حاذق اس کے علاج سے عاجز ہوں تو مرنے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ جان
جانے کا وقت قریب معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس بیماری سے بچ بھی جاتے ہیں تو مدتوں تک
اس سے متاثر رہتے ہیں۔ ہر ایک مرض بے خبروں کے لئے ایک خبر ہے۔ جہل و غرور کے خون
فاسد نکالنے کے واسطے رگ دل پر ایک نشتر ہے۔ حدیث ہے الحمی قائد الموت (تپ پیش رو
مرگ ہے) پس آدمی کو چاہیے کہ امراض و علل کو خدائے عزوجل کا فضل سمجھے۔ قاصد صادق القول
سے اپنے تئیں خبردار کرے۔ اور اپنے تئیں واقعہ ناگزیر کے لئے تیار کرے۔ اور ہر درد کو یہ
جانے کہ حکیم علی الاطلاق نے اپنے شفاخانہ سے دوا سودمند اور شربت مفید بھیجا ہے۔ جو
امراض کہ باطن کو مردہ بناتے ہیں ان کا علاج حکیمانہ شروع کرے۔ دنیا کی خواہشوں کی
سرگرمی سے جو دل دردمند کو تپ لگ رہی ہے اسے دور کرے۔ اندیشہائے فاسد کے خلط
سے جو سینہائے خاطر گراں ہو رہے ہیں ان کو سبک کرے۔ ہوسہائے نفسانی کی ذات الجنب
سے پہلو کو خالی کرے۔ وسوسہائے شیطانی کی ذات الصدر کے مرض کو سینہ سے دور کرے۔
[illegible] کے افعال کی زرد روئی کے رقاق سے اپنے تئیں نجات دے۔ خلاصہ یہ ہے کہ

اسقام و آلام جسمانی سے امراض باطنی دور کرے اور مرگ کے لئے تیار ہو۔ سفر عقبیٰ کی فکر کرے علائق دنیا کا جو بار گراں ہے اُس سے سبک ہو تاکہ سفر آخرت ہلکا ہو۔ جو شخص مرگ کے لئے تیار نہیں ہوتا اور اپنی بھلائی کا خیال نہیں رکھتا تو وہ ایسا مرتا ہے کہ گویا مرگ مفاجات آیا کہ ناگہانی مرگیا۔ گو بیماری کے سبب سے بستر پر سال بھر سے پڑا ہو۔ غرض آدمی کو چاہئے کہ بیماری میں اور بیماری کے بعد عمل نیک کرے اور بُرے کاموں سے ہاتھ اٹھائے۔ ہر درد دل پر درد کے واسطے دوا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس دوا کا اثر آدمی پر کمتر ہوتا ہے

(۲۳) خواب و بیداری

انسان کے ستہ ضروریہ میں سے خواب ہے۔ انسان کے واسطے وہ ضرور ہے اور اسی سے اس کا بدن برپا رہتا ہے۔ مگر وہ اُس قدر پسندیدہ ہے جس قدر مزاج صحیح اور معتدل متقاضی ہو جو اس سے کم ہوتا ہے وہ ضعیف کرتا ہے اور جو زیادہ ہوتا ہے۔ آزار و رنج پہنچاتا ہے۔ خواب کا حال کھانے پینے کا سا ہے کہ اگر وہ حد اعتدال سے باہر نہ ہو تو نیک و مستحسن ہے اور جب اس سے تجاوز کرے تو بدن کی خرابی کا باعث ہے اور بدن کی خرابی سے دل بھی سیاہ ہوتا ہے اور نقد عمر عزیز بھی اس سے تباہ و ناچیز ہوتا ہے اور فرصت و دولت بھی بھاگتی ہے۔ بہت سونے سے دین و دنیا دونو خراب ہوتے ہیں کیونکہ اس میں بیکاری ہوتی ہے نہ کوئی دین کا کام ہے نہ دنیا کا۔ خواب اتنی طرح کے ہیں۔ خوابِ غفلت۔ خوابِ شقاوت۔ خوابِ لعنت۔ خوابِ عقوبت۔ خوابِ راحت۔ خوابِ رخصت۔ خوابِ حسرت۔ خوابِ غفلت تو وہ خواب ہے جو ذکر خدا کی مجلس میں واقع ہو۔ خوابِ شقاوت وہ ہے جو نماز میں نیند آجائے۔ خوابِ لعنت وہ خواب ہے جو صبح کے وقت ہو۔ خوابِ عقوبت وہ ہے جو صبح کی نماز کے بعد ہو کیونکہ وہ سبب محرومی رزق کا ہوتا ہے۔ خوابِ راحت وقت قیلولہ کے جو چاشت کے بعد ہوتا ہے۔ خوابِ رخصت جو عشا کی نماز کے بعد ہو۔ خوابِ حسرت شب جمعہ کا خواب۔ غرض سب سے بدتر و شوم خوابِ صبح ہے جس سے آدمی رزق سے دور ہوتا ہے۔ اور چہرہ بھی اس سے متغیر اور

زرد و زشت ہوتا ہے۔ اس خواب سے اجتناب چاہیے۔ ہوشمند بیدار دل جانتا ہے کہ جب آدمی اپنے بستر پر سو جاتا ہے۔ خواب کا چور عقل و ہوش کی متاع جو حرکات آزادانہ کی سرمایہ ہے سارے بدن سے چرالیجاتا ہے۔ چراغ شعور کا بخارات کے ہجوم سے بجھ جاتا ہے حواس کے پھول ہجوم خواب کی سموم سے مرجھا جاتے ہیں اور بحکم النوم اخ الموت آدمی مُردوں کی برابر ہو جاتا ہے ہستی اُس کی نیستی کے برابر ہو جاتی ہے۔ کہ خدا سے روح خواب کی فوج کے استیلا سے سارے تن سے فرار کرکے بیکاری و بے استقلالی کے گڑھے میں جاکر چھپ جاتا ہے۔ وہ پھر عزم کرکے اپنے مقام پر عود کرتا ہے۔ اور پھر عقل و روح اپنے گھر میں قیام کرتی ہیں اور حواس اپنا کام انجام دیتے ہیں گویا اُس سے نوحیات تازہ اور نعمت بے اندازہ انسان کو ملتی ہے۔ پس سب سے پہلے بیدار ہوتے ہی انسان کو درگاہ الٰہی میں اس نعمت کا شکر او خدا کے سامنے سجدہ کرنا چاہیے +

(۴۳) خواب بھی کیا عجیب و غریب چیز ہے کہ اس میں نہ قیدیوں کو قیدخانہ کی خبر ہوتی ہے نہ بادشاہوں کو اپنی دولت کی نہ سود و زیان کا غم و اندیشہ ہوتا ہے۔ نہ اُس کا نہ اِس کا خیال ہوتا ہے۔ یہی حال عارفوں کا دنیا کی نسبت بیداری میں ہوتا ہے گویا وہ احوال دنیا سے دن میں بھی شب کی طرح خواب میں ہیں +

باب نہم

رذائل و فضائل اخلاق ۔ صفات انسانی

(۱) غضب کی حقیقت

غضب ایک قوت آدمی کے دل میں خدا نے رکھی ہے جو مضر اور مہلک چیزوں کو انسان سے رفع کرتی ہے۔ اس کو انسان کی سرشت میں آگ سمجھنا چاہیے جب آدمی کسی مطلب سے رد کیا جاتا

یا اس کی خلاف مرضی کوئی چیز پیش آتی ہے تو وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اس کا شعلہ ایسا تیز ہوتا ہے کہ دل کے اندر کا خون جوش کھا کر رگوں میں اوپر کی طرف چڑھ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غصہ کے وقت آدمی کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ چہرہ کا پوست نرم ہوتا ہے اس میں خون ایسا جھلکنے لگتا ہے جیسے شیشہ کے اندر کوئی چیز جھلکتی ہے۔ یہ حالت اس وقت طاری ہوتی ہے کہ کسی اپنے سے کم رتبہ آدمی پر غصہ آوے۔ مگر جس وقت غصہ اپنے سے بڑے پر آتا ہے۔ تو خون ظاہری جلد سے بستہ ہو کر قلب کی طرف رجوع کرتا ہے اور رنج اور غم کے سبب سے چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی برابر والے پر غصہ آتا ہے تو دونوں کیفیتیں طاری ہوتی ہیں کہ چہرہ کا رنگ لال پیلا ہوتا ہے۔ غرض غضب کا اثر دل پر ہوتا ہے یعنی بدلہ لینے کے واسطے خون دل کا جوش کرتا ہے۔ اول قوت موذی چیزوں کے دفع پر متوجہ ہوتی ہے۔ اور قبل ایذا ان کا دفعیہ چاہتی ہے اور بعد ایذا تشفی دل کے لئے انتقام کے درپے ہوتی ہے۔ اس قوت کی اشتہا اور غذا انتقام ہے اور اسی میں اس کو لذت ملتی ہے۔ اور بدون انتقام چین نہیں لیتی۔ ابتدا پیدائش سے اس قوت کے تین درجے ہیں۔ اول تفریط یعنی کمی۔ یہ مذموم ہے۔ ایسے ہی شخص کو بے غیرت کہا کرتے ہیں جس شخص کو غصہ دلانے پر غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے کمینوں کی سی ذلت اسے اٹھانی پڑتی ہے۔ دوسرا درجہ افراط کا ہے یعنی زیادتی کا وہ یہ ہے کہ غصہ اس درجہ پر غالب ہو کہ آدمی عقل اور دین کی سیاست طاعت سے نکل جائے اور بالکل آپے سے باہر جائے۔ یہ غلبہ غضب پیدائشی ہوتا ہے کہ ابتداء عمر سے آدمی زود رنج اور زود غضب ہوتا ہے یا اس عادت سے ہوتا ہے جو مغلوب الغضب و سریع الانتقام لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس غصہ کو شجاعت جانتے ہیں اور فخر یہ کہتے ہیں کہ ہم کو ذرا برداشت نہیں اور ہم کو کوئی ذرا سی بات کہے تو ہم اس کا منہ نوچ لیتے ہیں اس کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو ذرا عقل اور حلم سے بہرہ نہیں۔ پس جو شخص ایسے لوگوں کی

صحبت میں وہ کر ایسی باتیں سُنتا ہے تو وہ غصّہ کرنے کو اچّھا جانتا ہے اور ایسا ہی خود بننا چاہتا ہے۔ اسلئے غصّہ بڑھ جاتا ہے۔ تن بدن میں پتنگے لگ جلتے ہیں اپنی عقل و نفس سے استفادہ حاصل کرتا ہے۔ نہ کسی دوسرے کی نصیحت سے غصّہ کی آگ کا دھواں اُٹھ کر دماغ کو تیرہ و تاریک کر دیتا ہے کہ اس میں عقل کا چراغ روشن نہیں ہو سکتا۔ حکماء اس حال کی تمثیل ایسے غار سے دیتے ہیں کہ دھوئیں سے بھرا ہوا اور سوا غوغا اور شراروں کے کوئی چیز نہ نکلتی ہو۔ ایسی صورت میں علاج مشکل ہے۔ جتنی بجھانے میں کوشش کی جائیگی اتنا ہی وہ بھڑکے گا۔ آدمی کا حال غصّہ میں اس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے جو کشتی کا طوفان میں ہوتا ہے کہ نفس کی کشتی کا ناخدا دل تھا وہی غصّہ کے سبب سے اندھا اور بہرا ہو گیا پھر تدبیر کون کرے۔ شدت غضب میں آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں افعال بے ترتیب صادر ہوتے ہیں۔ کلام میں لغزش ہوتی ہے۔ غرض ایسی صورت بگڑ جاتی ہے کہ آدمی آئینہ میں دیکھے تو شرم کے مارے غصّہ جاتا رہے۔ صورت سے بدتر حال باطن کا ہوتا ہے۔ کیونکہ صورت ظاہری تو اصل صورت باطنی کی فرع ہے سب سے زیادہ غصّہ کا اعلان زبان کرتی ہے جب آدمی دوسرے پر غصّہ نہیں نکال سکتا تو اپنے اوپر نکالتا ہے کہ کپڑے پھاڑتا ہے اور اپنا منہ پیٹتا ہے یا زمین پر ہاتھ دے مارتا ہے یا بدہوشوں کی طرح دوڑتا ہے۔ کبھی ایسا گر پڑتا ہے کہ پھر اُٹھ نہیں سکتا۔ کبھی اپنے تئیں ہلاک کر ڈالتا ہے۔ کبھی دیوانوں کی حرکات کرنے لگتا ہے۔ جمادات اور حیوانات کو مارتا ہے مثلاً برتن توڑ ڈالا۔ دسترخوان اُلٹ دیا۔ گائے بیل گھوڑے کو گالیاں دینے لگا اور ایسی ایسی باتیں کرنے لگا کہ گویا وہ اُس کی باتوں کو سمجھتے ہیں۔ اب تیسرا درجہ یہ ہے غصّہ عقل کے اشارہ کا منتظر رہے۔ جہاں عقل غصّہ ہونے کا فتویٰ نہ دے وہاں حلم و صبر اختیار کرے۔ اسی کو خیر الامور اوسطہا کہتے ہیں۔ غرض انسان کے مزاج غضب کے قبول کرنے میں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ شدت غضب میں اپنے

نفس کو روک نہیں سکتے۔ گو جلد بحالت اصلی آجاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ابتدا میں تو نفس کو روک لیتے ہیں مگر ہمیشہ کو کینہ و بغض دل میں رکھتے ہیں اس اعتبار سے ان لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ اوّل وہ لوگ کہ گھاس کی طرح جلد جل جاویں اور جلد بجھ جاویں یعنے جلد غصہ آئے اور جلد اُتر جائے۔ دوسرے وہ کہ پتھر کے کوئلہ کی طرح دیر کر سلگیں اور دیر ہی میں بجھیں یعنی دیر کر غصہ میں آئیں اور دیر تک غصہ رہیں۔ تیسرے وہ کہ تر لکڑی کی طرح دیر میں جلیں اور جلد بجھ جائیں یعنی دیر میں غصہ ہوں اور جلد ان کا غصہ اُتر جائے۔ یہ سب سے بہتر قسم کے لوگ ہیں۔ چوتھے یہ کہ وہ سوکھی لکڑیوں کی طرح جلد بھڑک اُٹھیں اور دیر کے بعد ٹھنڈے ہوں یعنی زود غضب ہوں اور غصہ اُن کا دیرپا ہو یہ سب سے بدتر قسم کے آدمی ہیں۔ اِس مضمون کو مبادی الانسان کے حصہ دوم میں دیکھو۔

(۲) حلم

حلم اس کو کہتے ہیں کہ غصہ جوش پر نہ آئے اور اگر آئے تو اُس کے فرو کرنے میں کچھ تعب و مشقت نہ اُٹھانی پڑے۔ اگر غصہ آئے اور آدمی اُس کو پی جائے تو یہ بہ تکلف حلیم بنا ہے۔ حلم طبعی عادت جبلی ہے جس سے کمال عقل ثابت ہوتا ہے اور قوت غضبی فرماں بردار اور مغلوب ہوتی ہے مگر ابتدا میں بزور و تکلف غصہ مارنے اور پینے سے ملکہ حلم کا حاصل ہوتا ہے۔ علم کی بڑی زینت حلم ہے۔ عقل کا بڑا رکن حلم ہے۔ حلیم کو حلم کے سبب اول عوض تو یہی ملتا ہے کہ سب آدمی اُس کے طرفدار ہو کر اُس کے بدخواہ کے درپے ہوتے ہیں آدمی اجتہاد اور تجویز کے درجہ پر نہیں پہنچتا جب تک کہ حلم جہل پر غالب نہ ہو۔ مردوں میں بہادر وہ ہے جو اپنے حلم کے سبب سے جہل کو مٹا دے۔ بڑا پہلوان وہی ہے جو حلم کے زور سے غصہ کو پچھاڑ دے۔ جاہلوں کے ساتھ حلم کرنا بڑی نیکی ہے۔ حضرت حکیم لقمان کا قول ہے کہ تین شخص تین باتوں سے پہچانے جاتے ہیں حلیم تو غصہ کے وقت بہادر لڑائی کے وقت۔ دوست حاجت کے وقت۔ ایک حکیم کے ہاں ایک دوست آیا اس نے

ماحضر پیش کیا۔ بیوی بدمزاج تھی دسترخوان اٹھالیا اور میاں کو گالیاں دینی شروع کیں وہ مہمان غصہ ہوکر اُٹھ گیا۔ حکیم اس کے پیچھے گیا اور کہا کہ تم کو یاد ہے کہ ایک بار ہم تمہارے ہاں کھانا کھاتے تھے اتنے میں ایک مرغی آئی اور اُس نے دسترخوان پر کی چیزوں کو خراب کردیا تو ہم میں سے کوئی غصہ ہوا تھا؟ اُس نے کہا کہ کوئی نہیں۔ حکیم نے کہا کہ تو اب بھی ایسا تصور کر۔ مہمان ہنس پڑا اور خفگی جاتی رہی اور وہ کہنے لگا کہ حکما کا قول درست ہے کہ حلم سر درد اور چوٹ کی دوا ہے۔ ایک شخص نے ایک حکیم کے پاؤں میں ضرب ایسی ماری کہ اُس کو دکھ معلوم ہوا مگر غصہ نہ ہوا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ میرا پاؤں کسی پتھر پر سے پھسل گیا اور چوٹ لگ گئی اس وجہ سے غصے نہیں ہوا۔ جو حلیم ہوتا ہے وہ انجام کار پر نظر رکھتا ہے۔ کچھ نامردی اور عجز کے سبب حلیم نہیں بنتا۔ ایسا لڑکے میں حلم ہو تو اُس کی وقعت اور ہیبت ایک جوان اور ادھیڑ کی برابر ہوتی ہے۔

(۳) جبکہ تیرے جہل پر تیرا حلم غالب رہے گا تو تجھ پر بہت سی بجلیاں چلیں گی۔ اور رعد کڑکیں گے یعنی تجھ کو تیرے بدخواہ ستایا کریں گے پس حلم کا استعمال کرنا ضرور ہے حلم کشتی ہے اور غضب طوفان ہے حلیم کشتی بان ہے۔ اگر طوفان کے دن کشتی ٹوٹ گئی تو کشتی بان بھی موج ہلاکت میں پڑے گا۔

(۴) انتقام میں جو باتیں کہنی جائز ہیں

یہ امر تو محض ناجائز ہے کہ ظلم کے بدلے میں ظلم کیا جائے یا بدی کا مقابلہ بدی سے کیا جائے

بدی را بدی سہل باشد جزا　　　اگر مردے احسن الے من اسا

غیبت کے عوض میں غیبت کرنی اور گالی کے عوض میں گالی دینی اور علیٰ ہذا القیاس۔ معصیت میں داخل ہے۔ مگر بعض لوگ یہ فرماتے ہیں کہ کسی کے مقابلہ میں ایسے لفظ کہنے جن میں جھوٹ نہ ہو درست ہیں جیسے بدخلق۔ بےحیا۔ عیب جو وغیرہ کسی شخص کو کہہ دینا بشرطیکہ

یہ باتیں اُس میں ہیں یا یہ کہنا کہ اگر تم میں شرم ہوتی تو ایسا نہ کہتے اور تم اپنی حرکت سے میری آنکھوں میں نہایت حقیر ہوگئے یا اور خدا تم سے عوض لے یا تم سے سمجھے اور اسی قبیل کی باتیں گو دوسرے کو ایذا دیتی ہیں مگر جھوٹ نہیں ہوتیں غرض جو بات جھوٹ نہ ہو وہ انتقام میں کہنی جائز ہیں مظلوم کو اپنا انتقام لینا جائز ہے۔ غرض بعض اکابر سلف اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ جسقدر کسی کو اول ایذا پہنچے اُس قدر یہ بھی عوض لے لے مگر اس مقدار کا ترک کرنا افضل ہے اس لئے کہ اس سے زیادتی کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور مقدار واجب پر کفایت کرنا نہیں بن سکتا کیونکہ ہر ایک آغاز کی انتہا مخفی ہوا کرتی ہے اس لئے جواب دینے سے سکوت ہی افضل ہے +

(۵) حقد یعنی کینہ

جب آدمی غصہ کے وقت مجبوری انتقام نہیں لے سکتا اور غصہ پینا پڑتا ہے تو وہ انتقام باطن میں حقد بنجاتا ہے اور حقد کے معنی یہ ہیں کہ دل میں ہمیشہ کسی کو ثقیل و گراں جاننا اور اس سے بغض و نفرت کرنی غرض غضب کا نتیجہ حقد ہے اور حقد سے یہ آٹھ باتیں پیدا ہوتی ہیں اول حسد یعنی کینہ کے باعث اس بات کی تمنا ہو کہ دوسرے کے پاس سے کوئی نعمت جاتی رہے اور اگر اس کو کچھ نعمت ملے تو خود غم کرے اور اگر اس پر مصیبت آئے تو خوش ہو۔ دوسری غیر پر جو بلا آئے اُس پر شماتت کرنی تیسری دوسرے آدمی سے ایسا بیزار ہو کہ اگر وہ ملنا بھی چاہے تو نہ ملے۔ چوتھی اُسے حقیر و ذلیل سمجھنا۔ پانچویں زبان سے کلمات ناجائز کہنا۔ چھٹی اُسے مسخرا بنانا اور اُسے ہنسی میں اُڑانا۔ ساتویں ایذا جسمانی پہنچانا۔ آٹھویں اُسکے جو حقوق اپنے اوپر ہوں اس کے ادا سے باز رہنا۔ مثلاً قرض کا نہ دینا یا صلہ رحم بجا نہ لانا یا کوئی چیز اُس کی دبا لینی وہ واپس نہ کرنی۔ آدمی کے لئے بہتر ہے کہ ان آٹھوں باتوں سے احتراز کرے۔ بلکہ اتنا کینہ رکھنا بھی بُرا ہے کہ اُس کو دل میں بُرا جانے اور جو باتیں اُس کے ساتھ پہلے کرتا تھا وہ نہ کرے مثلاً دیکھ کر خوش ہونا اور نرمی

اور عنایت کرنی اور اُس کی حاجتوں کے وقت کام آنا اور اُس کے نفع میں مددگار ہونا۔

(۶) عفو و رفق

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

اگر توقع بخشائش خدا داری
ز روے عفو و کرم بر گناہگاراں بخش

عفو کے معنی یہ ہیں کہ اپنا حق جو دوسرے کے ذمے ہو اُسے چھوڑ دے مثلاً قرض جو کسی کے ذمے ہے اُس سے اُسے بری کردے۔ جو شخص باوجود قدرت انتقام رکھنے کے معاف کردے وہ بڑے رتبہ کا آدمی ہوتا ہے سب سے زیادہ صاحب عزت وہی ہے جو قابو پاکر معاف کرے۔ حضرت امیر معاویہ کا قول ہے کہ جب تک تم کو انتقام کا قابو اور موقع نہ ملے تب تک حلم اور برداشت کرو اور جب موقع ملجاوے تو عفو اور احسان کرو بعض اکابر کا قول ہے کہ حلیم اُس کا نام نہیں کہ ظلم کے وقت تو چپ ہو رہے اور جب قدرت و موقع پاوے تو بدلہ لے۔ بلکہ حلیم وہ ہے کہ ظلم کے وقت حلم کرے اور قدرت کے وقت معاف کرے۔ قدرت اور قابو پانا کینہ اور غصہ کو کھو دینا حلم ہے۔ جتنا بڑا گناہ ہو اُتنا ہی اُسکے عفو کا فضل زیادہ ہے ؎

گر عظیم است از فرو دستاں گناہ
از بزرگاں عفو کردن اعظم است

عفو میں ہمیشہ نرمی ہوتی ہے۔ نرمی کے مقابلہ میں تیزی اور تنک چڑھا پن ہے۔ نرمی حسن خلق کا نتیجہ ہے اور تیزی و تندی اسکے برعکس غصہ اور درشتی کا نتیجہ ہے کبھی تو تیزی و تندی غصہ سے ہوتی ہے اور کبھی شدت و غلبہ حرص سے ہوتی ہے۔ اس میں آدمی کو سوچ سمجھ نہیں رہتی اسواسطے استقلال جاتا رہتا ہے۔ مگر نرمی بہر صورت حسن خلق کا ثمرہ ہے یہ ملائمت بھی حلم کی ہم پلہ ہے علم آدمی کا دوست جانی ہے حلم اس کا وزیر ہے اور عقل رہنما۔ عمل سربراہ کار اور رفق اُسکا والد اور نرمی بھائی اور صبر سپہ سالار۔ رفق کے ٹھیک معنی یہ ہیں کہ ہر موقع اور مقام پر ہر ایک امر کو برتنا شدت کی جگہ شدت اور نرمی کی جگہ نرمی۔ غرض نرمی کے ساتھ درشتی کا بھی اختلاط ضرور چاہئے

شیخ سعدی؎ درشتی و نرمی بہم دربہ است چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

غرض درجہ اوسط جو اخلاق کا کلیہ ہے وہ یہاں بھی نرمی اور درشتی میں محمود ہے۔ اپنے اپنے موقع پر حسب مصلحتِ وقت دونوں اچھی ہیں مگر جس شخص کو رفق سے بہرہ نہیں ہوتا اُس کو حماقت سے نقصان ہوتا ہے اور تجربوں سے مستفید نہیں ہو سکتا اور اس سبب سے عالی درجہ نہیں پا سکتا۔ جو لوگ سخت اور درشت کلام بولتے ہیں اُن کے ہم معنی الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ نرم ہوتے ہیں؎

چو کارے برآید بلطف و خوشی چہ حاجت بہ تندی و گردن کشی

غرض دنیا میں جتنے کام رفق اور نرمی سے نکلتی ہیں اتنے درشتی سے نہیں نکلتے وہ بہت بکار آمد ہے اور تھوڑے موقع ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں درشتی سے کام نکلتا ہے۔ رفق کی عادت کے سبب سے انسان غضب نہیں ہوتا۔ دوسرے کو ادب سکھاتا ہے اجاہل نہیں بنتا دوسرے کو عاقل بناتا ہے۔ درشت کلامی قطعیت کا سبب ہوتی ہے اور نرمی بلاغت و اتحاد و مودت کا۔

بہ شیرین زبانی و لطف و خوشی توانی کہ پیلے بموئے کشی

(۷) جو شخص تجھ کو بند کرے تو اُس کو آزاد کر۔ جو تیرا بدا اندیش ہو اُس کا نیک اندیش ہو جو جفا کیش ہو تو اُس کا مصلحت کوش ہو۔ تو اوروں کے جفا کے رنج کو گنج بہا جب تجھے داغ دیں تو اُسے باغ سمجھ عفو کو اپنا پیشہ بخوبی و خوشی بنا۔ کینہ کشی کی ناخوشی کو چھوڑ عفو و کرم کا منتظم ہو کشمکش منتقم کو چھوڑ۔ کینہ خواہی مردوں کی روش نہیں جو آدمی احسان نہ کرسکے وہ انسان نہیں بے احسان ہو کر دائرہ انسانی سے باہر نہ جا۔

(۸) حسد و غبطہ (رشک)

حسد کینہ کی شاخ ہے اور کینہ غصّہ کی شاخ ہے تو حسد غصّہ کی شاخ در شاخ ہوئی اور اصل اصول ٹھہرا۔ اب پھر حسد کی اتنی شاخیں پھیلتی ہیں کہ اُن کا حصر مشکل ہے۔ حاسد اس شخص کا دشمن ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ کوئی نعمت دیتا ہے۔ پس جو کچھ خدا تعالیٰ نے

لوگوں کے حق میں مقدر کردیا ہی اُس سے وہ راضی نہیں ہوتا۔ بعض حکما کا قول ہے کہ حسد ایک زخم ہے کہ کبھی نہیں بھرتا۔ اور جو کچھ حاسد پر گذرتا ہے اُسکی سزا کے واسطے وہی کافی ہے ایک اعرابی کا قول ہے میں نے کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ سوا حاسد کے نہیں دیکھا کہ جب دوسرے کی نعمت کو دیکھتا ہے گویا اُس کے چھریاں لگتی ہیں بعض اکابر کا قول ہے کہ حاسد کو مجلسوں میں تو ذلت ہوتی ہی اور مذمت کی جاتی ہے اور فرشتوں سے لعنت اُن پر برستی ہے اور خلق سے غم و غصہ پہنچتا ہی اور برزخ میں ہول و شدت اور قیامت میں عذاب و فضیحت ہوتی ہے۔

قاعدہ ہی کہ حسد نعمت ہی پر ہوا کرتی ہے پس اللہ تعالی کسی بندہ کو نعمت عطا فرمائے تو حاسد کے دو حال ہوتے ہیں اول یہ کہ وہ نعمت اُس کو بُری معلوم ہو اور یوں چاہے کہ اُس کے پاس نہ رہے اس حال کا نام تو حسد ہی غرض حسد کی تعریف درحقیقت یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کو بُرا جاننا اور اُس کے پاس سے جاتے رہنے کا خواہاں ہونا۔

دوسرا حال یہ ہی کہ نہ تو وہ نعمت بُری معلوم ہو اور نہ اُس کے زوال کا خواہاں ہو بلکہ یوں دل چاہے کہ ایسی ہی نعمت ہمکو بھی ملے اس کا نام غبطہ و منافست ہے جو شخص دوسرے کی نعمت پر غبطہ کرے اور اپنے واسطے بھی ویسا ہی چاہے اور دوسرے سے اُس کا دور ہونا پسند نہ کرے اور نہ اُس کے پاس اس نعمت کا ہمیشہ رہنا بُرا معلوم ہو تو اُس میں کچھ ہرج نہیں غبطہ کرنے والا اپنے تئیں ناقص جانتا ہی اور سب سے پیچھے رہنا بُرا سمجھتا ہے اور نعمت والے کی برابری چاہتا ہی۔ اور اپنا کمتر رہنا بُرا جانتا ہے تو وہ بالضرور اپنے نقصان کو پورا کرنا چاہے گا۔ اور اُس کے نقصان جاتے رہنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کہ دوسرے شخص کے پاس بھی وہ نعمت نہ رہے اور دونو برابر ہو جائیں یا اُس کے پاس ویسی ہی نعمت آجاوے اور مساوی ہو جاوے اور جب ایک صورت نہیں بن پڑیگی تو بالضرور بمقتضائے بشریت آدمی کا دل دوسرے کی طرف میل کریگا۔ اگر دوسرے کے پاس سے وہ نعمت جاتی رہے تو یہ بات اُس کے جی کو بھلی لگے گی بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کے

پاس وہ نعمت ہمیشہ رہے کیونکہ اُس کے دور ہونے سے یہ اور وہ برابر ہو جائینگے اور یہ ایک ایسی بات ہی کہ بہت کم اُس سے دل خالی ہوتے ہیں اس صورت میں یہ تدبیر اولی ہے کہ غبطہ کا حال یوں دریافت کرے کہ اگر دوسرے کی نعمت کا اختیار تمکو حاصل ہو تو میں کیا کروں اگر یہ بات دل میں آئے کہ میرا بس ہو تو میں اس نعمت کو اس سے دور کردوں تو معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ خواہش حسد ہی- اور اگر یہ خیال ہو کہ باوجود اختیار اور قابو کے دل دوسرے کی نعمت کا علیحدہ کرنا پسند نکرے تو جان لے کہ غبطہ ہے اور وہ جائز ہے کہ اپنی عقل اور دین کے وسیلے دوسرے کی زوال نعمت نہیں چاہتا بلکہ یہ منظور ہے کہ مجھے بھی ویسی نعمت مل جائے- اِس میں کوئی بُرائی نہیں ہے کہ نفس الامر میں یہ بات انسان سے بعید ہے کہ جب وہ خود دوسرے کا ہمسر کیا جائے اور حصول نعمت سے عاجز ہو تو اس بات کا خیال نہ کرے کہ یہ نعمت اُسکے پاس بھی نہ رہے- کیونکہ دوسرے کے پاس نعمت کے ہمیشہ رہنے سے ہمیشہ یہ کمتر ہی رہے گا- پس اس طرح کی منافست ناجائز حسد کے ہم پلہ ہے اس میں احتیاط کرنی ضرور ہے- اکثر اپنے اقارب و یگانوں ہی میں بعض کو اعلیٰ رتبہ پر دیکھتا ہی تو اُن کی برابری چاہتا ہی- اُسی سے کبھی اُس حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے جو نہایت بُری بات ہی-

(۹) حسد کے چار مراتب ہیں اول تو یہ کہ دوسرے کی نعمت کا زوال چاہے گو وہ نعمت اُس کے خود پاس نہ آئے یہ درجہ سب میں بد تر ہے- دوسرے یہ کہ اس نعمت کا اپنے پاس آنا چاہتا ہے اُس سے غرض نہیں کہ دوسرا اُس سے کیوں مستفید ہی اور نہ یہ چاہتا ہے کہ کسی کے پاس سے وہ جاتی رہے- مثلاً کوئی عمدہ مکان یا حکومت وغیرہ ہے اُس کا دل چاہتا ہی کہ یہ میرے پاس آ جائے- یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا اُس پر کیوں مسلط رہے- تیسرے یہ کہ خاص اس نعمت کو اپنے لئے نہیں چاہتا بلکہ اس کا مثل اپنے لئے چاہتا ہے اور اگر مثل نہ ملے تو اُس کا زوال چاہتا ہے کہ تا مساوات اور برابری ہو جائے

چوتھے یہ کہ نعمت کا مثل اپنے لئے چاہتا ہے اور اگر نہ ملے تو اُس کا زوال دوسرے کے لئے نہیں چاہتا۔ پس یہ آخر صورت جائز ہے خواہ وہ نعمت دینی ہو یا نعمت دنیوی اور مرتبہ دوم میں کچھ بھلائی ہے کچھ بُرائی ہے یعنی کسی کی نعمت کا زوال نہ چاہنا تو اچھی بات ہے مگر جس شے پر دوسرا قابض ہے اُس کا اپنے واسطے چاہنا اچھا نہیں اور تیسرا مرتبہ دوسرے کی نسبت بُرا ہے اور پہلا تو بڑا ہی بُرا ہے۔ مرتبہ ثانی اور چہارم حقیقت میں حسد نہیں ہے +

(۱۰) جب حسد آدمی کا گلا پکڑ لیتی ہے تو شیطنت کو بڑا غلو ہو جاتا ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ حسد سے وہ ننگ رکھے کیونکہ وہ سعادت سے جنگ کرتی ہے۔ یہ اخلاق کی راہ میں بڑی بڑی کٹھن گھاٹیاں ہیں جس کے ہمراہ اس میں حسد نہیں ہے وہ شخص بہت ہی آسودہ اور آرام سے رہتا ہے۔ جب سے حسد خانہ حسد بنتا ہے تو خانمان سب خراب ہوتا ہے۔ بادشاہی بھی ہو تو عذاب بنجاتا ہے۔ خدا ہی اِس حسد کو حسد کے گھر سے نکالتا ہے۔ جو بے جسد کے ساتھ حسد کرتا ہے وہ اپنے دل کو سیاہ کرتا ہے۔ حسد کے معنی عقل کے قاموس میں یہی لکھے ہیں کہ تقدیر الٰہی پر خشم ناکی اور اُس پر ناراضی۔ حاسد یہی روتا ہے کہ زید و عمر و کو کس واسطے ثروت و مال دیا گیا مجھے نہیں دیا گیا۔ خالد و بکر کو کس واسطے قدر و منزلت دی گئی مجھے نہیں دی گئی۔ جو فضل و کمال فلاں شخص کو ہے وہ مجھے ہونا چاہیئے تھا۔ آدمی کو چاہیئے کہ ہر حال میں دولت و نکبت میں خواری و عزت میں۔ بیماری و صحت میں مالداری اور عسرت میں جو خدا نے دیا ہو اُس سے خوش ہو۔ کسی کے مال و نعمت پر تنگ چشمی کی نظر نہ رکھے۔ ناخن حسد سے دل کو نہ خراشیدہ

(۱۱) حسد کے اسباب

حسد مذموم کے اسباب ہیں اول عداوت۔ آدمی جو دوسرے آدمی کی نعمت کو بُرا جانتا ہے اُس کا سبب کوئی عداوت ہوتی ہے۔ دشمن کا بھلا کون چاہتا ہے دستور ہے کہ جب کوئی

شخص کسی کو ستاتا ہی یا اُس کے مطلب آری میں خلل انداز ہوتا ہے تو وہ اُس سے کینہ اور بغض رکھتا ہی اور اُس پر غصہ آتا ہے اور اس سبب سے انتقام کے درپے ہوتا ہے۔ اگر کوئی بلا اس شخص پر نازل ہو جاتی ہے تو یہ جانتا ہے کہ زمانے نے انتقام اُس سے میرا لیا۔ خدا نے میری دشمن کی ایسی صورت کو بغض کے مارے اپنی جہالت سے وہ اپنی کرامت جانتا ہے۔ اور اگر دشمن کو کوئی نعمت مل جاتی ہے تو جانتا ہے کہ خدا کے ہاں میری شنوائی نہیں ہوئی کہ جو ایذا مجھے پہنچاتا ہے اس کو اور نعمت زیادہ ملتی ہے۔ غرض بغض و عداوت کو حسد لازم ہے۔ اور یہ کچھ برابر والے پر موقوف نہیں کمینہ آدمی بادشاہ سے حسد کرنے لگتا ہے یعنی بغض کے سبب یہ چاہتا ہے کہ بادشاہ کی دولت جاتی رہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس طرح کے حسد کو دل سے دور رکھے۔ بعض دفعہ اس کے سبب کشت و خون کی نوبت آجاتی ہے یا نزاع کو طول ہو جاتا ہے۔ دوسرے کے زوال نعمت کی تدابیر میں تضیع اوقات ہوتی ہے ہمیشہ اُس کی چغلی اور پردہ دری کے درپے رہنا پڑتا ہے۔ دوسرا سبب حسد کا یہ ہوتا ہے کہ حاسد گویہ گمان کرتا ہے کہ اگر کوئی اپنا ہمسر بڑھ گیا تو ہم کمتر معلوم ہوں گے اور وہ اپنے کبر اور فخر کے سبب سے اُس کی برداشت نہیں کرتا۔ اُسکو تعزز رکھتے ہیں مثلاً کوئی برابر والا۔ دولت۔ حکومت۔ علم میں بڑھ جائے تو حاسد کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس بات سے مجھ پر فخر و تکبر نہ کرنے لگے تو اُس کو دوسرے کی شیخی کی برداشت نہیں ہوتی اُس کی حسد کرنے لگتا ہے۔ تیسرا سبب تکبر ہوتا ہے کہ دوسرے کو آدمی حقیر و ذلیل سمجھتا ہے اور متوقع اس سے خدمت اور اطاعت کا رہتا ہے جب اُس کو اتفاقاً نعمتیں ملتی ہیں تو حاسد کو خوف ہوتا ہے کہ وہ کہیں میری برابری کا دم بھرے تو ہماری شیخی کرکری ہو گی اس کو تکبر کہتے ہیں۔ چوتھا سبب تعجب ہوتا ہے آدمی اپنے ہمسر یا اپنے سے کمتر کو دیکھتا ہے کہ کوئی بڑا عہدہ یا کوئی اور بڑی نعمت مل گئی جس سے وہ ہم سے بہتر اور افضل ہو گیا تو حاسد کو تعجب ہوتا ہے کہ مجھ سے یہ رتبہ کیوں بڑھ گیا۔ پانچواں سبب خوف فوت ہونے اپنے مقصود

فوت ہونے کا یعنی دوسرے کی نعمت کے سبب اپنا مطلب جاتا رہے گا وہ نعمت کے سبب حاسد کی غرض پوری نہ ہونے دیگا۔ یہ حسد اکثر وہاں ہوتی ہیں جب ایک مقصد کے حاصل کرنے کے دو مدعی ہوتے ہیں پس جب کسی ایک کو ان دونوں میں سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو دوسرے کو خواہ مخواہ اُسپر حسد ہوتا ہے کہ وہ کیوں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اس قسم کی حسد دو سوکنوں میں ہوتی ہے کہ مطالب زوجیت کی ہر ایک میں طمع ہوتی ہے اور دو بھائیوں میں بھی ہوتی ہے کہ ہر ایک کو ماں باپ کے دل میں جگہ کرنی منظور ہوتی ہے کہ جس سے وہ زیادہ مہربان ہوں۔ ایسی ہی ایک استاد کے شاگردوں میں پادشاہی کے خواص اور مصاحبوں میں یا وزیر شاہ سے دولت و جاہ کے حاصل کرنے میں۔ چھٹا سبب ریاست و جاہ کی محبت ہوتی ہے یعنی اس بات کو چاہنا کہ جیسا ہمکو کوئی فن آتا ہے ایسا دوسرے کو نہ آئے۔ ہماری تعریف یہ ہوا کرے کہ اپنے فن میں یکتا، روزگار اور کامل زمانہ ہیں۔ آج کوئی ہمارا مقابل نہیں تو ایسے لوگ جب دوسرے کو اپنا نظیر سنتے ہیں تو اُن کو برا معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ کیا تو وہ مرجائے یا اُس کے پاس سے فن نہ رہے جسکے سبب سے وہ ہمارا نظیر و سہیم سمجھا جاتا ہے۔ یہ فن کوئی سا ہو خواہ شجاعت ہو یا علم یا عبادت یا پیشہ یا جمال یا ثروت وغیرہ غرض اپنے آپ کو فرد جاننے کی سبب سے جو خوشی ہوتی ہے اُسکی محبت سے یہ حسد واقع ہوتی ہے۔ ہمچو من دیگرے نیست۔ کا خبط ایسا سماتا ہے کہ جسسے حسد کا رنج اٹھانا پڑتا ہے آج کل یہ مسلمانوں میں حسد کا بڑا سبب ہے۔ ساتواں سبب صرف بخل اور خبث نفس ہو اور کوئی اور سبب نہو کہ بعض آدمیوں کی سرشت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اُس کے بندوں پر بُری معلوم ہوتی ہے۔ اُنکو اپنا تعزز و تکبر حسد سے مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُن کی طبیعت ہی ایسی ہوتی ہے کہ جب وہ دیکھتے بھالتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا فضل کسی کے حال پر ہوتا تو یہ امر اُن کو شاق گذرتا ہے اور جب کسی کی پریشانی اور بدبختی اور ناکامیابی اور عیش کے تلخ ہونے کا بیان کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں وہ ہمیشہ بندگان خدا کی بدبختی کے خواہاں رہتے ہیں اور اُن کی آسودہ حالی سے جلتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو شحیح کہتے ہیں۔

بخیل سے بدتر ہوتے ہیں بخیل تو اُسے کہتے ہیں کہ اپنا مال کسی کو نہ دے۔ اور شحیح اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کے مال میں بخل کرے۔ غرض وہ رذالت اور خبث نفس کے سبب سے اس حسد کی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں ؎

نیش عقرب نہ از پے کین است ‏ مقتضائے طبیعتش این است

اس قسم کی حسد کا علاج نہایت سخت ہے۔ اور اسباب حسد تو عارضی ہیں ان میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر سبب جاتا رہے گا تو حسد بھی جاتی رہے گی اور یہ تو سرشتی خباثت ہے اس سے نکلنا نہایت دشوار کیا بلکہ محال ہے۔ یہ سات سبب حسد کے ہوتے ہیں ان میں سے بعض یا اکثر جب ایک شخص میں جمع ہو جاتے ہیں تو حاسد کی حسد کا بڑا زور ہو جاتا ہے اور وہ اُس کو چھپا نہیں سکتا نہ کسی سے بمروت پیش آتا ہے بلکہ ملت و محبت کو بالائے طاق رکھ کر علانیہ عداوت کرتا ہے۔ فی زماننا جو حسد پائی جاتی ہے اکثر ان اسباب میں سے بہت اکٹھے ہوتے ہیں ایک سبب تنہا نہیں ہوتا۔

(۱۳) اہل علم کو مال و جاہ کی محبت کے سبب سے حسد پیدا ہوتی ہے۔ سو وہ ہمیشہ آپس میں ایک دوسرے کے قول کو رد کر کے دوسرے کی ہتک عزت و حرمت کرتے ہیں۔ حسن سیرت کے یوسف کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتے ہیں ایک دوسرے کے نخل اعتبار کو ناہمواری و خردہ گیری کی آری سے کاٹتے ہیں اپنے اعتبار کے نخل کو اوروں کے آب خجالت سے بڑھاتے ہیں۔ آئینہ کی طرح ایک دوسرے کے احوال کو عیب بینی کی آنکھ سے دیکھتے ہیں ایک دوسرے کے نوشتوں پر بقصد ابطال و تضییع خط بطلان کھینچتے ہیں اپنے اوراق کو پر لگا کر ایک دوسرے کی طرف اڑاتے ہیں۔ ان کا عصائے قلم ایک دوسرے کے عیب دیکھنے کے لئے اور نفی کرنے کے واسطے اپنا اثبات منحصر کرتا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے ساکت کرنے کو اپنے نطق کی حجت قاطع جانتا ہے ؎

عیب ہم را ہمہ جستند و زبان چون مقراض ‏ روز و شب ہم دم یکدیگر اند در پرخاشند

جو لوگ یہ صفت رکھتے ہیں وہ بحکم حدیث الحسد یذیب الجسد گاہ و بیگاہ غصہ و غم کاہ کی آگ میں جلتے ہیں بمقتضائے الحسود لا یسود برخلاف مقصود ہمیشہ پستی کے گڑھے میں گرتے

اہل روزگار کی نظر میں بے اعتبار ہوتے ہیں۔ سب خواص وعوام کو چاہیے کہ اپنے گوہر دل کو اس کدورت بے حاصل کی آلائش سے پاک رکھیں اور اس صفت دل خراش کے غبار کو سینہ کے آئینہ سے اکھیڑیں صفائی سینہ کے چشمہ سے زلال خوشحالی پئیں ایک دوسرے کی عیب پوشی سے خلعت کرامت پہنیں ناخن حسد سے ایک دوسرے کے چہرۂ حرمت کو نہ خراش دیں آپس میں ایک دوسرے کے جمال وکمال کو مدح وثنا کے موتیوں سے آرائش دیں۔ آئینۂ خاطر کو آپس میں آمد ورفت مشتاقانہ سے صیقل دیں۔ ہمیشہ ایک دوسرے کی تقصیرات کے واسطے عذر دل پذیر کریں ایک دوسرے کی ناپاکی کو آب توجہات سے دھوئیں

(۱۴) ہمسروں وبرابر والوں اور بھائیوں یگانوں میں زیادہ حسد ہوتا ہے

اس کا سبب یہ ہے کہ جو اسباب ہم نے اوپر بیان کیے ہیں اُن کی زیادتی جن لوگوں میں ہو گی انھیں کی حسد بھی قوی ہو گی۔ اور جب ان اسباب میں سے کئی کئی ایک شخص میں جمع ہو جائیں یعنی ایک ہی شخص تعزز کے باعث اور وہی تکبر اور عداوت کے سبب سے حسد کرے تو اور بھی حسد کو افزائش ہو گی اور یہ سبب اُن لوگوں میں زیادہ ہوتے ہیں جن میں بہت سے روابط اور علاقے ہوں کہ اُن کے باعث مجلسوں میں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرتے ہیں اور اپنی اپنی غرضیں بیان کرتے ہیں اُس وقت اگر کوئی شخص اُن میں سے کسی مطلب کے خلاف کہتا ہے تو غرض مند اُس سے متنفر ہو کر بغض وکینہ دل میں رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کا بدلہ لوں اور جیسے اس نے میری مطلب برآری میں پاؤں اڑا دیا ہے میں بھی اُس کے کام میں اڑنگا لگاؤں۔ پھر جہاں ایک سبب حسد پیدا ہوا اور سب اسباب ایک دوسرے کے پیچھے جمع ہوتے چلے جاتے ہیں بہرحال حسد پاس کے بیٹھنے اور غرض کی باتیں کرنے سے پیدا ہوتا ہے اس لحاظ سے اگر ایک شخص کسی شہر میں رہتا ہو اور دوسرا کسی اور شہر میں ان میں حسد نہیں ہوتی بلکہ اگر دور دور محلوں میں رہتے ہوں تو بھی حسد نہیں ہوتی۔ البتہ جب ایک مجلس میں یا مدرسہ میں یا مسجد میں یا بازار میں جمع ہوں اور

ایک ہی مطلب کے مدعی ہوں تو حسد پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس واسطے عالم شخص عالم کی حسد کرتا ہے۔ عابد کی نہیں کرتا سوداگر دوسرے سوداگر سے حسد کرتا ہے۔ موچی موچی سے حسد رکھتا ہے بزاز سے نہیں رکھتا وجہ یہی ہے کہ دونو ہم پیشہ ہیں اور اسی وجہ سے برادری میں بہ نسبت غیروں کے آپس میں زیادہ حسد ہوتا ہے۔ دونو سوکنیں آپس میں بہ نسبت ساس نندوں کے زیادہ آپس میں حاسد ہوتی ہیں۔ بغرض جہاں کہیں دو شخصوں کا مطلوب واحد ہوگا اور اُن میں اجتماع و نشست و برخاست باہم کر واقع ہوگی وہاں حسد زیادہ ہوگی مثلاً فرض کرو کہ ایک بزاز کپڑے کی دکان کرتا ہے تو خریداروں کی کثرت چاہے گا جس میں کچھ فائدہ ہو تو جو شخص اس مطلب میں حریف ہوگا اُسی کے ساتھ حسد کریگا دوسرے سے کیا مطلب ہے۔ اب اگر حریف کی دکان پاس ہے تو دور کے بزازوں کی نسبت وہ اس سے زیادہ حسد کریگا۔ اسی طرح ایک بہادر آدمی دوسرے بہادر سے حسد کرتا ہے عالم سے نہیں کرتا کیونکہ پہلوان اور بہادر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جرأت و شجاعت میں یکتائے زمان مشہور ہو اور یہ صفت دوسرے میں نہ پائی جائے پس اس صفت میں جو اس کا سہیم و مزاحم ہوگا اس کی حسد کرے گا۔ عالم شخص عالم کی حسد کرتا ہے اور اُن میں بھی واعظ آدمی واعظ کی حسد زیادہ کرتا ہے فقیہ اور طبیب کی اتنی نہیں کرتا بہرحال بنا رحسد دشمنی ہوتی ہے اور دشمنی کی اصل ایک مقصود میں شریک ہوتا ہے اور شرکت مقصود دور کے شخصوں میں معلوم نہیں ہوتی پاس والوں میں پھوٹ ڈالتی ہے اسی واسطے پاس والوں میں حسد زیادہ ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس کو تمام جہان میں شہرت اور آوازہ منظور ہو وہ البتہ دنیا میں جہاں کہیں بنا مقصود سنیگا اس کی حسد کرے گا۔ بغرض کہ جتنے اسباب حسد ہیں سب کا منشا اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو محبت دُنیا ہے اسلئے کہ دُنیا ہی کی چیزیں ایسی ہیں کہ سہیموں اور شریکوں کو وافی نہیں ہوتیں اگر ایک کے پاس گئیں تو دوسرا ہاتھ خالی رہ جاتا ہے مگر آخرت کی چیزوں

میں تنگی نہیں ان میں بہت گنجائش ہے +

(۱۴) حسد کے مرض کی دوا

جاننا چاہیے کہ حسد دل کے بڑے مرضوں میں سے ہے اور امراض دلی کا علاج علم و عمل سے ہوا کرتا ہے حسد کی بیماری کو جو علم مفید ہے وہ یہ ہے کہ اس بات کو یقیناً آدمی جان لے کہ دنیا اور آخرت میں حسد سراسر اس کو مضر ہے اور جس سے حسد کرتا ہے اس کا دین اور دنیا میں کچھ بھی ضرر نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے جب یہ بات اچھی طرح جان لے گا اور اپنے نفس کا دشمن اور دشمن کا خیر خواہ نہ ہوگا تو بالضرور حسد چھوڑ دے گا حسد کے باعث جو حاسد کو دین میں ضرر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حسد کے سبب وہ حکم خدا سے راضی نہیں ہوتا اور جس نعمت کو اس نے اپنے بندوں پر تقسیم فرمایا ہے اور اپنے عدل و حکمت سے کارخانے جاری کیے ہیں۔ اُن کو برا جانتا ہے پس اس سے بڑھ کر دین میں کونسا گناہ ہوگا کہ خدا کی تقدیر پر راضی نہ ہو۔ یہ خباثت حسد آدمیوں کی نیکیوں کو ایسا کھا جاتی ہیں جیسے آگ لکڑیوں کو اور ایسا نشان ان کا مٹا دیتی ہے جیسے کہ رات دن کا۔ اور دنیا میں حاسد کا ضرر یہ ہے کہ ہمیشہ رنج و عذاب و غم و الم میں مبتلا رہتا ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کو نعمتیں دیتا رہتا ہے اور وہ جلتا رہتا ہے۔ حاسد کی تمنا تو یہ ہوتی ہے کہ دشمنوں کو رنج پہونچے مگر خود وہم نقد وہ خود رنج و غم میں پھنس جاتا ہے۔ آدمی جس شخص کی حسد کرتا ہے اس کو دین و دنیا میں حسد کے باعث ضرر نہ پہنچنا صاف ظاہر ہے اس لئے کہ حسد کے باعث اس کی نعمت دور نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے کسی کے لئے اقبال و نعمت مقدر کیا ہے وہ وقت مقررہ تک بیشک رہے گا پس حاسد ناحق اپنے تئیں رنج دیتا ہے اور حاصل حصول کچھ بھی نہیں۔ اگر حاسد کو یہ یقین ہو کہ میرے حسد کے سبب محسود کا زوال نعمت ہو گیا تو اس کو خود اندیشہ کرنا چاہیے کہ اس طرح اس کے حاسدوں کے حسد کے سبب اس کا بھی زوال نعمت ہو جائیگا۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہے تو تمام دنیا

سوا ر زوال نعمت کچھ اور نہ رہے گا۔ کوئی رنج و دکھ حسد کے رنج سے بڑھ کر نہیں دشمنوں کی غایت تمنا یہ ہوتی ہے کہ اپنے آپ چین کریں اور اُن کے حاسد حسرت و غم میں مبتلا رہیں پس حاسدوں کی یہ تمنا پوری کرتا ہے کہ وہ عیش کرتے ہیں اور یہ رنج کرتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دشمن اپنے حاسد کی موت نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ حاسد کی عمر زیادہ ہو تاکہ حسد کی آگ میں وہ مدام جلتا رہے۔ وہ اپنی نعمت کی خوشی اتنی نہیں کرتا جتنی حاسد کے رنج کی خوشی اگر حاسد اس بات پر غور کرے تو جان لے کہ میں قطعی اپنے نفس کا دشمن ہوں اور دشمن کا خیر خواہ۔ اب عملی علاج یہ ہے کہ جس کام کو حسد مقتضی ہو اس کے خلاف عمل کرے خواہ قول ہو یا فعل مثلاً اگر حسد اس بات کو چاہے کہ محسود کی برائی بیان کی جائے تو اپنی زبان سے بزور اس کی مدح و ثنا کرے۔ اور اگر حسد کے مارے تکبر کو جی چاہے تو بہ تکلف اس سے تواضع اور عذر پیش آوے اور حسد مقتضی اس کی نہ دینے کی ہو تو جتنا پہلے دیتا تھا اس سے زیادہ دینے کی عادت کرے۔ جب یہ باتیں کوشش اور اجتہاد سے کرے گا اور محسود کو معلوم ہو جاویگا تو وہ راضی ہو جاوے گا اور محبت کرنے لگے گا اور جب اس کی طرف سے محبت ہوگی تو حاسد کو بھی خواہ نخواہ محبت پیدا ہوگی اور آپس کے اتفاق سے مادہ حسد کا منقطع ہو جائے گا اس لئے کہ مدح و ثنا اور نعمت پر اظہار سرور سے ہی نعمت والے کا دل کھچ آتا ہے اور غلام بن جاتا ہے۔ اور یہ مہربانی پیش آتا ہے اور اس کے عوض میں سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور جب اس کی طرف سے سلوک ہوتا ہے تو دوسری طرف سے بھی الانسان بندہ احسان کا مضمون پیش ہو کر جو باتیں بہ تکلف سرزد ہوتی ہیں اب طبعاً ہونے لگتی ہیں۔ خوش معاملگی ایسی چیز ہے کہ خواہ وہ طبعاً ہو یا تکلفاً طرفین کی عداوت کو فرو کر دیتی ہے اور حسد کے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں دل محبت والفت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ حسد کا علاج ہے مگر نہایت تلخ۔ ع
داروے تلخ است دفع مرض خود مشہور ہے۔ پس جو شخص تلخی دوا پر صبر نہ کرے گا وہ شیرینی شفا بھی نہیں چکھے گا۔ حسد تھوڑا بہت سب آدمیوں میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص ہم نوا ہذا

اور تکلیف پہنچاتا ہے طبعاً اُس پر غصہ آتا ہے اور ہم اُس کو بُرا جانتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اُس کی نیک حالی بدحالی کو یکساں جانیں اور اُس کو جب کوئی نعمت ملے تو ہم کو بُرا نہ معلوم ہو۔ مگر دل میں بُرا معلوم ہونا ایک اور بات ہے اور اُس کا اظہار اختیاری قول و فعل میں اور بات ہے۔ حسد وہی بری ہے کہ ہم کسی کے ساتھ اپنے اختیاری قول و فعل ظاہر کریں۔ فقط دل میں بُرا جاننا جو طبعاً ہے وہ ایک امر مجبوری ہے اور وہ مذموم بھی نہیں۔ مذموم بات تو یہ ہے کہ ہم اپنے اختیاری قول اور فعل سے محسود کی بُرائی کرنے لگیں۔

(۱۵) حاسد کی حالت

جو حسد کسی کو تجھ پر ہو تو ہے یہ تیری خوبی ۔ کہ جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا

حاسد بدبخت بے مرض کے ہمیشہ رنجور ہوتا ہے اور بغیر مصیبت کے سدا ماتم میں شور کرتا ہے جب کوئی دوستوں کا حلقہ جمعیت دیکھتا ہے اُس کو اژدہا جانتا ہے کہ وہ دل کو کھائے جاتا ہے۔ جب وہ دوستوں میں محبت دیکھتا ہے تو اُس کو اپنے رشتہ زندگانی کی مقراض سمجھتا ہے وہ اپنے اندیشہائے دور میں موج سراب کی طرح خشک لب رہتا ہے اور اس خوئے زشت کا شعلہ اُس کو شمع کی طرح شب بھر جلاتا ہے۔ حاسد کو دنیا کی نعمتوں کی لذت اوروں سے کم ملتی ہے کیونکہ اُس کی طبع زشت کا مذاق زہر حسد سے ہمیشہ متغیر ہوتا رہتا ہے۔ ارسطو سے پوچھا کہ حاسد کا کیا حال ہے تو اُس نے کہا کہ سب سے زیادہ غم اُس کو اس سبب سے ہوتا ہے کہ جیسے اور خلائق غم کھاتی ہے وہ بھی غم کھاتا ہے اور جسقدر اور آدمیوں کو شادمانی ہوتی ہے اُتنا ہی اُس کو رنج اور زیادہ ہوتا ہے۔ غرض اپنے رنج و الم کے سوا اوروں کی شادی کا غم اُس کے پیچھے اور زیادہ ہوتا ہے۔ خدا سے یہ دعا مانگنا کہ ہمارے حاسد بہت سے ہوں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا ہم میں بہت سی خوبیاں پیدا کرے۔

(۱۶) کبر کا بیان

کبر دو قسم کا ہوتا ہے ایک ظاہری ایک باطنی۔ کبر باطن تو نفس کی عادت کا نام ہے

اور کبر ظاہر اعمال ہیں جو اعضا سے سرزد ہوں۔ واقع میں عادت باطنی ہی کا نام کبر ہے اعمال تو اس عادت کے ثمرات ہیں اور وہ عادت موجب اعمال کی ہوتی ہے اسی واسطے جب اعضا پر اُس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں تکبر کیا اور جب تک ظاہر نہیں ہوتے تب تک کہا جاتا ہے کہ اُس کے نفس میں کبر ہے غرض اصل کبر نفس اخلاق میں سے ایک خلق کا نام ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نفس اپنے آپ کو دوسرے پر فائق دیکھ کر راحت پائے۔

کبر کے لئے کئی چیزیں چاہئیں اول تکبر کرنے والا دوم جس پر تکبر کرتا ہے سوم جس چیز سے تکبر کرتا ہے۔ تکبر میں یہ ضرور ہے کہ اپنے نفس کا مرتبہ سمجھے اور ایک غیر کے نفس کا پھر اپنے مرتبہ کو غیر کے مرتبہ سے بہتر جانے جب یہ تین باتیں اعتقاد میں ہونگی تب کبر پیدا ہوگا۔ صرف اپنے مرتبہ سمجھنے کا نام کبر نہیں۔ بلکہ اس سمجھنے اور عقیدہ سے دل میں سامان اور حرکت اور خوشی اور میل اپنے عقیدہ کی طرف پیدا ہوتا ہے اور اس سبب سے نفس میں ایک عزت اور عظمت آتی ہے اس عزت اور عظمت و حرکت و میلان کو خلق کبر کہتے ہیں۔ پھر یہ عظمت اعمال ظاہری اور باطنی کا سبب ہوتی ہے۔ جو اُس کے ثمرات کہلاتے ہیں۔ اور ان کو تکبر کہتے ہیں۔ جب آدمی کے نزدیک اپنا رتبہ دوسرے کی نسبت بڑا ٹھیرا تو اپنے سے کمتر کو حقیر جانے گا۔ اُس کا ساتھ کھانا پینا برابر بیٹھنا ناگوار گذرے گا۔ یہ چاہے گا کہ وہ مجھے سلام کرے۔ مجھ سے آگے نہ چلے۔ اگر کچھ بحث و مناظرہ کرے تو میں جواب دوں غرض سارے کاموں میں اُس کی برابری نہیں چاہے گا۔ اپنی برتری چاہے گا۔ کبر والے کو اگر کوئی نصیحت کرتا ہے وہ نہیں سنتا ہے اور اگر خود نصیحت دوسروں کو کرے تو نہایت تند مزاجی سے۔ اگر کوئی اُس کی بات کا انکار کرے تو غصہ ہو جائے اور کسی کو تعلیم کرے تو سیکھنے والے پر نرمی نہ برتے بلکہ شاگرد کو ذلیل و خوار سمجھے۔ اُس پر احسان جتا دے۔ اور اُس سے کام خدمت لے۔ اور عوام کو جاہل اور حقیر تصور کرے۔ اور گدھا سمجھے غرض جو کبر سے افعال سرزد ہوتے ہیں وہ روزمرہ دیکھنے میں آتے ہیں خواص و عوام سب اُن کو جانتے ہیں کہ متکبر آدمی میں تواضع نہیں ہوتی۔ وہ کینہ و

حسد ترک نہیں کرسکتا۔ صدق و راستی پر اُس کو مداومت نہیں ہو سکتی۔ غضب و غصہ کے پینے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بُری عادت نہیں جو کبر و عزت والا اپنی عزت کے بچاؤ کے لئے اُس کی طرف مضطر نہ ہو اور کوئی عمدہ عادت ایسی نہیں جس کو متکبر بخوف اپنی عزت جانے کے چھوڑ نہ دے۔ تکبر کی سب سے بڑی قسم وہ ہے جو علم سے استفادہ نہ کرنے دے اور امر حق کو نہ ماننے دے اور نہ اُس کا انقیاد ہونے دے۔ متکبر امر حق سے غافل ہوتا ہے اور لوگوں کے عیب بیان کرتا ہے۔ تکبر وہ عیب انسان میں ہے کہ جس کے سبب اُس نے خدا کی برابری کا دعویٰ کیا۔ پیغمبروں اور ولیوں اور بادشاہوں سے اپنے تئیں برتر جانا۔ اس سے زیادہ کیا کوئی اور بُرائی ہو گی۔

(۱۷) جن چیزوں کا تکبر ہوتا ہے

تکبر وہی شخص کیا کرتا ہے جو اپنے نفس کو بڑا سمجھے اور نفس کو بڑا آدمی سمجھتا ہے جو یہ جانے کہ اس میں کوئی صفت صفات کمال سے ہے اور کمال یا دینی ہوتا ہے یا دنیوی۔ دینی کی دو قسمیں علم اور عمل اور دنیاوی کمال پانچ ہیں۔ نسب۔ جمال۔ قوت۔ مال۔ کثرت احباب تو یہ سب سات ہوئے۔ اب ہر ایک کا جدا حال بیان کیا جاتا ہے۔

(۱۸) تکبر علم

علما کو بہت جلد تکبر ہو جاتا ہے۔ عالم علم کی جہت سے متعزز رہتا ہے۔ اور اپنے جی میں جمال و کمال علم سے واقف ہو کر اپنے تئیں بڑا فاضل اور لوگوں کو حقیر و جاہل جانتا ہے اور اُن کی طرف ایسا دیکھتا ہے جیسا کہ چارپایوں کی طرف کوئی دیکھتا ہے۔ اور اس بات کا متوقع ہوتا ہے کہ مجھے پہلے سلام کریں۔ اور اگر اتفاقاً کسی کو آپ سلام کر لیا یا خوشی سے کسی کے سلام کا جواب دیدیا یا تعظیم کو اُٹھ کھڑا ہوا یا دعوت منظور کر لی تو اُس شخص پر ان باتوں کا احسان چاہتا ہے اور اپنا شکر گزار ہونا اُس پر لازم سمجھتا ہے اور اعتقاد کرتا ہے کہ میں نے اس کو سرفراز کیا اور ایسا کام کیا جس کا وہ مستحق مجھ جیسے شخص سے نہ تھا

اس احسان کے عوض میری توقیر و خدمت ضرور ہے۔ بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگ عالم کے ساتھ سلوک کرتے ہیں اور وہ خود کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا۔ اُس کے پاس سب آتے ہیں وہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔ اُس کی عیادت سب کرتے ہیں وہ کسی کی بیمار پرسی نہیں کرتا۔ اگر کوئی اُس سے زیادہ خلا ملا رکھتا ہے تو اُس سے اپنا کاروبار کراتا ہے۔ اگر اُس سے خدمت میں قصور ہو جاتا ہے تو بُرا جانتا ہے۔ گویا سب اُس کے مزدور اور غلام ہیں اور لوگوں کو سکھانا پڑھانا ایک احسان و سلوک ہے جس سے اُس کا حق انبر ہو گیا۔ یہ حال تو دنیا کے کاروبار میں ہے۔ اور دین کے باب میں اُس کو یہ تکبر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو خدا کے نزدیک جانتا ہے اور لوگوں کی بہ نسبت اعلیٰ اور افضل سمجھتا ہے اور اپنے واسطے نجات کی توقع بہ نسبت اور لوگوں کے زیادہ کرتا ہے۔ ایسے عالم کو جاہل گننا چاہیے اسلئے کہ وہ علم جس سے آدمی خدا کو اور اپنے نفس کو پہچانے وہ نہیں جانتا علم کا نتیجہ تو یہ ہے کہ آدمی میں تواضع ہو اور اور سب آدمیوں کو اپنے سے بہتر جانے۔ علم وہی ہے جس سے بندگی اور ربوبیت اور عبادت کا طریق معلوم ہو اور اُس سے تواضع اکثر پیدا ہو جس شخص کا اخلاق علم سے اچھا نہ ہوا اُسے یہ جاننا چاہیے کہ جب اُس نے علم شروع کیا اُس کا باطن اچھا نہ تھا۔ نفس نکما اور اخلاق بد اُس کے ساتھ تھے تہذیب و تزکیہ اور تنزیہ نفس کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوا اسلئے اُس کے دل میں علم کو اچھی جگہ نہیں ملی خبیث جگہہ میں علم رہا اسلئے اُس کا ثمرہ بھی اچھا نہ ہوا۔ نہ خیر میں کچھ اثر اُس کا ظاہر ہوا۔ علم کا حال ایسا ہے جیسا کہ آسمان کے پانی کا کہ صاف اور شیریں ہوتا ہے مگر درخت اُس کو اپنی رگوں اور نسوں میں جذب کر کے اپنا سا ذائقہ اُس میں پیدا کر دیتے ہیں اُس سے تلخ درخت کی تلخی زیادہ ہو جاتی ہے اور شیریں درخت کی شیرینی۔ یہی حال علم کا ہے کہ لوگ جو پڑھتے ہیں جیسی اُن کی ہمت اور خواہش ہوتی ویسا ہی یہ علم اُن کے حق میں ہو جاتا ہے متکبر کا کبر بڑھ جاتا ہے اور متواضع کی تواضع زیادہ ہوتی ہے۔ عالم اپنے علم کا تفاخر یوں ظاہر کیا کرتے ہیں کہ میں ہر فن میں

ایک فنی ہوں حقائق سے آگاہ ہوں بڑے بڑے استادوں کو دیکھا ہے اور اُن کی تصنیفات کو پڑھا ہے جس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اُن کو آتا کیا تھا۔ اگر کہیں مناظرہ ہوتا ہے تو اُس میں بھی اپنی مباہات کی طرف خیال رکھتا ہے۔ اُس میں اپنی خوبیوں اور اوروں کے عیوب ظاہر کرنے کا بڑا خیال ہوتا ہے +

(۱۹) اکثر جو نقود علم میں تو دولت ہوتے ہیں اُن میں یہ عجب و غرور کی عجیب خبیثہ صفت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ پختہ کاروں کی نظر میں خام اور کامل عیاروں کی نگاہ میں ناتمام معلوم ہوتے ہیں آدمی سیرت اُن کو ابلیس سیرت جانتے ہیں۔ اگرچہ علم و دانش کا گوہر نظر بینش میں نہایت قیمتی اور گرانبہا ہے اور اپنے مالک کا شرافت بخش و کرامت افزا ہے لیکن اس گوہر علم کی قیمت وہاں ہے کہ وہ عمل کے ساتھ ہو اور اسکی فروتنی سے تزئین و تجمل اور الائش بے دینی سے پاک ہو۔ خود ستائی خود فروشی کی کان میں قفل خاموشی ہو خود بینی و خود پسندی کے آئینہ کو نفس کی سخت گیری کے سنگ نے توڑا ہو۔ تونگری کے ساتھ درویش نہادی اور فقیر منشی ہو۔ باوجود مسند صدر نشینی کے قابلیت کے خاکساری کی تلاش ہو آفتاب کی طرح سب کے سروں کا تاج ہو اور سب کا پاے بوس بھی ہو۔ کبر و غرور کی خصلت اہل علم کے شعور اور فہمید سے بعید ہے خود پسندی کی صفت ناپسند ہے غرض کمالات معنوی اور ملکات و اخلاق زکیہ و فنون و علوم عقلیہ اُس وقت سرمایۂ سعادت و اقبال ہوتے ہیں کہ عجب و غرور سے فاسد نہ ہوں اور گندہ دماغی کی آفت سے محفوظ ہوں

(۲۰) تکبر عبادت

زاہد عابد کبر اور نخوت اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے سے خالی نہیں ہوتے ان سے دنیا و دین دونوں میں کبر مترشح ہوتا ہے۔ دُنیا میں تو اس طرح کہ دوسروں کا آنا اپنے پاس ان کو اچھا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اپنے جانے کے غیروں کے پاس اور لوگوں سے متوقع رہتے ہیں کہ ہماری حاجتیں پوری کریں اور توقیر کریں مجالس میں صدر جگہ میں بٹھلائیں اور ورع اور تقویٰ سے یاد کریں اور سب امور میں ہم کو مقدم جانیں گویا عبادت کیا کرتے ہیں خلق پر احسان کرتے ہیں

دین میں کبر اتنا ہے کہ اپنے نفس کو ناجی خیال کرتے ہیں اور لوگوں کو تباہ کار اور ہلاک شدہ۔ مگر ایسے متکبر عابد سے جاہل متواضع اچھا ہے خدا تعالیٰ تو اپنے بندوں کے دل کے قصد کو دیکھتا ہے جو گنہگار جاہل خدا سے ڈر کر تواضع کرتا ہے وہ خدا کا زیادہ مطیع ہے بہ نسبت عابد کے جو متکبر ہے۔ بہت کم عابد ایسے ہیں جو تکبر سے خالی ہوتے ہیں۔ کمبل پوش فقیر بہ نسبت حریر پوش امیر کے زیادہ غرور رکھتے ہیں گلیم پوش کے آگے حریر پوش فروتنی کرتا ہے اور افضل اس کو جانتا ہے اور گلیم پوش اپنے تئیں افضل سمجھتا ہے۔ عالموں اور عابدوں میں کبر کے تین مراتب ہیں اول درجہ تو یہ ہے کہ دل میں کبر موجود ہے کہ اپنے نفس کو دوسرے سے بہتر سمجھتا ہے مگر کوشش کر کے تواضع کرتا ہے اور ایسے افعال کرتا ہے جیسے وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو اپنی نسبت بہتر سمجھتے ہیں تو ایسے شخص کے دل میں کبر کا درخت تو جما ہوا ہے مگر اس نے اس کی شاخیں بالکل کاٹ ڈالی ہیں۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ افعال میں کبر کو ظاہر کرے مثلاً اونچا بیٹھے۔ ہمسروں سے آگے بڑھے۔ جو کوئی اس کے حق میں قصور کرے اس کو برا جانے۔ کسی سے رخ پھیرے۔ کسی سے ترش روئی کرے کسی سے چین بجبیں ہو۔ مگر یہ نہیں سمجھے کہ علم و تقویٰ نہ رخ پر ہے نہ رو سے پر نہ جبیں پر وہ تو دل میں ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ دل کبر سے ایسا بھرا ہو کہ مفاخرت و مباہات تزکیہ نفس اور اپنے احوال و مقامات کی بزرگی کا دعویٰ اور دوسروں پر علم و عمل میں غالب ہونے کا بیان ہر وقت زبان پر ہو۔ اوروں کے بہت سے عیب بیان کر کے پھر اپنی تعریف بیان کرے۔ عابد ہوتا ہے تو اور عابدوں کی عبادت کے عیوب بتاتا ہے اور اپنی عبادت کا افضل ہونا ظاہر کرتا ہے۔ غرض اپنی بڑائی اور اوروں کی برائی سے کام ہے۔

(۲) حسب و نسب کا تکبر

جس کسی شخص کا نسب شریف ہوتا ہے وہ ایسے شخص کو حقیر جانتا ہے جس کا نسب ویسا نہ ہو اور شرافت علم و عمل کی وہ زیادہ اس سے رکھتا ہو۔ بعض آدمی نسب کا وہ تکبر کرتے ہیں

گویا دوسروں کو اپنا غلام تصور کرتے ہیں اُن کے ملنے جُلنے پاس بیٹھنے سے نفرت کرتے ہیں اور اپنے نسب کا تفاخر اُن کی زبان پر ہوتا ہے۔ دوسروں سے کہتے ہیں کہ تو کیا اصل رکھتا ہے تیرا باپ کون تھا میں فلانے کا بیٹا فلانے کا پوتا ہوں۔ تجھ جیسے کی کیا طاقت ہے کہ میرے سامنے بولے یا میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے اور تو ہم جیسوں سے بولتا ہے یہ ایک ایسی چھپی آگ نفس میں ہے کہ نسب والے اُس سے خالی نہیں ہوتے۔ اگرچہ نیک بخت و عاقل لوگ اعتدال حال کے وقت تو وہ یہ امر ظاہر نہیں کرتے لیکن غلبۂ غضب میں نورِ عقل تاریک پڑ جاتا ہے۔ اُس وقت وہ بھی کچھ فرماتے ہیں ناقص آدمیوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کی شرافت سے فضیلت اپنے فضلا پر جتلاتے ہیں جو تھوڑی فضیلت کہ کسی شخص کی ذات میں ہو وہ اُس بہت سی فضیلت سے اچھی ہوتی ہے جو غیر میں ہو۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بنی نوع انسان کا باپ آدم اور ماں حوا ہے اس لحاظ سے ہم سب برابر اور سب ایک دوسرے کے برادر ہیں پس اصل و نسب پر افتخار کرنا اور اوروں کو دنائت نسب کے ساتھ منسوب کرنا اور زبان طعن و تعرض کی دراز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ؎

نسب چہ سود دہد چوں تو بے ہنر باشی ۔۔۔ نہ آب جوئے برش تشنہائے چوبیں را

چو فضلہ ایست کہ میز انداز غذائے لطیف ۔۔۔ کسے کہ فخر کند بر نسب بے ہنری

اپنے سینہ میں ہنر دکھا نسب و سرمایہ کو چھوڑ۔ پُرانے موتیوں میں آب و تاب تلاش کر۔ موتی جب پُرانا ہو جاتا ہے تو زرد ہو جاتا ہے۔ زندہ ہو کر مُردہ کو اپنے کمال کے لئے نہ تلاش کر بلکہ خود مُردوں کا نام روشن کر۔ جو مُردہ کو زندہ کرتا ہے وہ سچا فخر ہے اور جو مُردہ کا دم بھرتا ہے وہ خر ہے۔ اے جان پدرِ مُردہ پر نہ لاف کر۔ تو کُتا نہیں ہے جو استخوان سے خوش ہو گا۔ گوہر دانش سے تاج بنا نہ استخوان بوسیدہ سے۔ عاج سے بہتر گوہر ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نسب کی مذمت میں فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے اعمال نیک کی اولاد ہیں اور ہر ایک انسان کی قیمت وہی چیز ہے جو اُس کو اچھا کرے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ آدمی اپنی ذات

ہے نہ باپ سے ؎ دی شنیدم کہ احمقے می گفت پدر من وزیر خاں بودہ است
گرچہ معلوم من نبود ایں امر فرض کردم کہ ہمچناں بودہ است
ہیچ ذاتے کسے کہ گر خوردہ است بخیال اینکہ پیش ناں بودہ است

(۲۲) تکبر جمال و مال

مال وجمال پر تکبر اکثر عورتوں کو ہوتا ہے جسکا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے نقصان و عیب و غیبت زبان پر آتی ہے۔ **مال کا تکبر** بادشاہ اپنے خزانوں پر۔ اور تاجر اپنے مال تجارت پر اور گاؤں والے اراضی پر۔ اور ارباب آرائش اپنے اسباب آسائش و لباس و سواری پر کیا کرتے ہیں جو غنی ہوتا ہے وہ فقیر پر تکبر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو بھک منگا اور مسکین ہے میں چاہوں تو تجھ جیسے کو خرید لوں اور تجھ سے اچھوں اچھوں سے خدمت لوں اور تیری اصل کیا ہے۔ میرے گھر کا سامان تیرے سارے مال سے بڑھ کر ہے۔ تو تمام سال بھر میں کماتا ہے اتنا میں ایک روز میں دے ڈالتا ہوں اس طرح باتیں اُس سے کرتا ہے کہ تو انگری کو بڑا اور مفلسی کو حقیر جانتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ تونگری میں کیا کیا آفتیں اور مفلسی میں کیا کیا فضیلتیں ہیں۔ یہ شعر یاد رکھو ؎

بر مال و جمال خویش مغرور مشو کانرا بہ شبے برند و ایں را بہ تبے

(۲۳) بعض خود فروشوں کا سرمایۂ فخر و ناز حسن و جمال اور دلربائی خط و خال ہوتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ چیز مستعار اور عارضی ہے اور نہایت بے اعتبار اور زود گسل گلشن جمال کی طراوت اور حسن صورت کی آب عہد شباب تک ہے۔ جہاں پیری کی خزاں آئی جوانی کی بہار گئی۔ تناسب اعضا کے ارکان کو رعشۂ پیری نے منہدم کیا اور صفائی بشرہ پر شکنجوں کا پردہ پڑا۔ رعونت قامت نخل خمیدہ ہوا۔ سفیدی مُو نے جوش حسن کو خاک میں ملایا۔ اسوقت معلوم ہوتا ہے کہ سرخی چہرہ نقش بر آب اور پیچش زلف و کاکل بے اصل تر موج سراب تھی۔ وہ اس قابل نہ تھی کہ اُس پر اس قدر ناز و اعتبار اور افتخار

کوئی کرے۔ اب اس پر بھی زیادہ آفت جوانی کے لئے مرگ ہے کہ جو بدن کو خشک کرتا ہے اور قامتِ خراماں کو خاک کے حوالہ کرتا ہے۔ غرض معنی شناسوں کے بازاروں میں متاعِ حُسن بہت کاسد و ناروا ہے۔ بلکہ سعادت دارین حسن صورت پر موقوف ہے وہ حسنِ سیرت ہے۔ خداوند تعالیٰ شکستگی دل پر نظر رکھتا ہے۔ درستی شکل و راستی قامت پر نہیں +

(۲۴) تکبر قوت و زور و کثرت تابعین و مددگاران

جو قوی بازو و تنومند توانائی اور زور کو سرمایہ مباہات جانتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ امر مستعار اور نہایت ناپائدار ہے۔ اُن کی بنا تندرستی اور جوانی پر ہے جو معرض زوال میں ہیں۔ ایک دو روز کی تپ میں زائل ہوتی ہے۔ اگر رستم بیمار ہو تو کروٹ بغیر دوسرے کی استعانت کے نہیں لے سکتا۔ پس زور و توانائی قابل فخر نہیں۔ پادشاہ کثرت لشکر پر۔ اور علما کثرت شاگردوں پر۔ پیر اپنے مریدوں کی کثرت پر غرض جب تابعین اور مددگار شاگرد غلام کُنبے رشتے کے آدمی زیادہ ہو جاتے ہیں تو آدمی اُن پر بھی فخر کیا کرتا ہے۔ حاصل ان سب امور کا یہ ہے کہ جو نعمت کا کمال واقعی ہو یا تصور ہو سکے گو وہ واقع میں کمال نہ ہو اس سے تکبر کرنا ممکن ہے یہانتک کہ مخنث بھی اپنے ہمسروں پر تکبر کرنے لگتا ہے کہ میں اس صنعت میں زیادہ ماہر ہوں۔ فاسق اپنے فسق و فجور ہی پر فخر کرتا ہے کیونکہ وہ اُسی کو اپنا کمال جانتا ہے۔ گو یہ ان کی غلطی ہے +

(۲۵) تواضع و تکبّر

تواضع و تکبر آپس میں متضاد ہیں جو حرکات و سکنات متکبر کرتے ہیں اُن کے خلاف متواضع کرتے ہیں متکبر چہرہ پھلاتے ہیں ناک بھوں چڑھاتے ہیں گفتگو میں آواز کو بناتے ہیں بعض کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے سامنے کھڑے رہیں اگر بیٹھیں تو برابر نہ بیٹھیں جو کوئی ہمارے ساتھ چلے تو پیچھے چلے۔ کوئی بیمار ہو تو اُس کی عیادت کو نہ جائیں اُس کو پاس نہ بٹھائیں اُس کو ہاتھ نہ لگائیں اُس سے گھن کھائیں اپنے گھر کی کوئی چیز ہاتھ سے نہ اُٹھائیں

باہر سے کوئی چیز خود اٹھا کر گھر میں لائیں۔ اصل ہیئت ظاہری کے بناؤ سنگار کا بڑا خیال رکھیں
متواضع ان سب کاموں کے برعکس خوگر ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اگر وہ ان کاموں کو کریں
اور خوش نہ ہوں تو متکلف کہلائینگے متواضع نہیں۔ اُن کو ساری حرکات و سکنات سے فروتنی
ظاہر ہوتی ہے۔ جو انسان اپنی ہستی اور خدا کو پہچانتا ہے وہ یہ خوب سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ
کی ذات کی ساتھ کبر مخصوص ہے مجھ مشت خاک ناپاک کو کبر زیبا نہیں۔ میر اسود احاہ و دولت
کا بادۂ نخوت کی مستی اور خود بینی اور بالانشینی اور خود ستائی و خود پرستی جناب مالک الملک
کے رتبے سے مخالفت کرتی ہے۔ میں نہایت عاجز و ناتوان ہوں کوئی قدرت حُسن۔ مال
دولت اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جسپر مجھے تکبر ہو۔ جو چیز میرے پاس ہے وہ آج ہے کل نہیں ہیگی
بزرگی کا دعویٰ کرنا اور اپنی اندازہ سے باہر قدم رکھنا حضرت آفریدگار کے ساتھ منازعت
و ہمچشمی ہے۔ جو بندگان خدا ہیں وہ تواضع کرتے ہیں اور جو خدا سے دور ہیں وہ غرور کرتے ہیں
یہ صفت زشت ایسی ناپسندیدہ ہے کہ جو اس طائفہ کا مقصود ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کی نظروں
میں معزز و مکرم و مخدوم و مطاع معلوم ہوں وہ بھی نہیں حاصل ہوتا۔ بلکہ جو وہ مقدمات ترتیب
دیتے ہیں اُن کے نتیجے نقیض مدعا پیدا ہوتے ہیں +

(۳۴) شیوۂ خاکساری حسن افعال کا آب و رنگ ہے۔ اور صفات کمال کی معراج۔ سر بلندی
کا درۃ التاج۔ آدمیت کے چہرہ کا گلگونہ اور انسانیت کے چہرہ کا مرغولہ۔ پاکی گوہر کی نشانی اور
اصالت جوہر کی برُہان۔ آتش عناد کی مسکن۔ سلسلۂ وداد کی محرک۔ کینوں کے گرد کی
جاروب سینوں کے آئینہ کی صیقل۔ پادشاہ و گدا دونوں کی جامۂ زیبندہ۔ اور کوچک و بزرگ دونوں
پہ پھبتی ہے۔ خاکساری دیدۂ دشمن میں خاک ڈالتی ہے۔ اور عافیت کا دروازہ کھولتی ہے
متکبر نادان یہ گمان کرتا ہے کہ فروتنی اور خاکساری کا شیوہ باعث ذلت و خواری ہوتا ہے
یہ خیال اس کا غلط ہے اسی سے سربلندی اور سرافرازی ہے رفعت و عزت و ارجمندی
ہوتی ہے۔ تواضع افگندگی کی صفت موزش سعادت و فرخندگی ہوتی ہے یہی شیوہ خجستہ

مرد کی قدر کو اور زندگی کو بڑھاتا ہے۔

خواہی کہ بود بر سر خلقت مسکنے — اول باید خاک قدمہا گشتن
تا آب بپائے سرو نگذارد سر — کے بر سر شاخ میتواند رفتن

جیسا پانی میں ستارہ کا عکس پڑنا اُس کی پستی کا سبب نہیں ہوتا ایسا ہی بزرگوں کی فروتنی باعثِ کسرِ شان نہیں ہوتی جیسے دھوئیں کو بلند ہونے سے منزلت نہیں ہوتی ایسے ہی سفلوں کو گردن کشی کے دعوی سے مرتبہ نہیں حاصل ہوتا۔

(۲۷) عُجب

عُجب کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے حق میں ایک ظن کاذب کسی منزلت کے استحقاق کا کرے جسکا وہ فی الواقع مستحق نہیں ہے۔ معجب کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ میں سعید ہوں اور اپنے مطلب کو پہنچ چکا اور تحصیل حاصل اور امر محال کو کوئی طلب نہیں کرتا۔ معجب الا اپنے تئیں جانتا ہے کہ مجھے سب حاصل ہو گیا مجھے کچھ پروا نہیں وہ اپنے نفس میں اعتقاد رکھتا ہے کہ میں نیکوکار ہوں وہ اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے کبھی اُنکو یاد اور تلاش نہیں کرتا۔ اگر کوئی گناہ یاد آگیا تو اُس کو صغیرہ جانتا ہے۔ اُس کے تدارک میں کوشش نہیں کرتا۔ وہ اپنے نیک عمل کرنے کو خدا پر احسان کرنا جانتا ہے اور خدا کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ وہ اعمال پر عجب کرنے سے اُن کی آفات میں اندھا ہو جاتا ہے۔ وہ عذاب الٰہی سے اپنے تئیں مامون جانتا ہے خدا کے نزدیک اپنے تئیں صاحب رتبہ جانتا ہے۔ گویا خدا پر اُس کا حق اور احسان ہے۔ جب اپنی رائے اور عمل و عقل پر معجب ہوتا ہے تو استفادہ اور مشورہ لینے اور پوچھنے سے محروم رہتا ہے اپنی ہی رائے پر اصرار کرتا ہے۔ اپنے سے زیادہ عالم سے سوال کرنے کو ننگ و عار جانتا ہے اکثر اپنی رائے خطا ہی پر عُجب کرکے اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ یہ بات مجھ کو سوجھی اگر دوسرے کو سوجھتی تو خوش نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے اس پر اصرار کرتا ہے اور کسی ناصح اور واعظ کی بات نہیں سنتا بلکہ اوروں کو جاہل کی طرح دیکھتا ہے اور اپنی خطاؤں پر مصر ہوتا ہے۔ اگر یہ امر

باہر سے کوئی چیز خود اٹھا کر گھر میں لائیں۔ اہل ہیئت ظاہری کے بناؤ سنگار کا بڑا خیال رکھیں متواضع ان سب کاموں کے برعکس خوگر ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اگر وہ ان کاموں کو کریں اور خوش نہ ہوں تو متکلف کہلائینگے متواضع نہیں۔ اُن کو ساری حرکات وسکنات سے فروتنی ظاہر ہوتی ہے۔ جو انسان اپنی ہستی اور خدا کو پہچانتا ہے وہ یہ خوب سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات کی ساتھ کبر مخصوص ہے مجھ جیسے مشت خاک ناپاک کو کبر زیبا نہیں۔ میر اسود احاہ و دولت کا بادۂ نخوت کی مستی اور خود بینی اور بالانشینی اور خود ستائی و خود پرستی جناب مالک الملک کے رتبے سے مخالفت کرتی ہے۔ میں نہایت عاجز و ناتوان ہوں کوئی قدرت حسن۔ مال دولت اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جسپر مجھے تکبر ہو۔ جو چیز میرے پاس ہے وہ آج ہی کل نہیں رہیگی بزرگی کا دعویٰ کرنا اور اپنی اندازہ سے باہر قدم رکھنا حضرت آفریدگار کے ساتھ منازعت ہے وہم ہی ہے۔ جو بندگان خدا ہیں وہ تواضع کرتے ہیں اور جو خدا سے دور ہیں وہ غرور کرتے ہیں یہ صفت زشت ایسی ناپسندیدہ ہے کہ جو اس طائفہ کا مقصود ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کی نظروں میں معزز و مکرم و مخدوم و مطاع معلوم ہوں وہ بھی نہیں حاصل ہوتا۔ بلکہ جو وہ مقدمات ترتیب دیتے ہیں اُن کے نتیجے نقیض مدعا پیدا ہوتے ہیں +

(۳۶) شیوۂ خاکساری حسن افعال کا آب و رنگ ہے اور صفات کمال کی معراج بلندی سر کا درۃ التاج۔ آدمیت کے چہرہ کا گلگونہ اور انسانیت کے چہرہ کا مرغولہ۔ پاکی گوہر کی نشانی اور اصالت جوہر کی برہان۔ آتش عناد کی مسکن۔ سلسلۂ وداد کی محرک۔ کینوں کے گرد کی جاروب سینوں کے آئینہ کی صیقل۔ پادشاہ و گدا دونوں کی جامۂ زیبندہ۔ اور کوچک و بزرگ دونوں پر پھبتی ہے۔ خاکساری دیدۂ دشمن میں خاک ڈالتی ہے۔ اور عاقبت کا دروازہ کھولتی ہے متکبر نادان یہ گمان کرتا ہے کہ فروتنی اور خاکساری کا شیوہ باعث ذلت وخواری ہوتا ہے یہ خیال اس کا غلط ہے اسی سے سربلندی اور سرافرازی دیکھی ہے وقعت و عزت وارجمندی ہوتی ہے۔ تواضع افگندگی کی صفت مورث سعادت و فرخندگی ہوتی ہے یہی شیوہ خجستہ

مرد کی قدر کو اور زندگی کو بڑھاتا ہے۔

خواہی کہ بود بر سر خلقت مسکنے اول باید خاک قدمہا گشتن
تا آب بپائے سرو نگذارد سر کے بر سر شاخ میتواند رفتن

جیسا پانی میں ستارہ کا عکس پڑنا اُس کی پستی کا سبب نہیں ہوتا ایسا ہی بزرگوں کی فروتنی باعث کسر شان نہیں ہوتی جیسے دھوئیں کو بلند ہونے سے منزلت نہیں ہوتی ایسے ہی سفلوں کو گردن کشی کے دعوی سے مرتبہ نہیں حاصل ہوتا۔

(۲۷) عُجب

عجب کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے حق میں ایک ظن کاذب کسی منزلت کے استحقاق کا کرے جسکا وہ فی الواقع مستحق نہیں ہے۔ معجب کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ میں سعید ہوں اور اپنے مطلب کو پہنچ چکا اور تحصیل حاصل اور امر محال کو کوئی طلب نہیں کرتا۔ عجب والا اپنے تئیں جانتا ہے کہ مجھکو جب حاصل ہو گیا مجھے کچھ پروا نہیں وہ اپنے نفس میں اعتقاد رکھتا ہے کہ میں نکوکار ہوں وہ اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے کبھی انکو یاد اور تلاش نہیں کرتا۔ اگر کوئی گناہ یاد آگیا تو اُس کو صغیرہ جانتا ہے۔ اُس کے تدارک میں کوشش نہیں کرتا۔ وہ اپنے نیک عمل کرنے کو خدا پر احسان کرنا جانتا ہے اور خدا کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ وہ اعمال پر عجب کرنے سے اُن کی آفات میں اندھا ہو جاتا ہے۔ وہ عذاب الہی سے اپنے تئیں مامون جانتا ہے خدا کے نزدیک اپنے تئیں صاحب رتبہ جانتا ہے۔ گویا خدا پر اُس کا حق اور احسان ہے جب اپنی رائے اور عمل و عقل پر عجب ہوتا ہے تو استفادہ اور مشورہ لینے اور پوچھنے سے محروم رہتا ہے اپنی ہی رائے پر اصرار کرتا ہے۔ اپنے سے زیادہ عالم سے سوال کرنے کو ننگ و عار جانتا ہے اکثر اپنی رائے خطا ہی پر عجب کرکے اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ یہ بات مجھکو سوجھی اگر دوسرے کو سوجھتی تو خوش نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے اس پر اصرار کرتا ہے اور کسی ناصح اور واعظ کی بات نہیں سنتا بلکہ اوروں کو جاہل کی طرح دیکھتا ہے۔ اور اپنی خطاؤں پر مصر ہوتا ہے۔ اگر یہ امر

دنیاوی میں ہوئی تو نیل مرام سے محروم رہتا ہے اور اگر امر دینی میں تو گمراہ ہوتا ہے سب سے بڑی آفت عجب میں یہ ہے کہ آدمی اس گمان سے کہ میں مطلب کو پہنچ گیا اور بے پروا ہو گیا پھر کوشش و سعی میں سستی کرتا ہے اور اس سے بربادی ہو جاتی ہے۔ عجب ہمیشہ ایسے وصف پر ہوا کرتا ہے جو حقیقت میں کمال ہو معجب وہ شخص کہلاتا ہے جو نہ اس کمال کے زوال سے خوف کرے اور نہ خوش اس سبب سے ہو کہ یہ رفعت خدا تعالی کی نعمت و عطا ہے بلکہ اس وجہ سے اطمینان و فرحت ہو کہ یہ کمال میری طرف منسوب ہے اور میرا ہی وصف ہے اور میں نے اس کو پیدا کیا ہے۔ یہ عجب محض جہالت ہے وہ معرفت سے دور ہو سکتی ہے ؎

ترک عجب و کبر کن تا قبلۂ عالم شوی سیرت ابلیس را بگذار تا آدم شوی
ز خاک آفریدت خداوند پاک پس ای بندہ افتادگی کن چو خاک
حریص و جہان سوز و سرکش مباش ز خاک آفریدت چو آتش مباش

(۲۸) غرور

غرور ایک قسم کی جہالت کا نام ہے کیونکہ جہالت اسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کو جیسی وہ ہے ویسی نہ جانے۔ غرور بھی ایک جہل ہے مگر ہر جہل غرور نہیں بلکہ غرور کے لئے مغرور فیہ اور مغرور بہ بھی ضرور ہے۔ غرور کی تعریف یہ ہے کہ شبہ و مکر کے باعث نفس ایسی چیز پر جم جائے جو ہوائے نفسانی اور خواہش طبع کے موافق ہو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص کسی نکمے شبہ سے حال یا مآل میں خیر کا معتقد ہو وہ مغرور ہے۔ اکثر آدمیوں کا یہی حال ہے کہ اپنے نفسوں کے لئے ایک چیز کو بہتر گمان کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ گمان بہتر ہی غلط ہوتا ہے۔ اکثر لوگ مغرور ہوتے ہیں گو ان کے اقسام غرور جدا جدا اور درجات بھی مختلف بعض کا غرور بعض کی نسبت ظاہر تر اور شدید تر ہوتا ہے سب سے زیادہ غرور بدکاروں اور گناہ گاروں کا ہوتا ہے۔ وہ ایسی دلیلیں کیا کرتے ہیں کہ دنیا نقد اور آخرت ادھار ہے اور نقد بہ نسبت ادھار کے اچھا ہوتا ہے۔ اسلئے دنیا بہ نسبت آخرت کے اچھی ہے۔ اب اس جملہ میں کہ نقد بہ نسبت ادھار کے اچھا ہے مغالطہ ہے۔ یہ جملہ تو اس صورت میں

ہوسکتا ہی کہ نقد اور ادھار مقصود میں برابر ہوں اگر نقد بہ نسبت ادھار کے کم ہے تو ادھار بہتر ہے جیسے کہ اگر طبیب مریض کو لذیذ کھانوں سے منع کرے تو گو لذت اُن کی نقد ہی اور حرص کی سختی آیندہ ہوگی مگر وہ اس سختی کے خوف سے اس لذت نقد کو چھوڑ دیتا ہی۔ سوداگر خشکی و تری میں مصیبتیں و سختیاں اُٹھاتے ہیں تاکہ آیندہ راحت اور نفع ملے اور کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ نقد بہ نسبت اُدھار کے بہتر ہے۔ پس یہی حال دنیا اور آخرت کے نقد اور ادھار کا انسان کی سمجھ کے لئے ہے۔ دُنیا کی لذت میں سب طرح کی کدورت اور رنج و مصیبت ہیں اور آخرت کی لذت پاک صاف حلوا ہے دوسرا یہ مغرور یہ بھی کہتے ہیں کہ یقین شک سے بہتر ہے اور آخرت مشکوک اور دُنیا یقینی ہے پس یہ مغالطہ ہے یقین بہتر ہے شک سے یہ جب ہی ہے جب وہ تو مساوی ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ سوداگر مشقت تو یقیناً کرتے ہیں اور نفع مشکوک ہوتا ہی۔ اور طالب علم تحصیل علم میں محنت یقیناً کرتے ہیں و فضل و علم کے مرتبہ پر پہنچنا مشکوک ہی۔ شکاری شکار کی تلاش میں گشت یقینی کرتا ہے مگر شکار کا ملنا مشکوک ہی۔ بیمار بدمزہ و تلخ دوا کا ذائقہ یقینی چکھتا ہی مگر شفا میں شک ہوتا ہی۔ غرض جتنے امور عقلا کے نزدیک احتیاط میں داخل ہیں وہ سب اسی طرح کے ہیں کہ امر مشکوک کے لئے یقین کو چھوڑنا پڑتا ہے تاجر کہتا ہی کہ اگر میں تجارت نہ کروں اور مصیبت نہ اُٹھاؤں تو بڑا نقصان ہوا اور بھوکا مروں سوداگری میں محنت تھوڑی ہوتی ہی اور فائدہ بہت اسی طرح مریض کہتا ہی کہ دوا کی بدمزگی کا ضرر تھوڑا ہے بہ نسبت خوف مرض کے جسکا انجام موت ہی۔ پس اس بنا پر جو شخص آخرت میں شک کرکے کہتا ہے اُس پر بحکم احتیاط واجب ہی کہ یوں کہے کہ زندگی کے چند روز کا صبر کرلینا میرے حق میں اچھا ہے ان امور کی نسبت جو آخرت میں لوگ کہتے ہیں کیونکہ بالفرض آخرت کے معاملات جھوٹے ہوئے تو مجھے کیا نقصان ہوا ایک چند روز زندگی کے لئے عیش جاتے رہیں گے۔ ازل سے ابد تک بھی تو میں ایسا ہی تھا کہ عیش نہ کرتا تھا میں جانوں گا معدوم ہی رہا اگر معاملات آخرت کے سچ ہوئے تو ابدالآباد تک آگ میں جلوں گا جسکی برداشت نہیں ہوسکے گی ❊

(۲۹) آدمی کو چاہیئے کہ کبر و غرور کی صفت سے جو اکثر عیوب اور صفات ذمیمہ کا سرچشمہ ہے

اگر اپنے میں شر دیکھے تو اُس کے دفع کرنے میں سعی کرے۔ اور تواضع کے اوصاف میں تفکر
وغور و تامل کرے سخنانِ حق کے تریاق سے غرور کے زنبور کے زہر کا علاج کرے۔ اور
خود پسندی کے مواد کو دور کرے۔ تواضع و فروتنی کے شیرہ پینے کی عادت ڈالے اور خلق
میں سوا اپنے کسی کو کمتر نہ جانے اور مجالس و محافل میں اپنے مرتبہ سے کمتر جگہہ میں
بیٹھے۔ اور ہر وضیع و شریف سے بیش ملائمی کی تلاش کرے۔ دوست دشمن کو اپنے
اوپر تقدیم دے جس کو عمر میں بڑا دیکھے اُسے یہ سمجھے کہ اُس نے عبادت و نیک کام مجھسے زیادہ
کئے ہیں اسلئے قابل تعظیم ہے۔ اور جب کسی چھوٹے سے ملے تو جانے کہ اس نے مجھسے گناہ
کم کئے ہیں تو اُس کی تکریم کرے اور جو برابر والے سے ملاقات ہو تو جانے کہ مجھے اپنے
اطوار کی زشتی خوب معلوم ہے اور اُس کا حال مجھ پر پوشیدہ و مشتبہ ہے۔ اُسکی منزلت
خدا کے آگے زیادہ ہی اسلئے اُسکو اپنے سے بہتر جانے۔ جب کوئی جماعت اُس کے
ساتھ بہ تواضع و تعظیم پیش آئے تو جانے کہ یہ اُنکا غایت اشفاق اور حسن اخلاق ہے
میری لیاقت و استحقاق نہیں اور جب وہ اپنے ساتھ بے التفاتی کریں اور خواری کی
نظر سے مجھے دیکھے تو جان لے کہ یہ میری زشتی اور ناقابلی کے سبب سے ہے نہ اُن کی نافہمی
اور جاہلی کے سبب سے۔ جب کسی غنی کو دیکھے تو جانے کہ خدا نے اُسے لائق دیکھا۔ اور
جب کسی مفلس کو دیکھے تو جان لے کہ اس کا تعیش اولیا کا سا ہے۔ جامہ و پوشش میں
بہت کوشش نہیں چاہیے۔ لوگوں کی طرح طاؤس وش لباس منقش نہیں کرنا چاہیے۔
لباس کا تکلف تواضع کی نظر سے چھوڑنا عزت زیادہ کرتا ہے۔ اپنے خدمتگار و غلام و
کنیزکوں کے ساتھ مشفقانہ و پدرانہ سلوک کرنا چاہیے۔ اپنے آقا ہو اور اُن کی خدمت گزاری
پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اپنے تئیں اور اُن سب کو برابر خدا کا بندہ سمجھنا چاہیے۔ اور اپنی
فرمانروائی اور اُن کی خدمتگاری کو اپنے حق میں فضل الہی جاننا چاہیے۔ اُن سے زیادہ
تعظیم و ادب کرا کے اپنی سرافگندگی کے نخل پر آرہ نہ لگانا چاہیے۔ ایک شخص خدا کی بندگی کی

رسوم سے آشنا تھا۔ وہ غلام کو اپنے ساتھ ہمیشہ کھلاتا تھا۔ ایک شخص جو رسوم و تعارف کا پابند تھا اُس نے ملامت کی کہ تو غلام کے ساتھ ہم کاسہ ہوتا ہے جس سے وہ بے ادب ہو جائیگا۔ اس دانشمند نے جواب دیا کہ غلام میرا میری خدمت میں بے ادب بلا سے ہو جائے مگر میں خدا کی بندگی میں بے ادب نہیں ہوں۔ نفس مغرور کی تادیب کے قصد سے آدمی اگر اپنی گھر کی حوائج کی چیزوں کو خود اُٹھا کر لے جائے۔ تو شیوہ پسندیدہ اور صفت حمیدہ ہے۔ گو وضع زمانہ کا تقاضا اس کام پر اقارب کے سبب ملامت ہو۔ کوچہ و بازار میں وقت رفتار آدمی آنے جانے والوں کی گندہ بوئی سے نہ بھاگے۔ اور اپنے نفس بد طینت کی نخوت سے آمد و رفت آدمیوں پر تنگ کرے۔ آگے سے آدمیوں کو نہ ہٹائے۔

جب لوگوں سے ملے تو خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ تو اُن سے سلام کرنے میں پیش دستی کرے۔ تواضع کے معنی یہی ہیں کہ آدمی جس سے ملے پہلے سلام کرے اگر اہل علم میں سے ہو اور کوئی مسئلہ اس سے پوچھا جائے اگر اس پر علم نہ ہو تو اپنے جہل کا اقرار کرے۔ علماء گردن کش کی طرح اپنی نخوت کے سبب سے بے تأمل جواب نہ دینے لگے۔ اور نہ یہ ہو کہ مسئلہ کے جاننے کی صورت میں مغرور ہو اور اپنے تئیں نادانوں میں شمار کرے۔ یہ جان لے کہ اگر بے تحقیق لاعلمی کی حالت میں کوئی مسئلہ بتاؤنگا تو خدا کا عتاب ہوگا اس سے آدمیوں کی ملامت اٹھانا آسان ہے۔ آدمی خود حق نہ چاہے اور جو حق کو چاہیں اُن پر طعن کرے اور قول اُن کا سمع قبول میں نہ لائے یہ مناسب نہیں۔ جو صاحب ہوش ہو وہ اپنی خودنمائی خلق کی دلق کو دوش پر سے ڈال دے اور مرآت خاطر کو عجب و غرور کے زنگ سے صاف کرکے اہل حق کا تمام امور میں تابع ہو۔ جو غریب مسکین عارضہ بیماری میں یا مصیبت و بلا میں مبتلا ہو تو اُس کی پرسش میں اپنی کسر شان نہ جانے۔ خود اس سے پرہیز کرکے مرض انانیت میں گرفتار ہو۔ صائب

زکاۃ صحت جسم است خستہ پرسیدن نگہبانی عمر است پشت پا دیدن

غرض ایسی طرح کی باتوں میں چاہئے کہ طبع مغرور کی اصلاح ہو آدمی کو کوشش کرنی چاہئے

تاکہ نفس میں سرکشی نہ پیدا ہو جب تک آدمی تواضع اور انکساری کی عادت نہیں اختیار کرتا عافیت نہیں حاصل ہوتی۔ ذائقہ عقل کی اصلاح نہیں ہوتی اور اس کی لذت نہیں آتی مگر یاد رکھو کہ شیوہ تواضع ہر شخص کے ساتھ نیک اور مستحسن ہے مگر متکبروں کے ساتھ نہیں۔ ان کے ساتھ جواب عرلی بہ عرلی اور سزا سے بے ادبی بے ادبی شاید اس سے ان کی طبیعت نخوت سرشت کو سزا ہو اور وہ تمردی سے باز آئیں ؎

(۳۰) حرص و طمع کی مذمت و قناعت اور لوگوں سے توقع نہ رکھنے کی عادت

اگر جمعیت دل ہی تجھے منظور قانع ہو … کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں
جو کنج قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر … ہے ذوق برابر انھیں کم اور زیادہ

حرص نفس کا حال یہ ہے کہ سب چیزوں کی طرف نیت دوڑتی ہے یہ چاہتا ہے کہ ساری چیزیں میرے پاس آ جائیں اسی غرض سے کبھی کسی کے پاس حاجت لے جاتا ہے کبھی کسی کے پاس۔ جب وہ شخص حاجت پوری کر دیتا ہے تو گویا اب اس کی نکیل اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے جہاں چاہتا ہے وہ پھراتا ہے اور جو کام چاہتا ہے وہ لیتا ہے ع
ھر انان وہ و کفش بر سر بزن ؎ کا قصہ ہوتا ہے۔ یہ شخص جہاں اس کو دیکھتا ہے خوشامد کے مارے سلام کرتا ہے اور وہ بیمار پڑتا ہے تو اس کی عیادت کرتا ہے پس اگر حاجت نہ ہوتی اس کے لئے اچھا ہوتا۔ حکماء کا قول ہے کہ انسان میں بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اس کو سنا دیا جائے کہ تو ہمیشہ دنیا میں رہے گا تو اس قدر عمر کی درازی میں جتنی حرص اس کو ہو گی اس سے زیادہ اب وہ کرتا ہے حالانکہ اب تھوڑے ہی دنوں کی زندگی ہے اور آخر کو فنا کی توقع ہے۔ انسان کو طمع و حرص سے نجات اور قناعت یوں حاصل ہو سکتی ہے کہ آدمی معیشت میں میانہ روی اور خرچ میں کفایت کرے جتنی الوسع خرچ کے دروازے اپنے نفس پر بند کرے اور صرف ضروری خرچوں پر اکتفا کرے

اس لئے کہ جس کا خرچ اور روش زیادہ ہوگی وہ قناعت نہیں کرسکتا ہر دست بقدر کفاف آدمی کے پاس موجود ہو تو آیندہ کے لئے زیادہ اضطراب کرے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ قناعت کے فایدہ سے آگاہ ہو کہ اُس کے باعث استغنا اور بے پروائی کی عزت حاصل ہوتی ہے اور حرص و طمع کی جہت سے رسوائی اور ذلت ہوتی ہے حرص میں مشقت سے طمع میں ذلت سے نہیں بچتا۔ قناعت میں صرف شہوات فضول سے صبر کرنے کی مشقت ہے یہ مشقت و تکلیف ایسی ہے کہ اُس کو سوا خدا کے کوئی اور نہیں جانتا۔ حرص و طمع ایسی چیزیں ہیں جن کو لوگ دیکھ سکتے ہیں کثرت طمع و حرص میں نفس کی بزرگی اور حق بات کی متابعت میں قدرت مفقود ہوتی ہے کیونکہ کثرت حرص و طمع مقتضی اس بات کی ہے کہ لوگوں سے بہت کام نکلیں پھر ایسی صورت میں اُن کو حق بات کا مائل کرنا کہاں بن سکتا ہے بلکہ اُن کی برائیاں دیکھ کر مداہنت اور اغماض کرنا پڑے گا جس سے کہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جو شخص بقدر کفایت پر تابع ہوتا ہے وہ اغنیا کے گروہ میں داخل ہوتا ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ جس سے چاہو بے پروا ہو جاؤ اُس کی نظر اور اُسی کی مانند ہو جاؤ گے اور جس کی طرف دل چاہے حاجت لیے جاؤ اسی کے پابند ہو جاؤ گے۔ اور جس پر چاہو احسان کرو اُس کے امیر بن جاؤ گے۔ اگر عقل کی شمع کو روشن رکھنا چاہو تو پردہ طمع کو اٹھا دو۔ یہ پردہ چشم دل کو کبھی روشن نہیں ہونے دیگا۔ خیال جاہ و زر اُس کی آنکھ کے آگے ایسا ہوتا ہے جیسا آنکھ میں بال +

(۳۱) طمع کی مصیبت مخدوم کو خادم بناتی ہے

طمع کی مصیبت مخدوم کو خادم بناتی ہے اور آزاد کو بندگی میں ڈالتی ہے۔ ہمیشہ اہل طمع کو دیکھو کہ وہ ارباب جاہ کی رکاب کے ساتھ پڑے پھرتے ہیں اور ادب کے ساتھ اُن کی خدمت میں دست بستہ پھرتے رہتے ہیں۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ غلام تین ہوتے ہیں ایک وہ غلام جنکی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ دوم بندہ شہوت۔ سوم بندہ طمع کہ قسم زر کی

طمع کے سبب سے خط غلامی لوگوں کو لکھ دیتے ہیں اور ناکسوں کی فرمانبرداری قبول کر لیتے ہیں بعض کو یہاں تک طمع ہوتی ہے کہ حکام و سلاطین کی استرضا میں خدا کے احکام کا بھی خیال نہیں کرتے۔ ایسے آدمی چھوٹے بڑوں کی نظروں میں خفیف و بے اعتبار ہو جاتے ہیں۔ اپنے حوائج کے رفع کی طلب نشان بیقدری اور موجب بے حیائی اور بے شرمی ہے جو لوگ توقع احسان خلق کی نہیں رکھتے اور استغنا مزاج میں رکھتے ہیں اگرچہ وہ مفلس اور تنگ دست ہوں مگر وہ اغنیا اور متکبروں میں شمار ہونگے — استغنا کچھ کثرت مال کا نام نہیں ہے بلکہ نفس کی بے نیازی کا نام ہے۔ وہی غنی ہیں جو کچھ پاس رکھتے ہیں اسپر قناعت کرتے ہیں۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں کہ تو دل میں غنی ہو اور امید بخشش اور طمع نوازش کسی سے نہ رکھ جب محتاج و تنگ دست ہو جائے تو اس کا اعتبار کسی طرح نہ کر کیونکہ اس سے تو بے مقدار ہو جائیگا۔ لیکن اپنی حاجت فضل الٰہی سے اور نقد مدعا اس کے خزانہ نامتناہی سے چاہ۔ طمع سے زیادہ ذلیل کوئی چیز نہیں۔ لوگ جامہ و دستار کی درندگی کو پردہ دری عزت جانتے ہیں اور اس سبب سے تھوڑی عسرت میں لوگوں کے گھروں پر پڑے پھرتے ہیں۔ مالداری میں شرف و سلامتی جانتے ہیں

(۳۲) صبر

صبر کے معنی ہیں طبیعت کا روکنا خواہ وہ غضب سے ہو یا ہوئے (ہوا) یعنے شہوت سے۔ صبر کی دو قسمیں ہیں اوّل صبر بدن سے کرنا۔ مثلاً بدن پر مشقت کا متحمل ہونا۔ اور اس پر مستقل رہنا پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں یا تو خود کوئی فعل کرنا یا دوسرے کے فعل کی برداشت کرنی اول کی مثال جیسے کسی مشکل کام کا یا عبادت کا بجالانا۔ اور دوسرے کی مثال جیسے سخت مار کو پی جانا۔ یا بڑے مرض کو اور زخم مہلک کو سہنا پہلی قسم کبھی عمدہ ہوتی ہے مگر دوسری قسم کے صبر میں کمال عمدگی پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں نفس کو طبیعت کے مقتضیات اور باعث ہوئے سے روکنا ہوتا ہے۔ اب اس صبر کے نام مختلف طرح سے

لیئے جاتے ہیں شہوت شکم وغیرہ سے صبر کرنے کا نام عفت ہے۔ اگر کسی مصیبت میں ہو تو اُس کو صبر ہی کہتے ہیں اور اُس کی ضد وہ حالت ہے جس سے جزع و فزع کہتے ہیں یعنی حد تمنا سے ہونے کو مطلق العنان کر دینا کہ خوب چیخے اور پیٹے اور گریبان پھاڑے۔ اگر تونگری برداشت کرنے میں صبر ہو تو اُسے ضبط نفس کہتے ہیں اور اُس کے مقابل اترانا ہے اور اگر صبر مقام جنگ اور صفِ قتال میں ہو تو اُسے شجاعت کہتے ہیں جس کا مقابل نامردی و بزدلی ہے اگر غصے کے پینے میں ہو تو اُس کا نام حلم ہے جس کی ضد غضبناکی ہے۔ اگر زمانے کی کسی آفت پر صبر ہو تو اُس کا نام فراخی حوصلہ ہے اور اُس کی ضد کم حوصلگی اگر کلام کے خفیہ رکھنے میں ہو تو اُس کو رازداری اور جس شخص میں یہ صفت ہو اُس کو رازدار کہتے ہیں اگر عیش زائد از حاجت سے ہو تو اُس کا نام زہد ہے جس کی ضد حرص ہے اگر ایسے ہر ایک حظ نفسانی سے قدر قلیل پر صبر ہو تو اُس کو قناعت کہتے ہیں اُس کا مقابل شرہ اکثر نیک اخلاق صبر میں داخل ہیں انسان کو صبر کی طرف بڑی حاجت ہے اس سے گریز نہیں ہو سکتی۔ جو حالات اس زندگی میں انسان کو پیش آتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتے یا تو اُس کی خواہش کے موافق ہوتے ہیں یا ناموافق۔ صبر کی حاجت دونو حالوں میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو ہر حال میں صبر کی حاجت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قسم اول یعنی وہ احوال جو ہماری خواہش کے موافق ہوں وہ صحت اور تندرستی اور مال و جاہ کا ہونا اور بہت سا جتھا ہونا اور کثرت اسباب کا ہونا یار اور مددگار و خدمت گزار بہت سے ہونے اور تمام لذائذ کا موجود ہونا۔ ان احوال میں بندہ کو صبر کی بڑی خواہش ہے اس واسطے کہ آدمی اگر لذات دنیاوی میں پڑ کر اپنے نفس کو نہ روکے گا اور اُن میں مطلق العنان و رو بار ہے گا تو گو وہ لذائذ مباح ہی ہوں مگر آخر کو سرکشی اور اترانے پر پہنچا دیں گے۔ اس واسطے کہ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب اپنے آپ کو غنی جانتا ہے تو طغیانی کرتا ہے سچ ہے کہ بلا و مصیبت میں صبر کرنا ایسا

سخت نہیں ہوتا جیسا کہ عافیت اور تونگری پر۔ بڑا مرد وہ ہے جو عافیت پر صبر کرے اور
اور عافیت پر صبر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی طرف رغبت نہ کرے اور جانے کہ یہہ
چند روزہ ودیعت ہے جلد مجھ سے جاتی رہے گی اور اُس سے زیادہ خوش نہ ہو اور نعم
اور لذت اور لہو ولعب میں ڈوبا نہ رہے بلکہ جو جو انعام اللہ کے اُس پر ہیں اُن سے
حقوق اللہ تعالیٰ کے ادا کرے۔ مثلاً مال کو خدا کی راہ میں دینے سے اور بدن سے
دوسروں کی اعانت کرکے اور زبان سے سچ بول کر خدا کا حق ادا کرے۔ اس طرح کا صبر
شکر کے متصل ہے جب تک آدمی شکر پر قائم نہ ہوگا تب تک یہ صبر کامل نہ ہوگا۔ عافیت پر صبر
کرنا اس لئے سخت تر ہے کہ اُس میں قدرت موجود ہے ورنہ عصمت بی بی از بے چادری مشہور
ہے جس کو قدرت ہی نہ ہو وہ اگر صبر نہ کرے تو کیا کرے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ
بھوکا آدمی اگر کھانا اُس کے سامنے نہ ہو تو صبر آسانی سے کرسکتا ہے بہ نسبت اس صورت کے کہ
عمدہ کھانا لذیذ اُس کے سامنے ہو اور اُس کو قدرت بھی کھانے کی ہو اس لحاظ سے عافیت میں
صبر سخت تر ہے دوسری قسم جو خواہش طبیعت کے ناموافق ہونے کی ہے اُس کی تین صورتیں ہیں
اول تو وہ جو بندے کے اختیار سے مربوط ہو جیسے طاعات اور معاصی دوم وہ جو اُس کے
اختیار میں نہوں جیسے کہ مصائب و حوادث سوم شروع میں تو اختیار کو کچھ دخل نہ ہو مگر اُس کا دور کرنا
اختیار میں ہو جیسے موذی سے بدلا لینا۔ صورت اول یعنی وہ افعال کہ بندہ کے اختیار سے
وابستہ ہوں اور اُس میں بندہ کے تمام افعال جو طاعت اور معصیت ہوسکتے ہیں داخل ہیں اُن کی
دو نوع ہیں۔ نوع اول طاعت اور دوسری نوع معصیت اور ہر ایک میں صبر کی حاجت ہے طاعت
پر صبر کرنا دشوار ہے اس واسطے کہ نفس کو طبعاً عبودیت سے نفرت ہے یہ ربوبیت کو چاہتا ہے نفس
انسانی میں انا ربکم الاعلیٰ مخفی ہے اسے دیکھو کہ آدمی اپنے غلام و نوکر اور محکوم اور
زیر دست اور مطیع سے اُن کے قصور کے وقت کیسا نیلا پیلا ہوتا ہے اور قصور خدمت کو اُن سے
بعید جانتا ہے اُس کی وجہ اگر کبر باطنی اور دعویٰ ربوبیت نہیں تو اور کیا ہے اس سے معلوم ہوا

عبودیت نفس پر شاق ہے بعض عبادتیں کسل کے سبب سے بعض بخل کے سبب سے بعض دونوں کسل و بخل کے سبب سے ناگوار ہوتی ہیں پس طاعت پر صبر کرنا بہت سے شدائد پر صبر کرنا ہے نوع دوم معصیت پر بھی صبر کرنا بڑا ضروری ہے صبر کے اقسام میں زیادہ شدید ان معاصی پر صبر کرنا ہے جو عادت کے باعث مالوف ہو گئے ہوں اس لئے کہ عادت بھی ایک دوسری طبیعت ہوتی ہے جب کہ خواہش نفس پر عادت زیادہ ہو جاتی ہے تو آدمی اس کے قلع و قمع پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر اگر وہ گناہ ان افعال میں سے ہوں جن کے کرنے میں کچھ دقت نہیں ہے بلکہ بآسانی ہو سکتے ہیں تو اس سے صبر کرنا نہایت دشوار ہے۔ مثلاً زبان کو گناہوں مثل غیبت اور جھوٹ و خصومت اور اشارۃً یا صراحۃً اپنے نفس کی تعریف کرنے سے صبر کرنا یا اقسام مزاح سے جو دلوں کو ایذا دیں اور ان کلمات سے جو بقصد تحقیر و تذلیل بولے جائیں اور مُردوں کا ذکر کرنا اور ان پر خواہ ان کے علوم اور سیرت و مذہب پر اعتراض کرنا ان سب سے صبر کرنا نہایت دشوار ہے۔ اس لئے کہ ظاہر میں تو یہ غیبت ہیں مگر باطن میں اپنے نفس کی ثنا پائی جاتی ہے۔ غرض جب معصیت کا سبب قوی یا ضعیف ہوگا ویسا ہی صبر کرنا بھی سخت یا آسان ہوگا۔ صورت دوم وہ افعال جن کا کرنا اختیار سے نہ ہو۔ البتہ نہ ہو مگر ان کے دفع کرنے کا اختیار ہو مثلاً کسی نے اپنے قول و فعل سے کسی کو ایذا دی یا اس کے نفس یا مال میں کوئی قصور کیا تو اس پر صبر کرنا اور مکافات کا چھوڑنا کبھی تو واجب ہوتا ہے اور کبھی صرف فضیلت کا سبب کیونکہ ایذا پر صبر کرنا انسان کے مراتب اعلیٰ میں داخل ہے صورت سوم ایسے امور جن کی ابتدا و انتہا کچھ بھی بندے کے اختیار میں نہیں جیسے عزیزوں کا مرنا اور مال تلف ہونا اور مرض سے تندرستی کا جاتا رہنا اور اعضاء کا بگڑ جانا اور تمام اقسام کے مصائب کہ ان پر صبر کرنا مقامات صبر میں اعلیٰ مقام ہے کیونکہ ایسے مقام پر صبر کرنا نہایت سخت ہوتا ہے۔ صبر کرنے کے معنی یہی ہیں کہ خدا کی مرضی پر آدمی راضی ہے صبر کا کمال اسی میں ہے کہ مرض اور افلاس اور تمام مصیبتوں کو چھپائے۔

خلاصہ اس تمام بیان کا یہ ہے کہ سب احوال اور افعال میں صبر واجب ہے۔ گو صبر کرنا

بہت دشوار ہے مگر وہ علم و عمل سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(۳۲) شکر

شکر کے واسطے تین باتیں ضرور ہیں اول علم دوم حال سوم عمل اصل اصول علم ہے۔ اس سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال سے عمل علم سے غرض یہ ہے کہ نعمت کو منعم کے طرف سے جانے حال سے مراد یہ ہے کہ منعم کے انعام سے خوش ہو عمل سے مراد یہ ہے کہ جو منعم کا مقصود انعام سے ہو اُس پر قائم رہے۔ علم میں تین باتوں کو جاننا چاہئے ایک تو خود نعمت کا۔ دوم اُس نعمت کا اپنے حق میں نعمت ہونا سوم منعم کا اور اُس کی صفات کا جن کے سبب سے صدور اس انعام کا اُس پر ہوا انعام کے جاننے کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں ایک نعمت ایک نعمت کا دینے والا اور ایک وہ جس پر منعم کے قصد و ارادہ سے نعمت پہونچتی ہے۔ انسان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ساری نعمتیں خدا کی طرف سے پہونچتی ہیں اصل منعم وہی ہے اور باقی اور جو نعمت پہونچاتے ہیں وہ پہنچانے کا واسطہ خدا کے حکم کے سبب ہوتے ہیں۔ جیسے بادشاہ کوئی انعام دے تو بادشاہ کے اہلکار اس پاس پہونچانے کے بیچ میں واسطہ ہوں گے۔ مگر انعام دینے والا بادشاہ ہے۔ اگر وہ حکم نہ دیتا تو یہ اہلکار انعام کبھی نہ دیتے۔ ہم کو شمس و قمر و آسمان و زمین سے جو نعمتیں مل رہی ہیں اُن کا دینے والا خدا تعالیٰ ہی ہے اسلئے کہ جو ظاہر میں ہم کو چیزیں دے رہے ہیں وہ سب اُسی کے مسخر و تابع ہیں اُس کے حکم سے دیتے ہیں غرض خدا کے انعام دینے میں جو کسی دوسرے کو شریک کریگا تو اُس کی توحید میں شرک کرے گا۔ حال کی کیفیت یہ ہے کہ آدمی کو جب کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ تین وجہ سے خوش ہوتا ہے۔ اول جو فقط نعمت ہی سے خوش ہو مثلاً ایک شخص کو گھوڑے کی ضرورت سفر کے لئے تھی بادشاہ نے اُس کو گھوڑا دیدیا اب یہ شخص صرف گھوڑا ملنے سے خوش ہوتا ہے اگر وہ اُس کو جنگل میں سے مل جاتا تو بھی اتنا ہی خوش ہوتا دوم منعم سے خوش ہونا جس کا انعام دینا اُس کی عنایت اور الفت پر دلالت کرتا ہے۔ اوپر کی مثال میں گھوڑا ملنے سے اس لئے خوش ہوتا کہ بادشاہ کی عنایت پر وہ دلالت کرتا ہے

وہ بادشاہ کی شفقت و التفات کا خواستگار تھا۔ کچھ گھوڑے کا طالب تھا۔ تیسری خوشی اس سبب سے ہو کہ نعمت کے ذریعہ سے میں منعم کی زیادہ خدمت کرونگا۔ مثلاً گھوڑا ملا تو اس سبب سے خوش ہوا کہ میں اس کے سبب سے اور زیادہ بادشاہ کی خدمت خوش اسلوبی سے بجا لاؤں گا۔ اور اس سبب سے مجھے بادشاہ سے اور تقرب حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ اول صورت میں تو معنی شکر پائے نہیں جاتے کہ اس نعمت پانے والی کی غرض صرف گھوڑے ہی کی تھی دینے والے سے کچھ غرض نہ تھی۔ یہ حال ایسے لوگوں کا ہے جو نعمت پر اس وجہ سے خوش ہوتے ہیں کہ وہ لذائذ اور غرض کے موافق ہے ایسے لوگ شکر سے مراحل دور ہیں۔ دوسری صورت اگرچہ معنی شکر میں داخل ہے اور اس میں خوشی منعم کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ مگر منعم کی ذات کے اعتبار سے یہ خوشی نہیں بلکہ اس جہت سے ہے کہ عنایت سلطانی کا یقین ہوا جو آگے کو انعام کا باعث ہوگی۔ یہ حال اُن صلحا کا ہے جو خدا تعالیٰ کی شکر و عبادت بجا لاتے ہیں اس وجہ سے کہ اُس کے عقاب عذاب سے خائف ہیں اور ثواب کے متوقع ہیں ان دونو صورتوں میں شکر ناقص رہتا ہے۔ مگر تیسری صورت میں شکر کامل پایا جاتا ہے کہ بندہ کو خوشی نعمت الٰہی پر اس نظر سے ہو کہ اس نعمت کے سبب سے خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے غرض عوام تو ادائے شکر کھانے پینے پوشاک وغیرہ پر کرتے ہیں اور خواص اپنے دلوں کے احوال پر۔ اب تیسری بات یہ ہے کہ جو خوشی معرفت منعم سے حاصل ہوتی ہے اس کے موافق عمل کرنا۔ یہ عمل قلب و زبان اور اعضا سب سے متعلق ہے۔ دل سے تو یہ چاہیے کہ خیر کا قصد کرے اور تمام خلق کے حق میں نیت خیر اور سلوک کرنے کا ارادہ خفیہ رکھے اور زبان سے اظہار شکر خدا ایسے الفاظ حمد سے جو شکر پر دال ہوں چاہیے کہے اور دوسرے اعضا سے اس طرح کہ ان کو نعمت الٰہی جان کر اُس کی طاعت میں لگائے اور اُن سے اُس کی نافرمانی پر مدد نہ لے۔ مثلاً آنکھوں سے ادائے شکر یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا عیب دیکھے تو اس کو چھپا دے۔ اور کانوں کا شکر یہ ہے کہ اگر کسی بھائی کا عیب سنے اس کو افشا نہ کرے

اکابر سلف جو آپس میں مزاج پرسی کرنے میں کہا کرتے تھے کہ خدا کا شکر ہے تو اُن کا مدعا اس سے یہ ہوتا تھا کہ کسی طرح زبان سے شکر الٰہی نکلے کیونکہ شکایت الٰہی یا اُس کے شکر سے سکوت کسی طرح روا نہیں خدا کی شکر گزاری اس قسم کی نہیں ہوتی جیسے اور ظاہری منعموں کی۔ کیونکہ اور منعم اپنے انعام سے کچھ نہ کچھ غرض رکھتے ہیں۔ مثلاً بادشاہوں کی غرض شکر گزاری سے یہ نکلتی ہے کہ اُن کی جگہہ اور آدمیوں کے دلوں میں ہوتی ہے اور خلق میں اُن کا کرم مشہور ہوتا ہے۔ اس شہرت سے آوازہ اور جاہ بڑھتا ہے۔ دوم بجا آوری خدمت سے شکر کرتے ہیں تو اُس میں اُن کی بعض غرضوں پر اعانت ہو جاتی ہے غرض کہ شکر کے سبب کوئی نہ کوئی بات اس قسم کی منعم کے لئے ہوتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات تو سب غرضوں اور طلبوں سے پاک ہے اُس کو حاجت کسی خدمت اور اعانت کی نہیں ہم خدا کا شکر کسی طرح نہیں ادا کر سکتے ؎ از دست و زبان کہ بر آید کز عہدۂ شکرش بدر آید

خدا کی نعمتیں بے شمار ہیں اُن کا شکر کیسے ہو سکتا ہے۔ اب ہم نعمت کی تعریف لکھتے ہیں جس پر شکر واجب ہوتا ہے۔

(۳۳) نعمت جس پر شکر واجب ہے

ہر نیک چیز اور لذت و سعادت خواہ دنیاوی ہو یا اخروی بلکہ ہر ایک مطلوب و موثر کا نام نعمت کہہ سکتے ہیں جتنے امور دُنیا میں ہیں وہ چار حال سے خالی نہیں ہوتے۔ اول وہ جو دُنیا و آخرت دونوں میں نافع ہوں جیسے علم و حسن خلق دوم وہ کہ دونوں میں مضر ہوں جیسے جہل و بد خلقی۔ سوم وہ کہ دنیا میں مفید ہوں اور آخرت میں مضر ہوں جیسے اتباع شہوت سے لذت پانا۔ چہارم وہ کہ دنیا میں مضر ہوں اور آخرت میں مفید جیسے شہوات کا استعمال اور نفس کی مخالفت اُن میں سے جو حال و مآل میں نافع ہیں وہ نعمت حقیقی ہے مثلاً علم اور حسن خلق اور جو دونوں میں مضر ہے وہ اس کی ضد ہے اور مصیبت حقیقی ہے اور جو حال کے نافع اور مآل کے مضر ہے وہ ارباب بصیرت اور ذکا کے نزدیک مصیبت ہے۔ مگر جہال اُس کو نعمت گمان

کرتے ہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھوکا شخص شہد خالص پائے جس میں زہر ملا ہو تو وہ اگر زہر سے ناواقف ہوگا تو اس شہد کو نعمت جانے گا اور جب واقف ہوجائیگا تو جانے گا کہ یہ میرے حق میں بلا ہے اور جو چیز حال میں مضر اور مآل میں مفید ہے وہ ارباب عقل کے نزدیک نعمت ہے اور جہال کے نزدیک بلا ہے۔ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کڑوی دوا کہ حال میں اُس کا ذائقہ بُرا ہے مگر انجام کو ع کہ داروے تلخ است دفعِ مرض

ناواقف لڑکے کو جب ایسی دوا پلائی جاتی ہے تو اُس کو وبال جانتا ہے اور عاقل اُس کو نعمت تصور کرتا ہے اور جو شخص اُس کو دوا پلاتا ہے یا اُس کا سامان مہیا کرتا ہے اُس کا ممنون و مشکور ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نعمتیں بہت مسلسل و بے شمار ہیں ہر ایک نعمت کا حال لکھنے کے لئے ایک کتاب چاہیئے۔ نعمتوں میں سے ایک تندرستی بھی ہے۔ اُس کے اسباب میں سے ایک غذا ہے۔ اُس کے حال لکھنے کو ایک دفتر چاہیئے۔ سو لذت ایک نعمت ہے جس میں سے کچھ ہم نیچے بیان کرتے ہیں

(۳۴) لذات علم و حکمت و معرفت

لذتیں اس اعتبار سے کہ انسان سے مخصوص ہیں یا غیر میں بھی شریک ہیں تین طرح کی ہیں اول عقلی دوم بدنی کہ بعض حیوانات کے ساتھ مشترک ہیں سوم بدنی کہ سب حیوانات اُن میں مشترک ہیں عقلی لذتوں کی مثال جیسے علم اور حکمت کی لذت کہ صرف قلب کو اس سے لذت ہوتی ہے حواس خمسہ اور اعضا کو اس سے بہرہ نہیں اس لذت کا وجود باوجودیکہ سب میں اشرف ہے اُس کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علم و حکمت کی لذت سوا عالم و حکیم کے اور کوئی لذت نہیں پاتا۔ اہل علم اور ارباب حکمت بہت ہی کم ہیں۔ گو نام کو بہتیرے ہوں۔ اکثر اُن میں لذت علم سے قاصر ہیں ان کا قصور کیا تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اُن کو ذوق نہیں جس کو ذوق علم نہیں اس کو شوق علم نہیں شوق پر ذوق کو تقدیم ہے۔ یا اس وجہ سے کہ لوگوں کے مزاج خراب ہوتے ہیں اور دل بباعث اتباع شہوات کے روگی ہوجاتے ہیں تو جیسے بیمار کو شہد کا مزہ نہیں معلوم ہوتا اور اُس کو کڑوا جانتا ہے ایسے ہی یہ لوگ علم کو اچھا

نہیں سمجھتے یعنی اُن کی طبیعت و دانائی میں ابھی تک قصور رہے کہ ابھی تک وہ صفت جس سے
علم کی لذت معلوم ہوتی ہے اُن میں پیدا نہیں ہوئی جیسے شیر خوار لڑکا شہد اور پیڑوں کا
مزہ نہیں جانتا اُس کو سوا دودھ اور کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی سب چیزوں پر منہ بناتا ہے
اُس کو اچھا نہ معلوم ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ چیزیں مزہ دار نہیں۔ اور نہ اُس کے
لذیذ جاننے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ لذیذ تر وہی ہے۔ غرض کہ جو لوگ لذت
علم کے ادراک سے قاصر ہیں وہ تین طرح کے ہیں ایک وہ ابھی تک اُن کا باطن زندہ نہیں ہوا
جیسے کہ لڑکے کا باطن ہوتا ہے۔ دوم وہ کہ اتباع شہوات کے باعث اُن کا دل مردہ
ہو گیا ہے۔ سوم وہ کہ اتباع شہوات کے سبب دل مریض ہو رہا ہو۔

دوسری لذت جس میں انسان بعض حیوانات کے شریک ہیں جیسے کہ ریاست و غلبہ کی لذت
کہ شیر و چیتہ اور بعض و حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔

تیسری لذت جس میں انسان سب حیوانات شریک ہیں جیسے پیٹ وغیرہ کی لذت۔ یہ لذت
سب لذتوں سے ادنیٰ اور خسیس ہے۔ مگر کثرت سے ہے اور اسی وجہ سے جتنے حیوانات
زمین پر ہیں سب اس میں شریک ہیں اس لذت کے توڑنے والے تو بہت سے صلحا موجود
ہوتے ہیں مگر لذت ریاست کو دور کرنے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ لذت ریاست
اُن لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جو خدا کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں پس اس اعتبار
سے دل کی چار قسمیں ہیں ایک دل وہ جو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور سے محبت نہیں کرتا۔
دوسرا وہ دل کہ جس کو خبر ہی نہیں کہ لذت معرفت الٰہی کسے کہتے ہیں۔ اُس کی لذت صرف
جاہ و ریاست اور مال اور تمامی شہوات بدنیہ سے ہیں تیسرا وہ دل کہ اکثر تو خدا تعالیٰ سے
مانوس رہتا ہے اور اُس کی معرفت اور فکر سے لذت پاتا ہے مگر بعض اوقات اُس کو اوصاف
بشری پیش ہو جاتے ہیں جن کے سبب وہ لذت سے محروم ہوتا ہے۔ چوتھا وہ دل کہ اکثر حالات میں
تو اوصاف بشری لذت پاتا رہتا ہے الا کبھی کبھی علم اور معرفت سے بھی لذت پاتا ہے

ان میں اول قسم کا دل تو غیر ممکن سا ہے بشر کی طاقت سے باہر ہے کہ اس صفت سے متصف ہو دوسری قسم کے دلوں سے دنیا پر ہے تیسری اور چوتھی قسم کے دل بھی موجود ہیں مگر کم ہیں اور یہ ہمیشہ شاذ و نادر ہی رہینگے۔ پس اس صورت میں خدا کی شکرگزار بہت کم ہیں اس کا حال آگے پڑھو۔

(۴۳) خلق شکر نہیں کرتی

خلق اپنی جہالت اور غفلت کے سبب سے شکر نہیں کرتی۔ خدا تعالیٰ کی نعمتیں ایک عام ہیں دوسری خاص۔ جو عام ہیں اُن کو خلقت نعمت نہیں سمجھتی کہ اس کا شکر ادا کرے۔ مثلاً آدمی اپنی جہالت کے باعث جو بات کہ سب لوگوں میں پائی جاتی ہے اور ہر حال میں اُن کے پاس موجود ہے اُس کو نعمت ہی نہیں جانتا اسلیے کوئی اُس کا شکرگزار نہیں ہوتا۔ ہوا۔ کوئی اُس کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اگر ایک لحظہ گلا پکڑ لیا جائے کہ ہوا باہر کی اندر نہ جاسکے تو آدمی مر جائے گا۔ اگر کسی کنوے میں جسکی ہوا پانی کی تری سے بھاری ہوگئی ہو یا حمام میں جسکی ہوا گرم ہو آدمی بند کیا جائے تو گھٹ کر مر جائے گا۔ ہاں اگر کوئی اس طرح بند کرکے پھر نکالا جائے تو البتہ ہوا کو بڑی نعمت سمجھے گا مثل مشہور ہے ع قدر نعمت ہست بعد از زوال۔ یہ بڑی جہالت ہے کیونکہ اس صورت میں شکر اس بات پر موقوف ہوا۔ کہ نعمت ان سے چھن جائے اور پھر کسی وقت دی جائے۔ جب اُس کی قدر جان کر شکرگزاری کریں حالانکہ ہر وقت نعمت کی شکرگزاری لازم ہے۔ رحمت الٰہی سب پر عام ہے اور ہر حال میں ہر ایک پر مبذول ہے تو اُس کو جاہل آدمی نعمت نہیں جانتا۔ غرض انسان کا یہ حال ہو رہا ہے کہ وہ اس نعمت پر شکرگزار ہوتا ہے جس میں کوئی اختصاص ہو یا جائے۔ مثلاً مال ملجائے تو بہت شکرگزار ہوگا۔ مگر بدن میں جو ہزاروں نعمتیں خدا نے پیدا کی ہیں اُن کا شکر نہیں کرتا۔ روایت ہے کہ بعض فقرا نے کسی اہل دل سے شکایت اپنی مفلسی کی کی اور اُس کے باعث اپنا شدت سے غمگین رہنا بیان کیا۔ حضرت اہل دل نے فرمایا کہ تمھیں یہ منظور ہے کہ اندھے ہو جاؤ اور دس ہزار درہم

اُنھوں نے انکار کیا۔ ان حضرت نے فرمایا کہ دس ہزار درم لو گونگے ہو جاؤ اُنھوں نے انکار کیا۔ پھر اُن حضرت نے فرمایا کہ دس ہزار درم کی عوض تم کو لنجا لولا ہونا منظور ہے اُنھوں نے کہا کہ نہیں پھر اُن حضرت نے کہا کہ دس ہزار درم کے عوض میں دیوانہ بننا منظور ہے اُنھوں نے کہا کہ نہیں پھر اُن حضرت نے فرمایا کہ تمکو اپنے آقا کی شکایت کرنے سے شرم نہیں آتی کہ باوجودیکہ پچاس ہزار درم کی مالیت اُس نے تم کو دی پھر شکایت کرتے ہو۔ غرض انسان کی طبیعتیں اسی طرف مائل ہیں کہ نعمت خاص ہی کو نعمت جانتے ہیں نہ عام کو۔ لیکن اگر بشر اپنے حال پر غور کرے تو وہ اپنے میں ایک نعمت یا چند نعمتیں ایسی ضرور پائے گا جو اُس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونگی اور اُن میں کوئی دوسرا شریک ہوگا۔ تین باتوں میں ہر کوئی اُس کا مُقر ہے اوّل عقل دوم خلق سوم علم عقل کے باب میں تو یہ مثل مشہور ہے۔ کہ ہر کس عقل خود را بکمال نماید۔ کوئی خدا کا بندہ ایسا نہیں جو اپنی عقل سے خوش نہ ہو۔ اور اپنے تئیں عقیل تر نہ سمجھتا ہو۔ یہ عقل ہی کو شرف ہے کہ جو اُس سے خالی ہے وہ بھی اُس سے خوش ہے۔ اور جو اُس سے متصف ہے وہ بھی۔ پس جب ہر کوئی اپنے اعتقاد کے موافق سب لوگوں سے زیادہ عقل رکھتا ہے تو واقع میں اگر ایسا ہے تو اُس پر شکر اس نعمت کا واجب ہے۔ خلق کا حال یہ ہے کہ کوئی بشر ایسا نہیں جو دوسرے شخص میں کچھ عیب ناپسند نہ کرتا ہو۔ اور بعض اخلاق دوسرے کے بُرے نہ جانتا ہو۔ دوسرے کی مذمت اس لئے کرتا ہے کہ اپنے تئیں اُن اخلاق سے بری جانتا ہے جب اپنے میں دوسرے کی بُرائی نہ جانتا ہو تو چاہئے کہ خدا کا شکر بھیجے کہ میری عادت اچھی بنائی ہے اور بُری عادت میں دوسروں کو مبتلا کیا۔ علم کا حال یہ ہے کہ کوئی بشر ایسا نہیں جو اپنے نفس کے امور باطن اور افکار خفیہ ایسے نہ رکھتا ہو جو خاص اُس میں ہوں اور اگر اُن پر ایک شخص بھی مطلع ہو جائے تو فضیحت ہو جائے۔ اور اگر سب لوگ اُس کی اِن باتوں پر واقف ہو جائیں تو معلوم نہیں کہ کیا صورت بنے غرض کہ ہر ایک بشر کو علم ایک امر خاص کا ہوتا ہے کہ اُس میں کوئی بندۂ خدا شریک نہیں ہوتا ایسی صورت میں وہ شخص حق تعالیٰ کی

پردہ پوشی کا شکر گزار کیوں نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ نے اُس کے عیوب پوشیدہ رکھے اور لوگوں کی نظر سے غائب رکھا اور اچھی بات کو ظاہر کیا۔ اور بُری بات کا علم سوا اُس کے کسی اور کو نہ ہونے دیا۔ یہ نعمتیں خاص ایسی ہیں جن کا اقرار ہر ایک شخص کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ زن و مرد و جوان و پیر عالم ہوس میں کور چشم ہو کر ہو رو گمس بن رہے ہیں۔ قضائے الٰہی پر صابر ہو کر شاکر نہیں بنتے۔ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ خدا نے ہم کو اتنی نعمتیں دی ہیں کہ اگر ہمارا ہر بال زبان بن جائے اور وہ ہزار جان بن کر شکر ادا کرے تو بھی نہ ادا ہو۔

(۳۵) خوف و رجا

اگر دل میں کسی چیز کے وجود کا خطرہ زمانہ آئندہ میں ہو اور یہی خطرہ دل پر چھا گیا ہو تو اُس کا نام انتظار اور توقع ہے۔ جس چیز کا انتظار ہے اگر وہ بری ہو کہ اس سے دل پر صدمہ ہو تو اُس کے انتظار کو خوف کہتے ہیں غرض خوف درد دل اور سوزش درونی کا نام ہے جو زمانہ آئندہ کے لئے بُری توقع کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ شئے محبوب ہو تو اُس کے ساتھ لگاؤ رہنے سے اور اُس کے سوچنے سے دل کو راحت اور لذت معلوم ہوتی ہو تو اس راحت حاصل کرنے کا نام رجا ہے اس سے معلوم ہوا کہ رجا کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز دل کو محبوب ہو اُس کے انتظار میں دل کا خوش ہونا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز محبوب ہو گی اُس کی توقع کرنے کا کوئی سبب بھی ہوگا۔ پس اگر اس جہت سے اس کا متوقع ہے کہ اُس کا اکثر سامان اپنے پاس موجود ہے تو ایسی توقع پر رجا کا کہنا درست ہے اگر اسباب بالکل ناقص ہوں یا ابتر اور بے کینڈے ہوں تو اُس صورت کی توقع کا نام غرور اور بے وقوفی رکھنا چاہیئے۔ اس پر رجا کا نام نہیں پھبتا۔ بہر حال رجا اور خوف ایسی اشیا پر بولتے ہیں جنکے ہونے میں تردد ہو اور جن کا وجود یقینی ہو وہاں رجا نہیں بولتے۔ مثلاً صبح میں آفتاب کے نکلنے کو رجا نہیں کہیں گے اور آفتاب کے شام کے غروب ہونے کو خوف نہیں کہیں گے۔ کیونکہ طلوع و غروب یقینی ہیں مگر یہ کہیں گے کہ مینہ برسنے کی رجا ہے اور خشکی کا خوف ہے۔ اگر کسی کسان نے زمین اچھی تلاش کر لی

اُس میں بیج بھی اچھی قسم کا بویا۔ گھاس اور کانٹوں سے بھی کھیت کو نلایا۔ پانی بھی وقت پر دیا۔ اور جو باتیں اُس کے اختیار میں کھیت کی حفاظت کی تھیں وہ کیں اور پھر اللہ کے فضل کا متوقع ہوا۔ کہ کھیتی کے تیار ہونے تک وہ ارضی و سماوی آفات سے محفوظ رکھ کر غلہ عنایت فرمائیگا تو اُس کی توقع کو رجا کہتے ہیں۔ اگر تخم کسی اونچی زمین میں ڈالا کہ جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا۔ اور بیج کی خبر نہ لی پھر منتظر کھیت کاٹنے کا ہوا تو اُس کے انتظار کو رجا نہ کہیں گے بلکہ بیوقوفی اور حمق بولیں گے۔ اگر تخم اچھی زمین میں بویا لیکن اُس میں پانی نہ تھا اور منتظر مینہ کا ایسے وقت میں کہ جس میں اکثر پانی نہیں برستا تو ایسے انتظار کا نام بھی رجا نہیں اُس کو تمنا کہتے ہیں انتظار بے سبب کا نام تمنا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجا صرف اُس صورت میں ہوتی ہے کہ محبوب چیز کا انتظار ہو اور جتنے اسباب کہ بندہ کے اختیار میں ہوں وہ سب ہو چکیں فقط وہی سبب باقی رہ جائے جو اُس کے اختیار میں نہ ہو۔ اور وہ فضل الٰہی کا شامل حال ہونا ہے جس کے سبب سے موانع اور آفات دور رہیں اسی طرح اگر تخم ایمان مزرعہ دل میں بووے اور اُس کو طاعات کے پانی سے سینچے اور اخلاق بد کے کانٹوں سے زمین دل کو صاف کرے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے منتظر ثبوت ایمان کا موت کے وقت تک اور متوقع حسن خاتمہ کا جو موجب مغفرت ہی ہے تو اُس کا انتظار رجاء حقیقی اور بذات خود عمدہ کہلائے گا اور یہ رجا اس بات کی باعث ہوگی کہ جن اسباب ایمان سے لوازم مغفرت کامل ہوتے ہیں اُن کے مرتے دم تک مواظبت کرے اور اگر تخم ایمان کی تو خبر نہ لی اور طاعات کا پانی بھی نہ دیا یا دل کو اخلاق رزیلہ سے بھر رکھا اور لذات دُنیا کی طلب میں ڈوبا رہا اور پھر مغفرت کا منتظر ہوا تو یہ انتظار حمق اور غرور ہے۔ غرض بڑی غلطی ہے کہ گناہ سے نادم نہ ہو اور معافی کی توقع رکھے عمل نیک کرے ثواب آرزو رکھے۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت ۔۔۔ دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

خوف کی حالت بھی تین چیزوں سے مرکب ہے۔ اول علم۔ دوم حال۔ سوم عمل علم سے وہ علم مقصود ہے

جس سے ادراک اس سبب کا ہو جو برائی پہنچاوے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی بادشاہ کا قصور کیا اور پھر اُس کے ہاتھ میں اسیر ہوا تو اُس کو اپنے مارے جانے کا ڈر ہوگا ہرچند معاف ہو جانا اور بھاگ جانا بھی ممکن ہے الا اُس کے دل کو خوف کا صدمہ اُسی قدر ہوگا جس قدر قتل کے اسباب قوی ہونگے۔ اور وہ اسباب یہ ہیں کہ اپنے قصور کا بڑا ہونا۔ بادشاہ کا بذات خاص کینہ ور اور غضبناک اور انتقام کش ہونا اور اُس پر ایسے لوگوں کا محیط ہونا جو انتقام پر آمادہ کریں اور کسی سفارش کا اُس کے باب میں مانع ہونا اور خود خائف کا تمام وسائل اور حسنات سے عاری ہونا جن سے اپنے قصور کا نشان صفحہ خاطر بادشاہ سے مٹا سکے پس ان اسباب کا جمع ہونا اور ان کا علم مجرم کو ہونا سبب قوت خوف اور شدت صدمہ دل کا ہے اور جتنے یہ اسباب ضعیف ہونگے اُتنا ہی خوف بھی کم ہوگا اور کبھی خوف ایک چیز کی خاصیت جاننے سے پیدا ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص درندے کے پنجے میں گرفتار ہو تو اُس کو درندے کا خوف اس جہت سے ہے کہ اُس کو درندگی کا وصف معلوم ہے گویہ وصف درندے کا اختیاری ہے۔ کبھی خوف اس سبب سے ہوتا ہے کہ ڈر کی چیز سرشت میں داخل ہوتی ہے۔ مثلاً آگ اور پانی کا خوف جن کی سرشت میں جلانا اور ڈبونا داخل ہے۔ غرض بڑے اسباب کا علم اس بات کا سبب ہوتا ہے کہ اس سے سوزش دل اور درد درونی اُٹھے اسی سوزش کا نام خوف ہے پس اسی طرح خدا کی صفات جاننے سے خوف الٰہی دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جتنا آدمی کو اپنے گناہوں کا اور خدا کی بزرگی کا علم ہوگا اُتنا ہی خوف پیدا ہوگا جب یہ علم ہوتا ہے تو خوف کی حالت طاری ہوتی ہے کبھی بدن لاغر ہو جاتا ہے کبھی رنگ زرد ہو جاتا ہے کبھی بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی رونا چیخنا۔ کبھی خوف کا صدمہ ایسا ہوتا ہے کہ پتا پھٹ جاتا ہے اور آدمی مر جاتا ہے ایسا خوف نہایت مفید ہوتا ہے۔ اور طبیعت کو گناہوں سے روکتا ہے اور طاعات کے لئے مفید ہوتا ہے جس سے تلافی تقصیر گذشتہ اور استعداد آئندہ حاصل ہو۔ جو خائف یہ عمل نہیں کرتا اسے خائف نہیں کہتے وہ خائف نہیں جو رو کر اپنی آنکھیں پونچھ ڈالے بلکہ خائف وہ ہے

کہ جس چیز میں خوفِ سزا جانے اُس کو چھوڑ دے +

(۳۶۶) حکیم ابو القاسم رح کا قول ہے کہ جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے اُس سے دور بھاگتا ہے مگر جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اُسی کی طرف بھاگتا ہے۔ ذوالنون مصری رح سے کسی نے پوچھا کہ بندہ خائف کیسا ہوتا ہے انھوں نے فرمایا کہ جیسا کہ کوئی اپنے تئیں مریض کی طرح بنا لے کہ زیادتی مرض کے خوف سے پرہیز کرتا ہے خوف کے اثر سے صفات میں شہوات کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ لذت کی ملکہ معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ جو گناہ محبوب تھے وہ بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ اعضا میں ادب آجاتا ہے اور دل میں انکسار و تشویش و مسکنت آتی ہے۔ کبر۔ حسد۔ اور حقد دور ہو جاتی ہے۔ بلکہ تمام ہمت اپنی ہی خوف میں صرف کرتا ہے اور اپنے انجام کار کا خطرہ مدنظر رکھتا ہے +

(۳۷) ریا

ریا مشتق رویت سے ہے جس کے معنی دیکھنے کے ہیں۔ ریا کے اصلی معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو اچھی خصلتیں دکھا کر اُن کے دلوں میں قدر و منزلت حاصل کرنی لیکن جاہ و منزلت کا دلوں میں حاصل ہونا سوائے عبادات کے اور اعمال سے بھی ہو سکتا ہے اور عبادات سے بھی لیکن بحکم عادت ریا خاص اسی صورت کا نام ہو گیا ہے جس میں دلوں کے اندر منزلت کی طلب عبادات کی جہت سے مقصود ہو۔ پس ریا کی تعریف یہ ہوئی کہ خدا کی طاعت سے مخلوق کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت کے پیدا کرنے کا ارادہ کرنا۔ اب یہاں چار چیزیں ہیں ایک ریا کرنے والا وہ تو عابد ہے ایک جس کے لئے ریا کیا جائے۔ وہ آدمی ہیں کہ اُن کو دکھلانا منظور ہے۔ اور اُن کے دلوں میں منزلت مطلوب اور ایک جس چیز کو دکھلانا منظور ہے وہ خصلتیں ہیں جو ریا کار ظاہر کرنا چاہتا ہے اور ایک خود ریا ہے یعنی اُن خصائل کے اظہار کا قصد۔ جن چیزوں میں کہ ریا کو دخل ہے وہ پانچ قسم ہیں۔ یعنی آدمی لوگوں میں نمود پانچ چیزوں میں کر سکتا ہے بدن۔ ہیئت۔ قول۔ عمل۔ ساتھ کے لوگ اور اشیاء خارجی۔ دنیا دار بھی انھیں پانچ قسموں میں نمود کرتے ہیں۔ مگر اُن کا ریا خفیف ہے۔ دین میں ریا کاری کی برابر کوئی بُرائی نہیں + ریا کی دو قسمیں ہیں

ایک جلی ایک خفی۔ جلی وہ ہے کہ جو آدمی کو باعث عمل کا ہو گو قصد ثواب نہ ہو۔ ریاکار خود جانتا ہے کہ میں نے ریا کیا۔ ریاء خفی یہ ہے کہ اپنے عمل پر آدمیوں کے مطلع ہونے سے خوش ہو مثلاً بہت سے عابد ایسے ہیں کہ عمل میں اخلاص کرتے ہیں۔ لیکن جب اس عمل پر لوگ مطلع ہوتے ہیں تو اُن کو سرور اور راحت معلوم ہوتی ہے۔ اور دل پر سے عبادت کا بوجھ فی الحقیقت اُتر جاتا ہے تو یہ سرور ریاء خفی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اگر دل کا التفات لوگوں کی طرف نہ ہوتا تو اُن کے مطلع ہونے پر سرور ہرگز نہ آتا۔ تو معلوم ہوا کہ جیسے آگ پتھر میں پوشیدہ رہتی ہے اسی طرح یہ ریا بھی دل میں پوشیدہ تھا کہ لوگوں کی اطلاع بمنزلہ چقماق ہو گئی کہ اُس میں سے فرحت و سرور کا اثر ظاہر کر دیا۔ انسان کا ریا سے خالی ہونا بڑا دشوار ہے۔ کچھ نہ کچھ اس کی عادت بچپنے سے پڑتی ہے۔ بڑی مشکل سے وہ دور ہو سکتا ہے۔ ریا کی اصل تین چیزیں ہیں اول تعریف کی لذت سے محبت۔ دوم مذمت کی رنج سے نفرت۔ سوم طمع لوگوں کے قبضہ کی عبادت کا اظہار ان چیزوں کے لئے تو معیوب ہے۔ مگر ہاں اس نظر سے ہو کہ لوگ پیروی کریں تو برا نہیں آدمی کو چاہئے کہ ظاہر و باطن کو یکساں رکھے۔ ایک ریا تو اپنی خوبیوں کے اظہار میں ہوتا ہے۔ دوسرا ریا اپنے گناہوں کے چھپانے میں ہوتا ہے۔ یوں تو ہر انسان اپنے دل و اعضاء ظاہری سے گناہ کر کے چھپاتا ہے اور لوگوں کا اُن پر مطلع ہونا برا جانتا ہے۔ یہ کچھ برا بھی نہیں کہ آدمی اپنے ہم جنس سے اپنے گناہ کو چھپائے۔ کیونکہ جب آدمی سخت بے حیا ہو جاتا ہے تو اس کو اپنے گناہوں کے ظاہر ہونے کی پروا نہیں رہتی۔ مگر ریاکار اپنے عیبوں کو اس لئے چھپاتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ وہ اپنے تقوے کی تعریف چاہتا ہے اور اُس کا غم کرتا ہے کہ لوگ میرے متقی ہونے کی تعریف کیوں نہیں کرتے یہ امر نہایت مذموم ہے*

(۳۸) جیسا ریا ہے ویسا ہی سمعت ہے یعنی بندہ اس سبب سے طاعت خداوندی کرے کہ اس کا آوازہ لوگ سنیں اور تعریف کریں جس سے اُس کو دنیاوی فائدے حاصل ہوں

آدمی خوب سمجھ لے کہ آراستگی ظاہر کردار اور پاکیزگی جبہ و دستار روز شمار کو کچھ کام نہیں آئے گی جب تک کہ طاعت خالص نہ ہوگی۔ جو لوگ انواع طاعات میں سعی بہت کرتے ہیں اور رات دن کوئی دقیقہ قیام و صیام میں نہیں چھوڑتے ہیں اور کیسہ جان کو نقود طاعات سے پر کرتے ہیں اور اُس کو متاع نجات جانتے ہیں ناگاہ طرار دنیا و دین سمت دریا کی کمند اُن کے اعمال کے گھر میں ڈال کر ان کی حیات کے نقود کو چرا کر لے جائے گا۔ جو لوگ اعمال حسنہ سے تحصیل دنیا غرض رکھتے ہیں اُن کا صلہ فقط یہی ہے کہ دنیاوی مرادیں اُن کی حاصل ہوجائیں اور اُن کے کاموں کا ثواب دنیا میں مل جائے۔ خدا کی بندگی کا حال بیج کا سا ہے جب خاک کے اندر پنہاں ہوتا ہے تو اُگتا ہے اور جو خاک سے باہر ہوتا ہے وہ نہیں اُگتا یعنی جب بندگی مخفی ہوتی ہے وہ مثمر ثواب اور نتیجہ رستگاری ہوتی ہے اور جو ظاہر ہوتی ہے وہ ضائع اور باطل ہوتی ہے +

(۳۹) قلب و حفظ قلب

خانۂ دل کی کنجی ہنر میں نہیں ہے بلکہ جد و حقیقت بین ہے۔ اگر دل باطل خیالات سے نہ پاک ہو تو پھر اُس سے کوئی کام نہیں نکلتا۔ وہ دل کہ شراب و بیانہ خواب کے اسباب میں مصروف رہتا ہے وہ غافل و بدرگ ہے اور جس کا دل ایسا ہو اُس میں ایک دیوانہ کتا بیٹھا ہے۔ اُسکی طبیعت و خوخصلتی کی سی ہے کہ استخوان اپنے آگے رکھتا ہے۔ ایسے کُتّے کو بڑے عذاب دے کر مارنا چاہئے۔ دل میں نور پیدا کرنا چاہئے کہ نار سے بچاؤ ہو اور خدا کے آگے خوار نہ ہو۔ منزل دل میں زر و رتن کام نہیں آتا۔ اِس سے سوا درد دل کچھ اور نہیں حاصل ہوتا۔ باطن کا نام دل ہے۔ وہ ظاہر سے باہر ہے جیسے دماغ میں مغز اور تخم کتان اور فتیلہ میں نور چراغ رہتا ہے اسی طرح دل میں دین رہتا ہے۔ جو دل نفس امارہ پر غالب ہوا وہ سردار و سردار ہوا۔ وہ دل دل ہی نہیں ہے کہ عُقبےٰ کو تھوڑی دنیا کے لئے فروخت کرے اور حرص و آز میں گرفتار ہو۔ دل آب و گل سے نہیں بنتا جس دل میں حرص و ہوس بھری ہو

وہ علم ایزدی سے بے بہرہ ہو۔ بلکہ ایک پارہ گوشت گندہ ہو جب دل بد ہو جاتا ہے تو سلطنت بدن تباہ ہو جاتی ہے ضعیف شاہ سے لشکر ہمیشہ ضعیف ہو جاتا ہے۔ انسان کا جسم ستم نہیں کرتا بلکہ دل کا کینہ ظلم کرتا ہے۔ ایسا دل گرگ و سگ سے زیادہ سفلہ ہوتا ہے جیسا کہ سگ درندہ و گرگ درندہ ہوتا ہے ایسا سفلہ مکر و خوشامد کا بندہ ہوتا ہے +

(۴۰) دل کو جھوٹی امیدوں کے الم میں نہ ڈال بلکہ ایسا تابع بنا جیسا کہ تیرے ہاتھ میں قلم ہے اگر اُس کو راہِ خدا میں نہ چلائے گا تو وہ زنگی کی طرح سیاہ ہو جائے گا جس کو مغز دل نہیں حاصل وہ دل میں دین نہیں رکھتا۔ تو نے پارۂ گوشت کا نام دل رکھ چھوڑا ہے جس سے دل خجل ہوا جاتا ہے۔ تو دل سے غافل و بے خبر ہے۔ دل اور ہے تو اور ہو رہا ہے دل کے پر و بال خرد سے ہوتے ہیں۔ تن بے دل کے مٹی کا بورہ ہے جب درخت خرما کا دل کاٹ ڈالو تو وہ خشک بے برگ میں کھڑا رہتا ہے۔ ایسے ہی انسان کے دل کی حقیقت ہے۔ کہ وہی انسان کا باطن ہے وہ باطل ہو جائے تو پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔ دل میں دین اور دماغ میں عقل ہوتی ہے۔ دین روزنِ عقل چراغ ہے۔ روزن کے لئے تو آفتاب انجم سوز چاہیئے وہ چراغ سے روشن نہیں ہو سکتا۔ دل منظر ربانی ہوتا ہے یہ حجرہ دیواری نہیں ہوتا جو دل اس جہان کے ساتھ خوش بن رہا ہے وہ دل نہیں ہے بلکہ پارۂ پوست ہے۔ جاہلوں نے شکل صنوبری کا نام دل رکھ چھوڑا ہے۔ اس کا نام دل مجازاً ہے اُس کو کتوں کے آگے ڈال دے۔ دل وہ ہے جس کو عقل پر بھی مہتری ہے۔ نہ اُس کی شکل صنوبری ہے +

(۴۱) دل حسمت بہم سے قوی نہیں ہوتا۔ بلکہ تسلیم کی معجون مفرح سے قوی ہوتا ہے اولیا یہی معجون مفرح شفاخانۂ رضا میں بناتے ہیں۔ یہاں دنیا میں آدمی مٹی کھاتے ہیں جس سے زرد روئی حاصل ہوتی ہے۔ سرخ روئی نہیں ہوتی۔ اس دنیا کے نان و جامہ سپید سے سیاہی دل زیادہ ہوتی ہے۔ جامہ نرم سے تیرہ دل سخت ہوتا ہے۔

خورشِ خوش تیری شرم کھوتی ہے۔ پوست کی خوبی پر مغرور نہ ہو۔ بہتیرے دلق پوش تجھسے زیادہ خوش ہیں۔ خوش خوئی کچھ کلاہ و دیبا پر موقوف نہیں ہے جس دل میں غم کا گھر ہے وہ دل نہیں خانۂ خون ہے۔ جب احمق کا دل حرص زیادہ کرتا ہے وہ زیادہ ڈھونڈتا ہے اور کم پاتا ہے۔ تجھکو اپنے دل کی تقویت خدا کی راہ سے کرنی چاہیئے۔

(۴۲) طہارت

طہارت کے معنی ستھرائی کے ہیں۔ اب ستھرائی دو طرح کی ہے ایک یہ کہ ظاہر بدن کو نجاست و فضلول و غلاظت سے پانی بہا کر صاف و شستہ کریں جس سے ظاہری ستھرائی ہو جائے۔ اِس ستھرائی سے یہ فائدے ہیں کہ صورت پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ صحت کی بھی معاون ہوتی ہے۔ دوسری ستھرائی یہ ہے کہ باطن کو ظاہر کرے پلیدیوں اور نجاستوں سے یعنی اخلاق بد اور خصائل ناپسندیدہ سے باطن بھر رہا ہے اگر پاک کرے۔ جب تک دل اخلاق بد اور عقائد فاسد سے بھرا رہے گا پاک نہ ہوگا۔ اس میں اخلاق حمیدہ کو جگہہ نہیں ملے گی۔ اس لئے ہر مذہب میں طہارِ باطنی عبادت کے لئے ایک امر اہم قرار پایا ہے۔ اور ظاہری طہارت کو باطنی طہارت کی تمہید بنایا ہے۔ اس ظاہری طہارت کو عبادت سمجھنا جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں غلط ہے۔ وہ طہارت کا ادنیٰ درجہ ہے اوپر کے درجہ کو آدمی جبتک نہیں پہونچتا جب تک کہ ادنیٰ درجہ کو نہیں پہونچے۔ جو شخص ہاتھ مُنہ کی میل کچیل کو دھو کر صاف نہیں رکھہ سکتا وہ کیسے باطن کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کر کے صفات محمودہ سے معمور کرے گا۔ یہ ظاہری اعضا کی طہارت باطن کی طہارت کے سکھانے کی ابتدا ہے۔ جو کوئی اس ابتدا ہی میں رہ گیا وہ انتہا پر نہیں پہونچا۔ جس قدر مقصود عزیز و شریف ہوتا ہے اُس قدر اُس کا طریق اور مسلک مشکل اور طویل ہوتا ہے اور اُس میں گھاٹیاں بہت ہوتی ہیں یہ خیال کرنا نہیں چاہیئے کہ یہ باتیں آرزو سے حاصل ہو جاتی ہیں اور بدون کوشش سہل الوصول ہوتی ہیں ہاں جب شخص کی چشم دل

اندھی ہوتی ہے وہ طہارت صرف ظاہر کی طہارت کو سمجھتا ہے جس کو طہارت باطنی سے وہ نسبت ہے جو پوست کو مغز سے۔ غرض آدمی کو چاہیئے کہ اپنی تمام ہمت اور فکر دل کے پاک کرنے میں مشغول کرے۔ اور ظاہری طہارت بقدر حاجت کرے۔ زائد از حاجت سے کچھہ فائدہ نہیں بلکہ جوہر نفیس یعنی عمر کا جس سے اور عمدہ فوائد لے سکتے ہیں اکارت کرتا ہے۔ نجاست ظاہری کے دور کرنے میں تین باتیں ہوتی ہیں۔ ایک جس چیز کو دور کریں اور ایک جس چیز سے دور کریں۔ اور ایک جس طریق سے دور کریں اس پر تو ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ پانی سے نجاست کو دور کرتے ہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ کون کونسی چیزیں نجس ہیں جنہیں پاک کرتے ہیں اور کن طریقوں سے وہ دور ہوسکتی ہیں ؛

(۴۳) تقلید

تقلید میں اپنے حال سے بے خبری اور اوروں کے حال پر توجہ کرنی ہوتی ہے۔ دل پر اوروں کے پرتو پڑنے سے تقلید پیدا ہوتی ہے جب وہ پرتو بیا پے پڑتا ہے تو مقلد اسکو تحقیق جانتا ہے جب دل پر نقش تقلید جم جاتا ہے تو ہر نیکی پر آفت آجاتی ہے۔ تقلید خواہ کوہ کی طرح قوی ہو تو بھی کاہ کی طرح بے حقیقت ہے۔ اندھا خواہ کیسا ہی فربہ اور تیز خشم ہو مگر بغیر آنکھوں کے گوشت کا لوتھڑا ہی ہوتا ہے۔ یہی حال عقلا کا ہے خواہ بال سے زیادہ باریک باتیں وہ کہے مگر اس کے دماغ کو ان سے خبر نہیں ہوتی۔ مگر ہاں وہ اپنی باتوں سے آپ ہی مست ہوتا ہے اس کا حال ندی کا سا ہوتا ہے کہ خود تو پانی نہیں پیتی مگر اوروں کو پلاتی ہے اس میں جو پانی جاری رہتا ہے اور قرار نہیں پکڑتا تو اس کا سبب یہی ہے کہ وہ پیاسی اور آب جو نہیں ہے۔ نے کی طرح وہ نالہ زار کرتا ہے مگر سب بیکار۔ مقلد و محقق میں بڑا فرق ہے۔ ایک لحن داؤدی ہے دوسری صدا ہے۔ مقلد کینہ آموزی کرتا ہے محقق کی گفتار دل میں سوز پیدا کرتی ہے مقلد کا حال ایسا ہے جیسے کہ بیل یا چھکڑے پر بوجھ کا۔ مقلد کو بھی اپنی نوحہ گری کی مزد ملجاتی ہے۔ وہ حدیث کو نوحہ گر ہوتا ہے مگر سوا طمع کے اس خبیث کی

کچھ اور غرض نہیں ہوتی۔ مومن و کافر خدا کہتے ہیں مگر اُن میں فرق بہت ہوتا ہے۔ گدا
جو خدا خدا کرتا ہے صرف نان کے لئے ہے۔ متقی جو خدا کہتا ہے وہ جان کے واسطے۔ یہ
نان خواہ برسوں خدا خدا کرتا ہے جیسا گدھا گھاس کے لئے مصحف کا بوجھ اُٹھاتا ہے
ایک حکایت تہدید کے لئے لکھتے ہیں جس سے تقلید کی آفت معلوم ہو۔ ایک صوفی خانقاہ
میں اُترا اُس نے اپنے گدھے کو خوب دانہ گھاس کھلا کے احتیاط سے باندھ دیا۔ وہاں
خانقاہ میں ایک صوفیوں کا گروہ اُترا ہوا تھا۔ انھوں نے اُس گدھے کو لے جا کر بیچ ڈالا۔
اور اُس کی قیمت سے کھانا خرید کے لائے اور شمع روشن کی۔ اور مجلس سماع خوب جمائی۔
پھر اُس صوفی کو بلایا۔ کوئی اُس کے پاؤں پر گرتا تھا۔ کوئی ہاتھ چومتا تھا۔ کوئی اُس کے
چہرہ پر سے گرد جھاڑتا تھا۔ کوئی اُس کو صدر مقام پر بٹھاتا تھا۔ پھر سب نے کھانا کھایا۔
پھر بعدہ سماع شروع ہوا۔ مطرب نے آخر میں یہ گانا شروع کیا۔ خر برفت و خر برفت و خر برفت
تقلید کر کے اُس صوفی نے بھی یہ کہنا شروع کیا کہ خر برفت و خر برفت و خر برفت
پس جب مجلس ختم ہوئی۔ خانقاہ خالی ہوئی۔ صوفی اپنا اسباب حجرہ سے نکال کر آمادہ سفر
ہوا۔ آخر خر کے پاس گیا تو وہاں اُس کو نہ پایا۔ آدمی کو تلاش کیا تو لوگوں نے کہا کہ
وہ گدھے کو پانی پلانے گیا ہے۔ کل گدھے نے کم پانی پیا تھا۔ جب نوکر آیا تو صوفی نے
پوچھا کہ گدھا کہاں ہے۔ اُس نے کہا کہ میں کیا جانوں۔ غرض لڑائی شروع ہوئی۔ صوفی
نے کہا کہ گدھا میں نے تیرے سپرد کیا تھا۔ جو چیز میں نے تجھ کو دی تھی وہ میں تجھ سے
لوں گا۔ نہیں قاضی پاس پکڑ لے جاؤں گا۔ اُس نے کہا کہ صوفیوں نے مجھ پر حملہ کیا
وہ قوی تھے مجھے جان کا خوف ہوا۔ کہ صوفی مجھ سے زبردستی چھین کر لے گئے۔ صوفی
نے کہا کہ مجھے تم نے اُس کی خبر کیوں نہیں کی میں اپنا گدھا اُس سے واپس لیتا جو لے گیا تھا
اب سب چلے گئے تو یہ کہتا ہے۔ پہلے تو علاج تھے اب کوئی نہیں معلوم نہیں لوگ کدھر گئے
اُس نوکر نے کہا کہ واللہ میں بار بار اس بات کے کہنے کے لئے آیا۔ مگر آپ کی زبان سے جب سنا تو یہ

سُنا کہ خر برفت و خر برفت۔ تو میں اُلٹا یہ جان کر چلا گیا کہ آپ کو معلوم ہے۔ تو صوفی نے کہا کہ وہ سب اِن الفاظ کو خوب طرح سے کہتے تھے۔ مجھے بھی اِس میں لذت آئی میں بھی تقلیداً کہنے لگا۔ ایسی تقلید پر دو سو لعنت ہے۔

(۴۴) انسان کی سیرت ستودہ

جس انسان کی نیک سیرت نہیں وہ انسان نہیں۔ جس کا مزاج سرتا پا زور ہے وہ آدمیت سے دور ہے۔ آدمی کا نیک رو ہونا نیکی نہیں ہے بلکہ خوئے نیکو اُس کی نکوئی ہے جس آدمی کا باطن تیرہ اور ظاہر اچھا ہو وہ ایسا ہے جیسے کہ دیبا کا استر کمبل ہو۔ جیسے کہ زنگی کا روئے سیاہ کوڑھی کے روئے سفید سے اچھا ہوتا ہے ایسا ہی وہ شخص اچھا ہوتا ہے جو ظاہر میں عیب رکھتا ہے اور باطن میں خوئے نکو۔ بعض آدمی شراب کی طرح تلخ ہوتے ہیں مگر اُن میں صفائی اپنا مُنہ دکھاتی ہے۔ بعض آدمی بدخو نیک رو ہوتے ہیں اُن کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کہ بدخط کاغذ منقش سے لکھا ہوا۔ نیک خوئی سے ہلیلہ باوجود سخت و ترش ہونے کے روشنی چشم کا باعث ہوتی ہے۔ بدخو میں خشم و جفا جو خانہ خیز ہوتے ہیں کرم و لطف کا نام نہیں ہوتا۔ اس کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کہ پرانی قبر کا کہ اُس کے دیکھنے سے آدمی کا دل گھبراتا ہے اور اُس پر جو پھول چڑھاتا ہے تو اُس سے کانٹا پیدا ہوتا ہے۔ جو بزرگ بزرگی رکھتے ہیں وہ چھوٹوں کی گرمی کو ہیچ پر رکھتے ہیں۔ اُن کا حال دریا کا سا ہوتا ہے کہ اُس کے سینہ پر غبار نہیں ہوتا خواہ باران اُس پر کیسی ہی سنگساری کرے وہ سمندر کی سی سمائی رکھتے ہیں۔ کوئی غلاظت اُن کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ خوئے نیک خدا کا نور چمکتا ہے۔ وہ بالوں کی طرح اپنی خوشبو سے سپید ہوتی ہے۔ کمینوں کا بزرگوں کو آزار پہنچانا ایسا ہے جیسے کہ بھیڑ کا بھیڑیے کی دُم کا پکڑنا یا خس و خاشاک پر شمع و چراغ کا رکھنا۔ کمینے دفعۃً دولت پانے سے بزرگ نہیں ہو جاتے بلکہ اُن کا حال اُس شعلہ کا سا ہوتا ہے کہ دفعۃً اٹھتا ہے اور جلد بجھ جاتا ہے۔ یا چیونٹیوں کا سا ہوتا ہے

کہ پر نکلتے ہی عدم کی طرف پرواز کرتی ہیں۔ جو کج طبع ہیں اُن کا حال دائرہ کا سا ہے کہ وہ بغیر کج روشی کے رہ نہیں سکتی۔ جس کی خلقت میں سیہ روئی ہو وہ اُبٹنے اور غازہ سے سُرخ نہیں ہو سکتا۔ زنگی کا چہرہ جو سیاہ ہوتا ہے وہ کیا شنگرف سے سُرخ ہو سکتا ہے سانپ خواہ کنگرہ پر ہو یا چاہ میں وہی اُس کی صورت رسی کی سی ہے۔ اسی طرح کج خلق خواہ کسی حال میں ہو بدکاری سے باز نہیں رہتا۔ شیر جو شکار کی آفت جان ہے اُس کے دست و پا سے تیغ و خنجر ہیں۔ ایسے بدکار کے دست و پا لوگوں کے لئے ایک آفت ہیں۔ پس جب بدی دل کے اندر بیٹھ جاتی ہے تو وہ بدی ہی خود خیال میں نیک نظر آتی ہے جو گرگ کہ میش کا خون پیتا ہے وہ میش کے دل کے رنج کو نہیں جانتا۔ نقب زن اپنی کاوش پر فخر کرتا ہے جواری اپنے داؤ پر۔ جیسے کہ بوم سایہ مبارک نہیں رکھتا۔ ایسے شوم ہمیشہ مبارک نہیں کرتا۔ بدجو سیرت زیبا رکھ ہی نہیں سکتا۔ ملک الموت مسیحا بن ہی نہیں سکتا۔ سیہ رو کبھی سرخ رو ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر ہاں اُس کا پوست اُتارا جائے تو وہ سرخ ہو جائے۔ جو ہنرور ہوتے ہیں وہ اپنے مقدور کے موافق دوسرے کا کام کرتے استاد پیر تپ زدوں کی نبض ہاتھ میں لیکر دستگیری کرتے ہیں۔ اِس دنیا میں تو اوروں کے لئے نفع ڈھونڈ اگر تیرا نفس منع کرے تو اُس کو منع کر۔ ہر تن میں خلق نیک کچھ ضرور ہوتا ہے لیکن نفس سرکش استکارہ زن ہوتا ہے۔ اگر صندل کے درخت کو سانپ نہ گھیرتا تو وہ ہر جگہ پہنچتا اسی طرح انسان اپنے خوش خلقی سے فائدہ پہنچاتا اگر اِس کا نفس امارہ نہ بہکاتا۔ سیر ہونے سے کتے کا جوش جاتا رہتا ہے۔ مگر مرد آسودہ اور فتنہ گر ہو جاتا ہے۔ زر کا محک پتھر ہے اور آدمی کا محک زر ہے۔ جو بلند ہمت ہیں وہ زمانہ کی آفات خود اُٹھاتے ہیں مگر اوروں کو منفعت پہنچاتے ہیں اِن کا حال موتی کا سا ہوتا ہے کہ گھٹنے پسنے پر بھی وہ بیکار نہیں ہوتا سرمہ چشم بنتا ہے۔ ناکس اگر باغ میں بھی ہو تو اُس کا مال مردار بن کر دماغ کو پراگندہ کرتا ہے۔ جن آدمیوں میں ہنر سیکڑوں ہوا کرتے ہیں

اگر ان کو سرزنش کرو تو وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔ مگر جو جرم زدگی سے موچھوں پر تاؤ دیتے ہیں وہ کبھی شرم و حیا کے پاس نہیں آتے۔ مسخرے بنتے ہیں اور دھپے کھاتے ہیں اس سے وہ کبھی بلند مرتبہ نہیں ہو سکتے۔ سگ کوے نشین ہونے سے شیر نہیں بن سکتا۔ جیسے چھلنی سیکڑوں چھیدوں کے ہونے سے بیکار نہیں ہوتی۔ اور لگن ایک چھید کے ہونے سے بیکار ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بدکار اپنے تئیں بیکار سیکڑوں عیبوں سے نہیں جانتے۔ اور نیکوکار اپنے میں ایک عیب کو دیکھتے ہیں تو اپنے تئیں بیکار جانتے ہیں۔ اگر ہنرور کو بے ہنروں سے پالا پڑتا ہے تو حسرت و افسوس نہیں کھاتا ہے کیونکہ وہ کھانے کی چیزیں نہیں ان کے کھانے سے اور زیادہ گرسنگی ہوتی ہے۔ نیک آدمی حاسد کی سزا کے در پے نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حسد ہی اس کی سزا ہے +

(۴۵) نصیحت فرزند

اے فرزند تو ابتدائے عمر میں ہنر کو سیکھ وہ تجھے گنج و زر ہی نہیں دے گا بلکہ تیرے دل و جان سے رنج لے جائے گا۔ یہ خوب جان لو کہ سب کے نصیب میں ہنر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ خاص زندہ دلوں کا حصّہ ہے۔ جب ہنر آموزی شروع کرے تو سب سے پہلے ادب سیکھ۔ اول قرآن شریف کسی ایسے اُستاد سے پڑھ کہ وہ ادیب بھی ہو۔ قرأت میں کامل ہو۔ الفاظ میں وہ حسنِ ادا رکھتا ہو جس سے دل کو راحت ہو۔ قرآن شریف میں سے جو کچھ ہو سکے یاد کر۔ پھر تحصیل علوم کی طرف متوجہ ہو۔ ہر فن میں سے کچھ مختصر یاد کر۔ ہر گلشن کے پھولوں کی خوشبو سونگھ۔ جو سبق پیش نظر ہو جب تک وہ سمجھ میں نہ آئے نظر سے دور نہ ہو۔ علم کے ہزاروں طریقے ہیں۔ کسی کے اندر حد سے پرے نہیں جانا چاہئیے۔ عمر تھوڑی ہے فضل اور ادب بہت ہیں ان میں سے جس کی تجھے ضرورت ہو وہ سیکھ۔ جہان کی کدورتوں سے آزاد ہو کر اُستاد عاقل کے دروازہ کے سوا کہیں اور قدم نہ رکھ۔ اسی کی باتوں سے تجھے ادراک ہو گا تیرا خلق اسی کی صحبت سے پاک ہو گا۔ اگر اُستاد سفیہ ہو گا تو اس کے طبع تیری خوئے تباہ

پیدا کرے گی۔ تجھے خط سے بھی حظ اٹھانا چاہیے۔ جو خط کہ حسن سے خالی ہے وہ کاغذ
کی روسیاہی ہے حظ نہیں ہے۔ ایسا لکھو کہ لکھنے والے سے زیادہ آسانی سے پڑھنے والا
اُسے پڑھے۔ قلم بھی انسان کے ہاتھ میں رزق کی عجیب کنجی ہے۔ مگر قلم کی طرح تم خط میں
ایسے معروف نہ ہو کہ سوا خط کے کوئی اور ہنر تم میں نہ ہو۔ شعر و سخن میں اگر زبان خاموش
رکھو تو بہتر ہے۔ اگر وہ بحر بھی ہو تو اُس سے لب تر نہ کرو اگر وہ کان بھی ہو تو اُس سے
گوہر نہ طلب کرو۔ وہ تمہارے ہر ہنر کا کیسہ خالی کر دیں گے۔ جوانی میں ہمدردی سیکھو
اور مردمی اور جوانمردی میں کوشش کرو۔ آدمی کا کام بجز بارکشی کے نہیں ہے۔
ان میں کوئی منزل پیری پر پہنچتا ہے۔ جب اِس منزل میں آؤ تو درویشوں کی خدمت
میں دوڑنا چاہیے۔ کھل ہمیش ان سے تلاش کرنا چاہیے۔ صحبتِ ناخوش سے پرہیز
چاہیے۔ بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔ خود ہی سامع اور سائل اپنا بن۔ خدا سے ہر
حال میں ڈرتا رہ۔ واعظ و ناصح سے ایسی باتیں سیکھ کہ جو راہِ خدا میں تیرے قدموں میں
قوت دے۔ اور کاہلی و غفلت تیرے عبادت سے دور ہو۔ نکاتِ حکمت تجھے معلوم ہوں

(۴۶) ادب

ادب کے معنی ہر ریاضت محمودہ کے اور ہر کوشش و سعی کی ہیں جس سے کسبِ فضیلت ہو۔ ہر چیز کی
حد کی نگہداشت کو اور ہر فعل محمود کی تعظیم کو بھی ادب کہتے ہیں۔ تو اپنے نفس کو وہ ادب
سکھا کہ بے ادب اُسے دیکھ کر باادب ہو جائیں۔ جو ادب سکھانے کا ذوق رکھتا ہے وہ
بے ادبوں کو اپنا ہی سا بنا لیتا ہے۔ جیسے آہوئے وحشی جو گھر میں دانہ کھاتا ہے وہ
اور آہوؤں کو پکڑ لاتا ہے۔ جو اپنے اخلاق کی بنیاد ادب پر رکھتا ہے اُس کا فکر
استاد ہو جاتا ہے۔ بزرگی کی جڑ ادب سے مستحکم ہوتی ہے۔ تو لالہ و گل کی طرح تھوڑا سا
خندہ کر کہ سب کو مطبوع ہو نہ یہ کہ ایسے قہقہے لگائے کہ سب کو بیہودہ معلوم ہوں۔ بے
جسکو مزاح کہتے ہیں وہ خردمندوں کے نزدیک نبرد و سلاح ہے۔ اگر تمہاری ڈاڑھی

کوّوں کے پروں کی سیاہ ہو تو بلبلوں کی موچھوں کی ہنسی نہ اُڑاو۔ اگر تم سمن عارض اور گلعذار ہو تو زنگی کے سامنے آئینہ رکھ کر نہ چھیڑو۔ کیونکہ کوئی زشت دنیا میں بے مصلحت نہیں ہوتا۔ ایک چینی جسکا رنگ سرخ و سفید تھا ایک زنگی پر ہنسا تو زنگی نے جواب دیا کہ میرا ایک نقطہ تیرے چہرہ کے لیے زیب ہے اور تیرا ایک نقطہ میرے لئے ایک عیب ہے۔ تجھے چاہیئے کہ جو تیرا عیب بین ہو تو اُس کا ہنر دیکھ جو تجھے زہر دے اُس کو نبات دے جو تجھے مارے اُسے آب حیات پلا تا کہ تیری عقل سلامت پسند ہو اور تیرے نام کا خطبہ اخلاق میں بآواز بلند پڑھا جائے۔ خدا سے توفیق ادب کی دعا مانگ بغیر ادب کے لطف رب سے آدمی محروم رہتا ہے۔ بے ادب اپنے ہی لئے برا نہیں ہوتا۔ بلکہ اوروں کے لئے بھی۔ ادب انسان کو معصوم بناتا ہے۔ گستاخی اور بے باکی غموں کا ہجوم لاتی ہیں

(۴۷) آداب طعام

انسان کے لئے بدن کی سلامتی ضرور چاہیئے اور بدن کی سلامتی غذا پر موقوف ہے کہ بھوک کے وقت بقدر حاجت کھانا مل جائے۔ کھانے ہی سے آدمی سب کام دنیا و دین کے کر سکتا ہے اسی سے اس کی عقل ٹھکانے سے رہتی ہے۔ اب اس کھانے کی چار صورتیں ہیں۔ اول آدمی تنہا کھائے۔ دوم اپنے اہل و عیال کے ساتھ۔ سوم ملنے والے دوست آشناؤں کے ساتھ۔ چہارم تقریبوں کی دعوتیں۔ سب صورتوں میں مقدم بات یہ ہے کہ حلال کمائی سے کھانا پیدا کیا ہو۔ اب کھانے کے مختلف طریقے ہیں۔ کوئی دسترخوان پر بیٹھ کر ہاتھ سے کھاتا ہے کوئی میز پر بیٹھ کر کانٹے چھری سے کھاتا ہے۔ کوئی کھانے کا طریقہ قابل اعتراض نہیں ہے دستور و رواج پر موقوف ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ جو روکھی سوکھی بری بھلی غذا خدا دے اسے خوشی سے کھائے ناک بھوں نہ چڑھائے۔ اُس کی مذمت نہ کرے۔ اچھے کھانے والے کے معنی یہی ہیں کہ وہ سب چیزوں کو خوشی سے کھائے۔ آدمی کو اس میں کوشش کرنی چاہیئے کہ میرے دسترخوان پر بہت سے ہاتھ ہوں۔ یعنے سب بیوی بال بچے ساتھ کھائیں۔ جب کھانا سامنے آئے تو جو شخص کہ بڑی عمر یا کسی کثرت فضیلت کے سبب تقدیم کا مستحق ہو پہلے بسم اللہ کہکر

کھانا شروع کرے۔ کھانے میں عمدہ عمدہ لطائف اور ظرائف کی باتیں ہوتی جائیں۔ کھانے میں دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینی چاہیئے۔ مزہ دار کھانے کو یہ نہ چاہیئے کہ میں ہی کھا جاؤں بلکہ یہ چاہیے کہ اوروں کو کھلاؤں۔ یہ اصرار نہ کرے کہ دوسرے کو قسمیں دے دے کر کھلائے جب مجمع کا کھانا ہو تو وہاں کوئی حرکت ایسی نہیں کرنی چاہیئے جو دوسرے کو ناگوار ہو۔ مثلاً تھوکنا یا انگلیوں کو چاٹنا۔ جب تک آدمی کسی کے ساتھ کھانے کو نہ بیٹھے کہ اس کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ مجھے خوشی سے کھلاتا ہے۔ کسی کے ہاں اُس کے کھانے کا وقت تاک کر جانا بذیدہ پن ہے دستور کی بات ہے کہ کھانے کی صلاء آدمی دوسروں کی کرتا ہے۔ مگر اُس سے غرض یہ نہیں ہوتی کہ لوگ اُس کے ساتھ کھانے لگیں۔ جو لوگ اس صلاء پر چاہتے ہیں تو صلاء کرنے والے کو اُن کا کھانا ناگوار ہوتا ہے۔ دعوت میں تکلف نہ کرے یہ بڑی حماقت ہے کہ لوگ قرض لے کر بڑی بڑی دعوتیں کرتے ہیں۔ ناحق تکلف کے تردد میں اپنے تئیں ڈالتے ہیں جب دوستوں کی دعوت میں تکلف ہوتا ہے تو ملاپ کم ہو جاتا ہے۔ دوستوں کے سامنے جو حاضر ہے وہ رکھ دے۔ اُن کے واسطے وہ چیز جو پاس نہ ہو منگانی نہ چاہیئے۔ مہمان کو چاہیئے کہ وہ میزبان پر کھانے کی فرمائش نہ کرے۔ کیونکہ اُس کو بعض اوقات اس فرمائش سے دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر بعض میزبان ایسے ہوتے ہیں کہ وہ مہمانوں کی فرمائش سے خوش ہوتے ہیں۔ تو اُن پر فرمائش کرنے کا مضائقہ نہیں +

مہمانوں کا بلانا اور بے تکلف اُن کی دعوت کرنا نیک عادتوں میں اصل ہے۔ دعوت میں تونگر اور حقیر دونوں کو بلانا چاہیئے۔ جو لوگ کہ دعوت قبول کرنے میں تکلف کریں اُن کے بلانے کی ضرورت نہیں۔ بعض متکبر غریب آدمیوں کی دعوت قبول کرنے کو اپنی ذلت جانتے ہیں اس صورت میں دعوت کا منظور کرنا ذلت ہے کہ داعی مدعو کا منت کش نہ ہو بلکہ اپنا دعوت کرنا اُس پر احسان جانے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ دعوت ایسے شخص کے ہاں کھاؤ کہ وہ تمہارا ممنون ہو۔ کسی مسلمان کو حقیر جان کر دعوت نہ قبول کرنی بڑی بد خلقی و تکبر ہے۔ دعوت میں جا کر

صدر مقام کی تلاش نہ چاہیئے بلکہ فروتنی چاہیئے۔ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جانا چاہیئے دعوت لینے والے کو اپنا انتظار نہ دکھانا چاہیئے۔ نہ جلدی قبل از وقت دعوت جانا چاہیئے۔ ایک دعوت میں کبھی کھانا سب طرح کا چن دیا جاتا ہے کہ جسکے دل میں جو آئے وہ کھائے۔ کبھی ایک ایک کھانا سامنے آتا ہے۔ غرض سب کھانے سب کے آگے آنے چاہیئں خواہ وہ کسی طرح آئیں۔ بازاروں میں کھانا بعض بے تکلفی جانتے ہیں بعض اُس کو سفلہ و کمینہ پن۔ بعض کا قول ہے کہ جہاں بھوک لگے وہاں کھالے۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ بھوک لگے بازار میں اور جا کر کھائیں گھر میں

(۴۸) شرب خمر

شراب کا پینا ایمان و تقویٰ کی بنیاد کے واسطے سیل ہے اور دین اور دنیا کے سعادت کے خرمن کے لئے آتش سوزاں ہے۔ اُس کے ہر جرعہ میں بغض و عناد اور ہر قطرہ میں فتنہ و فساد ہر ساغر اُس کا رستگاری کونین کی کشتی کے لئے گرداب۔ اور ہر رشحہ اس کا خجلت روز حساب کا عماں۔ اس کے پیمانہ کا لب فرزانگی کے خون کا تشنہ۔ اس کے شیشہ کا گلو محلہ دیوانگی کا سر کوچہ۔ اس کے پیمانہ کی آنکھ طریق فنا ہی ہے اور اُس کی صراحی کی گردن گمراہی کی راہ۔ اُس کے نوشا نوش کی آواز فتنے و شر کی منادی۔ اور اُس کے سبو کی قلقل رحلت عقل و شعور کا نقارہ اس سے چہرہ روشن کرنا دونوں جہان کی روسیاہی۔ اُس کی مستی باعث بے دماغی۔ یہ آتش آب دماغ کو ایسا جلا دیتا ہی کہ پھر اپنے مآل کی ایک دم فکر نہیں ہو سکتی +

شراب ایک زہر شہد نما ہے۔ اُس کی شیرینی سے آدمی اپنی زندگی تلخ نہ کرے۔ اور اُس کی قدح زنی سے اپنی حق پرستی کو نہ چھوڑے۔ وہ ایک برق خرد گداز ہے اُس سے اپنے خرمن عمر کو نہ جلائے۔ حرکات بیہودہ کرکے اپنے چراغ ایمان کو نہ بجھائے۔ اور اپنے ہوش کی دستار سر افرازی کو پائے خم میں نہ گرائے۔ اور اپنے ناموس کی پردہ دری شراب کے ہاتھ سے نہ کرائے۔ اور اپنی آزادی کی برات کو آب انگور سے نہ دھوئے۔ اور اپنے اعتقاد کو شراب سے نہ سست کرے۔ اور اپنی عقل کے بے قیمت گوہر کو جس کو استاد ازل نے دماغ میں جگہ دی ہے

شراب کے سیلاب سے اُس کی جگہہ بدلے۔ اور آئینہ دل کو جس کی بنیاد صنع نے چار جنیابان عناصر اربعہ میں رکھی ہے اُس کو عالم آب کی ہوا سے مکدّر نہ کرے۔ اور پیالہ کی غبغب کے پکڑنے کی عادت ڈال کر اپنے حواس خمسہ کو معطل نہ کرے۔ احکام مذہبی سے قطع نظر جو ارباب عقل و خرد اور صاحب تشخیص نیک و بد ہیں وہ اس آتش عقل سوز کی ہوس سے پرہیز اور احتراز واجب جانتے ہیں اور اپنے خردمند سر کو دونوں ہاتھوں سے اس شعلہ خو برق نہاد سے بچاتے ہیں اے عزیز عقل جیسی چیز کو شراب کے سپرد کرتا ہے اور جان شیریں کو تلخی کے حوالہ کرتا ہے۔ اور فرمان فرما سے عقل کو شراب کے زور سے پیر و باغ سے اتارتا ہے۔ شراب پینا میخانوں میں پھرنا۔ کوچہ و بازار میں مست ہونا۔ آشنا و بیگانہ میں اُفتاں و خیزاں چلنا۔ رندی و بے باکی میں صلا مارنا اور اس شیوہ کا نام بے تکلفی اور وسعت مشرب نام رکھنا بے ہنروں کی قوم میں ہنر شمار ہوتا ہے۔ اور اُن کے کمالات کا ایک جزو گنا جاتا ہے معلوم نہیں کہ دیوانہ ہونا نعرہ زنی کرنا۔ ہرزہ و نامربوط بکنا۔ کج چلنا۔ اور ہر دم کسی کو گالی دینا۔ ہر قدم پر سر راہ گر پڑنا۔ ہر لحظہ کسی کے کندھے کی سہارے سے چلنا۔ اور ہر شب فرش پاکیزہ کو قے سے آلودہ کرنا۔ روز آپس میں کارد و خنجر کھینچنا۔ مستی میں سر کو بجائے پاؤں کے رکھنا۔ مست و لا یعقل ہونا صبح کو ہزار زحمت سے آنکھ کھولنا۔ اور شام تک مردہ مبہم بزندگی رہنا کیا کمال و ہنر ہے کہ جسکے سبب سے مدعی آتش و جہنم کے ہوتے ہیں +

(۴۹) سفر

اگرچہ سفر میں سقر کی سی مشقت و رنج و تعب ہیں۔ مگر آخر کو اس سے ظفر حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے سفر کرنا آدمی کو چاہیئے۔ سفر ایک قسم کی حرکت اور اختلاط کا نام ہے اور اسی سبب سے اس میں فائدے اور آفتیں ہیں جو فوائد کہ آدمی کو سفر پر آمادہ کرتے ہیں وہ یا تو کسی چیز سے گریز کرنا ہوتا ہے یا کسی چیز کا طلب کرنا یعنی مسافر جو سفر کرتا ہے تو اُس کا سبب کیا یہ ہوتا ہے کوئی چیز اس کو بہ زور اپنے مقام سے نکالے دیتی ہے۔ بالفرض اگر وہ نہ ہوتی

تو یہ سفر بھی نہ کرتا مثلاً وبا ہیضہ۔ بخار کسی فتنہ وخصومت کا برپا ہونا یا غلہ کا گراں ہونا۔
یا خاص شخص یا شہر کے لوگوں کا اس کی ایذا کے درپے ہوتا۔ یا سفر کرنے کا سبب یہ ہوتا
ہے کہ کسی مقصد ومطلب کو حاصل کرے۔ یہ مطلب ومقصد بہت قسم کے ہوتے ہیں۔ اول
علم حاصل کرنا۔ دوم اخلاق وعادات کا درست کرنا سوم زیارت کرنا چہارم دولت
ومال حاصل کرنا۔ پنجم تفریح طبع۔ ششم دنیا میں عجائب وغرائب قدرت کا دیکھنا۔ علم
کے واسطے سفر کرنا نہایت مفید فائدہ مند ہوتا ہے۔ جیسے تحصیل علم گھر سے باہر نکل کر
ہوسکتی ہے ایسی گھر میں نہیں ہوتی۔ اخلاق وعادات کا اظہار سفر میں ہی ہوتا ہے
اسی لئے اس کو سفر کہتے ہیں۔ اصل معنی سفر کے ظہور کے ہیں۔ جب تک آدمی وطن میں
رہتا ہے برے اخلاق ظاہر نہیں ہوتے۔ کیونکہ طبیعت کے خلاف کرنے کی نوبت ہی نہیں
آتی۔ جب آدمی سفر کی سختی اٹھاتا ہے اور امور معمولی میں ومعتاد میں فرق پاتا ہے تو اخلاق
کی خفیہ آفات منکشف ہوجاتی ہیں اور ان کے عیوب پر مطلع ہوتا ہے تو اب ان کا علاج
بھی کرسکتا ہے بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

تا بدکان خانہ در گروی ہرگز اے خام آدمی نشوی

سفر میں اختلاط مختلف قسم کے آدمیوں سے ہوتا ہے کچھ مشکلیں اور مشقتیں بھی اٹھانی پڑتی ہیں۔
خدا تعالیٰ کی صنعتوں اور نشانیوں کے دیکھنے کے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مگر
کوہ ودشت۔ بحر وبر۔ اقسام اقسام کے حیوانات۔ نباتات یہ سب کچھ دیکھنے میں آتے ہیں
جن کی آنکھیں ظاہری چیزوں کو دیکھتی ہیں ان کو بھی اس سے تفریح ہوتی ہے۔ اور جن کی
آنکھوں میں باطن کی روشنی ہے وہ ان میں خدا کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو دیکھتی ہیں
جو شخص اس غرض سے سفر کرتا ہے کہ جو صفحات قدرت پر خطوط الہی سے شہادتیں خدا تعالیٰ
کی توحید کی لکھی ہوئی ہیں وہ پڑھے تو اس کو بہت سفر نہیں کرنا پڑے گا بلکہ ایک جگہ
ٹھہر کر ایک گل کو دیکھ کر ہزار صنعت کردگار سمجھ لے گا۔ کبھی سفر عبادت کے لئے ہوتا ہے

جیسا کہ حج کا سفر۔ ایک سفر طلب مال کے لئے ہوتا ہے کہ جس کا مآل یہ ہوتا ہے کہ آدمی محتاج غیر نہ ہو۔ اہل و عیال کی پرورش کرے۔ دوست آشناؤں سے مروت کرے۔ عزت و جاہ حاصل کرے۔ محتاجوں کو خیرات دے۔ ایسے سفر سے جودت و تیزی طبع حاصل ہوتی ہے۔ سفر میں ایسی مشقتیں پیش آتی ہیں کہ اُن پر بجز قوی شخصوں کے اور کوئی قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ سفر میں مسافر کو کبھی تو اپنے جاہ و مال کا خطر ہوتا ہے۔ کبھی اپنے مالوف متعلقے چیزوں کے جدا ہو جانے کا خیال ہوتا ہے کہ وہ سفر میں نصیب نہیں ہوتیں۔ روزمرہ کوچ و مقام کا تردد ایسا ہے کہ وہ خاطر کو ابتر کرتا ہے۔ مگر باوجود ان تکالیف کے فوائد دین و دنیا کے ایسے حاصل ہوتے ہیں کہ سفر کو اقامت پر ترجیح ہے سچ ہے السفر مفتاح الظفر +

(۵۰) طلاقت وجہ و مزاح

طلاقت وجہ و مزاح مراد اس سے ہے کہ انقباض سے آدمی کبھی جبیں بہ جبیں نہ ہو اور خوشی سے سخنانِ شیریں کہتا ہو۔ یہ خوئے ناخوب کی نشانی ہے کہ پیشانی میں چین ہو۔ شیریں باتوں سے خاموش ہونا ترش روئی ہے۔ نادانی سے آدمی کے دل میں گرہ پڑتی ہے تو وہ پیشانی پر نمودار ہوتی ہے جب پانی کی تہ ناہموار ہوتی ہے تو رخ آب پر گرہ نمودار ہوتی ہے۔ جب تک خاک میں تہ آب جگر نہیں ہوتی شاخ نہیں نکلتی۔ تیرے سرکہ جبین ہونے سے سب آدمیوں کی طبع تجھ سے بھاگتی۔ سرکہ پر مکھی بھی نہیں بیٹھتی۔ تجھ کو چاہیئے کہ کشادہ پیشانی رہ اور خستہ دلوں کو تنگ نہ کر۔ کسی کی صورت دیکھ کر شگفتہ خندہ ہونا تو قند و شکر دینے سے بہتر ہے۔ قند و شکر سے تو دہن و لب میٹھے ہوتے ہیں مگر شکر خند سے جان کو آسائش ہوتی ہے۔ خنداں رہنا تو خردمندوں کا آئین ہے۔ باغ خنداں گل خنداں ہی سے ہوتا ہے۔ خندہ آدمی کو کسی کوشش سے نہیں آتا۔ جد سے تو دل کو رنج ہوتا ہے جس کی اصلاح مزاح سے چاہیئے۔ جد میں تو سفر میں پاؤں گھسنے ہوتے ہیں۔ ایک لحظہ نزل

کرنے میں آرام ملتا ہے۔ اگر آسودگی رنج زدانہ ہو تو پھر پانوں رنج وتکلیف سے چلنے سے رہ جائیں۔ لیکن ہزل وہ چاہئیے کہ جس میں دروغ نہ ہو۔ ورنہ وہ تیرے چہرہ کو بے فروغ کر دیگا۔ اور اُس سے کینہ کا بیج دل میں آئے گا۔ اور شرمندگی کے مارے پسینا آئے گا۔ ہزل بھی عقل سے سیکھنا چاہیئے۔ مغز بادام کے اگر ٹکڑے کرو تو اُس کو شکر سے آلودہ کرو ہزل میں جو بات کہو وہ سچ کہو مگر خوشی و شیرینی کے ساتھ +

(۵۱) جمال

اللہ جمیلؐ ویحب الجمال (اللہ تعالیٰ جمال والا ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے) ؎

گفت خاموش ہر آنکس کہ جمالے دارد ہر کجا پائے نہد دست بدارند ش پیش

الصورت تضعف الرزق۔ جمال بھی کمال اور جاہ کی مانند ایک آلہ اور ذریعہ مقصود تک پہنچنے کا ہے۔ اس میں ایک طرح کی قدرت ایسی پائی جاتی ہے کہ خوبصورت اپنی حاجت پورا کرنے میں بہ نسبت بدصورت کے زیادہ قادر ہے۔ خوب رویوں کی طرف آدمیوں کو توجہ ہوتی ہے وہ ان کی حاجتیں جلد روا کر دیتے ہیں بدصورت کو مکروہ جانتے ہیں۔ اور اس سے نفرت کرتے ہیں حسن صورت میں نفس کی فضیلت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ جب نفس کا نور خوب چمکتا ہے تو اُس کا اثر بدن پر آجاتا ہے۔ اکثر ظاہر و باطن میں موافقت ہوتی ہے اس لئے اصحاب فراست نفس کی بزرگیوں کے مفہوم کرنے کے لئے بدن کی ہیأت کو اعتبار کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ چہرہ اور آنکھ آدمی کے باطن کا آئینہ ہے۔ چہرہ سے دل کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ زر کی طرح مُنہ کا زرد ہونا دل کا درد بتلاتا ہے۔ آدمی کے حال کا بڑا غماز چہرہ کا رنگ ہی ہے جو جرس کی طرح آواز دیتا ہے۔ آواز ایسی چیز ہے کہ جس سے گھوڑا۔ گدھا معلوم ہو جاتا ہے۔ آدمی زبان سے پہچانا جاتا ہے۔ آدمی کی پیشانی پر دل کا حال عیاں ہوتا ہے۔ رنگ رو حال دل کا نشان۔ مثلاً غصہ۔ سرور۔ غم اگر جی میں ہوتا ہے تو اُس کا اثر آنکھ اور چہرہ پر معلوم ہوتا ہے۔ صبر و شکر دل میں ہو تو

زردروئی اور سرخ روئی اُن کو ایسا بتلاتی ہیں جیسے باغ کے پتّوں کے رنگ بہار و خزاں کشادہ پیشانی نفس کے اچھے ہونے کا عنوان ہوتی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جتنے بدصورت ہیں اُن کے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ صورت بہ بین حالش مپرس +

(۵۲) خوبصورتی کے پیچھے آفتیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ طاؤس کو اُس کے پروں کے لئے مارتے ہیں۔ لومڑی کا پوست پوستین کے لئے اتارتے ہیں۔ آہو نافہ مشک کے لئے شکار کئے جاتے ہیں۔ ہاتھی دندان و استخوان کے سبب سے شکاریوں کے ہاتھ سے زخم کھاتے ہیں +

(۵۳) نصائح

ان دس خصلتوں کو اختیار کرو۔ دنیا و آخرت میں اپنا کام بنا۔ حق کے ساتھ صدق۔ نفس کے ساتھ قہر۔ خلق کے ساتھ انصاف۔ بزرگوں کی خدمت۔ مزدوروں کے ساتھ شفقت۔ درویشوں کے ساتھ سخاوت۔ دوستوں کو نصیحت۔ دشمنوں کے ساتھ ملائمت۔ جاہلوں کے ساتھ خاموشی۔ عالموں کے ساتھ تواضع۔ اور سن لو کہ۔

کسی کی روٹی نہ کھا۔ اپنی روٹی کسی سے دریغ نہ کہہ۔

زاہد جاہل پر اعتماد نہ کر۔ خودشناسی کو سرمایہ بزرگی نہ جان۔ دشمن دوست سے حذر کر۔ نادان مغرور سے اجتناب۔ جو بات دیکھی یا سُنی نہ ہو اُسے نہ کہہ۔ اپنے عیب پر نظر رکھ اور دوسروں کے عیب کو تلاش نہ کر۔ دل کے بھید خدا جانتا ہے۔ تو اُس میں خلق کو دخل مت دے۔

آدمیوں کو تین سبب سے رنج ہوتے ہیں اول آنکہ از وقت پیش می خواہند۔ دوم از قسمت بیش۔ سوم ہر چہ از آن دیگران است از خویش۔ جس طاعت سے عجب ہو اُسے وہ معصیت مبارک ہے کہ آدمی عذر کرے چہ نفس بت ہو اور قبول خلق زنّار +

(۵۴) سیاست

سیاست کا لفظ ہم نے بہت جلد لکھا ہے اس لئے اُس کے معنی لکھتے ہیں وہ اصول جنسے کہ آپس میں ناموس رہنے اور اجتماع کے لئے اور اسباب معیشت میں۔ ایک دوسرے کی مدد

کرنے کے لئے اسباب مہیّا کئے جاتے ہیں اُس کو سیاست کہتے ہیں۔ اب سیاست کے چار مرتبے ہیں جن سے کہ خلق کی درستی ہوتی ہے اور دنیا و آخرت کی راہ راست بتلائی جاتی ہے۔ اول سیاست جو سب میں برتر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے کی ہے ان کا حکم خاص و عام سب پر ظاہر و باطن میں ہر حال میں ہے۔ دوم خلفاء ملوک و سلاطین کی ہے ان کا حکم بھی خاص و عام سب پر ہے مگر صرف ظاہر پر ہے باطن پر نہیں سوم سیاست علماء کی ہے اُن کا حکم صرف خاص لوگوں کے باطن پر ہے عوام کی سمجھ کا اتنا رتبہ نہیں کہ جو اُن سے مستفید ہوں۔ اور نہ اُن کو یہ قوت کہ لوگوں کے ظاہر پر کسی بات کے لازم کرنے کا خواہ روک دینے کا تصرف کریں۔ چہارم واعظوں کی سیاست ہے۔ اُن کا حکم صرف عوام کے باطنوں پر ہے فقط

باب دہم

عمر و وقت و موت

(۱) وقت کی قدر

اگر عاقل آدمی پاس کوئی عمدہ جوہر ہو وہ بے فائدہ ضائع جائے تو اُس کو افسوس ہوتا ہے اور اگر اُس کے جانے کے ساتھ خود وہ بھی برباد ہو جائے تو اُس کو رونا آتا ہے اگر غور کرو تو عمر کی ہر ایک ساعت بلکہ ہر ایک سانس ایک جوہر نفیس ہے کہ اُس کا کچھ عوض اور بدل نہیں اس واسطے کہ اُس میں یہ صلاحیت ہے اور لیاقت ہے کہ آدمی کو سعادت ابدی میں لے جائے اور شقاوت دائمی سے بچائے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسا جوہر نفیس ہوگا پھر جب آدمی ایسے جوہر نفیس کو غفلت میں کھووے یا بُرے کاموں میں ضائع کرے تو اس سے زیادہ اور کیا امر قابل افسوس ہو سکتا ہے۔

(۲) عمر کی شرافت اور بے ثباتی بے اعتباری بے بقائی

گذرتی عمر ہے یوں دور آسمانی میں	کہ جیسے جائے کوئی کشتیِ دخانی میں
ذوق اس بحرِ جہاں میں کشتیِ عمر رواں	جس جگہ پر جا لگی وہ ہی کنارہ ہوگیا

جو لوگ بادہ جوانی میں مست ہو رہے ہیں اور دنیا سازی میں مشغول ہیں اور خیال بازی کے معرکوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ گہری نیند میں سو رہے ہیں۔ طول امل عیش و طرب میں روز و شب مصروف ہیں۔ باطل پرستی و حق ناشناسی اُن کا کام ہے۔ وہ جواہر انفاس کی قدر نہیں کرتے اور یہ نہیں جانتے کہ زندگی کا ہر دم ایسا گوہر ہے کہ اُس کو جہان کی سلطنت کے عوض نہیں خرید سکتے۔ اہل دل اور ہوشمند کامل جانتا ہے کہ یہ دنیا موج سراب اور نقش بر آب سے زیادہ بے اصل ہے۔ لڑکوں کے کھیل کی طرح بے حاصل اور باطل ہے۔ جب تک ان غافلوں کے گریبان میں اجل ہاتھ نہیں ڈالتی وہ وقت کو جنسِ خطیر اور گوہر بے نظیر نہیں جانتے۔ جب زندگانی بے بہا کے خرمن کو نفسو کی بادِ صرصر برباد کرتی ہے اور مزرعہ عمر بے بدل کو برق جانسوز اجل جلاتی ہے تو طبیبانِ حاذق علاج سے ہاتھ کھینچتے ہیں یارانِ موافق رشتۂ امید توڑتے ہیں تلیئن قبضِ روح کرتی ہے۔ یا شویہ جان سے ہاتھ دھوتا ہے۔ نور نظر شمع سحر کی طرح مردہ ہوتا ہے رنگ چہرہ کا دھوپے ہوئے گل کی طرح پژمردہ ہوتا ہے جوہری زبان دکان دہان کے دونوں کو قفل خموشی لگاتا ہے۔ دیگ دماغ میں خیالِ خام کا جوش آتش زندگانی بجھنے سے سرد ہوتا ہے۔ بدن کے کارخانہ میں وزیر خوار وں کا راستہ بند ہوتا ہے مستوفی قضا نسخہ بقا سفیدی کفن و کافور سے لکھ دیتا ہے۔ جان جسم سے خصت ہوتی ہے جسم گور کے مار و مور کے حوالہ ہوتا ہے اُس وقت آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے گنج شائگاں اپنی عمر کا کیا مُفت رائیگاں کھو دیا ہے۔

(۳۷) زندگی کا ہر دم کیوں نہ کل عالم سے بہتر ہو کہ سلطنت تمام عالم کی اس کے ساتھ منوط ہے اور تحصیل سعادت دین و دنیا اُس پر مشروط ہے۔ ہر دم اس کا دو جہان کی

کامرانی کا سرمایہ ہے اور ہر نفس اُس کا جسم و جان کی کتاب کا شیرازہ ہے۔ آدمی کی عمر چند سال کی ہوتی ہے اور ہر سال میں چند شبانہ روز ہوتے ہیں اور ہر شبانہ روز میں ساعتیں ہوتی ہیں اور ہر ساعت میں چند نفس ہوتے ہیں پس انھیں میں تمام وہ فضائل حاصل کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہی اُن کی برابری نہیں کرسکتی۔ جتنی دنیا کی نعمتیں اور مایحتاج اور ضروریات ہیں اُن کا بدل اور عوض آدمی کو مل سکتا ہے کہ اس سے حاجت گذاری ہو سکتی ہے۔ مگر عمر کا بدل اور قائم مقام کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اگر جامۂ اطلس نہ ہو تو گدڑی سے کام چل سکتا ہے۔ اگر عنبر قند و مشک پڑا ہوا نہ ملے تو سوکھی روکھی روٹی اور چٹنی سے پیٹ بھر سکتا ہے۔ اگر پانی کا برتن سونے کا نہ ہو تو اوک سے پانی پیا جا سکتا ہے۔ اگر گھوڑا نہ ہو تو اپنے پاؤں سے چل سکتا ہے۔ اگر نوکر چاکروں کی دورباش نہ ہو تو نفرت خلق کی دورباش کافی ہے اگر قصر زرنگار نہ ہو تو کنج غار میں بسر ہو سکتی ہے۔ اگر فرش ابریشمی نہ ہو تو بوریے سے کام نکل سکتا ہے۔ اگر بالوں میں کرنے کے لیے کنگھی نہ ہو تو انگلیوں سے کنگھی ہو سکتی ہے غرض دنیا میں جس چیز کو دیکھو اُس کا عوض ہے جس سے غرض نکل سکتی ہے مگر جہان میں جو چیز بے عوض ہے وہ عمر ہے مجھے اُس کی قدردانی ضرور ہے۔ روزگار میری عمر خریدنے آیا میں نے اس سے کہا کہ میں عمر کو دنیا کے عوض نہیں بیچتا۔ مگر اُس نے وہ ڈھب لگایا کہ میری ساری عمر کو تھوڑا تھوڑا کر کے خرید لیا۔ ایسے سودے پر تبرا ہے کہ فروشندہ سراسر نقصان میں رہا۔ اور خریدار کو وہ مفت ہاتھ لگ گیا۔ عمر جو گذر جائے اُس کا پتا نہیں لگتا ؎

سراغ عمر گذشتہ کو ڈھونڈیے گر ذوق	تمام عمر گذر جائے جستجو کرتے
سراغ عمر رفتہ ہو تو کیونکر	کہیں جس کا نشان پا نہ پایا
جوئندہ ہر چیز ہے یابندہ جہاں میں	جز عمر گذشتہ کہ وہ ڈھونڈ ہو تو کہاں ہے

(۴) وہ مرد مردہ دل ہے جو ایک دیوار شکستہ کے سایہ میں خاطر جمعی سے بیٹھا دنیا پر

دل لگا رہا ہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ تارِ عمر بڑا زود گسل و بیوفا ہے۔ باوجود گران قیمتی کے بہت
ہے سبک خیز و بے بقا ہے شفق کی طرح ادہر رنگ پکڑا اور اُدہر اڑا۔ بجلی کی طرح ادہر چمکا اُدہر
فنا ہوا۔ اُس کی جوانی شعلۂ خس سے بھی زیادہ بے اعتبار اور امتداد زمان اُس کا شہاب
سے زیادہ ناپائدار ہے۔ اُس کی صحبت سپند کی سی ہے کہ ادہر بیٹھا اور ادہر اٹھا۔ اور تارِ عنکبوت
کی طرح ادہر بندہا اُدہر ٹوٹا۔ ایام جوانی شبہاء بہار کی طرح کم زندگانی رکھتے ہیں۔ موسم پیری
اُس کا آفتابِ مستانی سے زیادہ سرد رو ہے۔ زمان نوخطی اُس کا رنگ خضاب سے زیادہ
بیوفا و زود گسل اُس کی سفید روئی کا دوران صبح کاذب کی طرح بے اصل و باطل۔ سدتِ شباب
اسکا شدتِ مرض کی طرح بالکل بے شعوری و نادانی۔ عہد پیری اُس کا بالکل ضعیفی و ناتوانی
طائر عمر کے دو پر روز و شب ایسے ہیں کہ اُس کو اڑائے لئے جاتے ہیں۔ دنیاء فانی کی بے ثباتی
ایسی ہے جیسے کہ سبزہ کی کہ چند روز طراوت و خرمی رہتی ہے پھر اُس کے بعد خشکی و زردی
آتی ہے۔ زندگی کا اعتبار ایک دن کا نہیں صبح کو نہیں کہہ سکتے کہ رات کو ہم یہ کریں گے
اور رات کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ صبح کو یہ کام کریں گے۔ عمر خواہ کتنی دراز ہو وہ چھوٹی معلوم
ہوتی ہے۔ اگر کوئی آدمی ساٹھ ستر برس جئے تو آدہے دن یعنی راتیں خواب و آسائش بدن
میں تلف ہوتی ہیں جن کو زندگی میں شمار کرنا نہیں چاہئے۔ نیند اور موت دونو بہنیں ہیں
اُن میں کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا۔ پندرہ سال ایام طفلی میں گذرتے ہیں
جو بے شعوری اور نادانی کا زمانہ ہے جن میں پانچ سات برس بچپنے کے ایسے ہوتے ہیں
کہ وہ پرائے بس میں ہوتے ہیں پھر ایسی عمر میں معاش کے واسطے کوئی پیشہ و حرفہ
سیکھنا پڑتا ہے جس کی تحصیل و تکمیل کی محنت و مشقت میں لہو پانی ایک کرنا پڑتا ہے
اور دس سال جوانی کے ہیں کہ ان میں آمال و آمانی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور تحصیل یا یحتاج و
کسب مال و سامان و وجہ معیشت اہل و عیال میں صرف ہوتے ہیں۔ کبھی ان میں کامیابی کی
مسرت کبھی ناکامی کی کلفت۔ باقی پیری و رنجوری جن میں مردہ بدستِ زندہ ہوتا ہے۔ پھر

ارتحال و انتقال ساٹھ سال سے ستر سال تک جس کو عشرہ شومہ کہتے ہیں۔ آدمی کم جیتے ہیں آدمی کی عمر جب پچاس سال کی ہوچکی تو روز بروز قومی اور حواس ضعیف و زبون اور مزاج کے احوال درہم و برہم اور دگرگوں ہوتے ہیں۔ قوت سامعہ کا زاہد گوشہ گزین ہوتا ہے۔ نور بصر کا شاہد مستور پردہ نشین۔ ہاتھ میں جب تک عصا نہ ہو۔ پاؤں رستہ چلنے میں کام نہیں دیتا۔ معدہ کا ضعف غذا کو ہضم نہیں ہونے دیتا۔ دانت سستی کے سبب سے لقمہ کی گرہ کو نہیں کھولتے۔ تن ناتوانی کے سبب سے ضرورت کے لئے بھی حرکت کرنے میں اپنا بوجھ عصا پر ڈالتا ہے

نشاط عمر باشد بہ سی سال
پس از پنجہ نہ باشد تندرستی

چہل چون شد فرو ریزد پر و بال
قصر تن کند ہی پذیرد پائے سستی

چون شصت آمد نشست آمد بدیوار
چو ہفتاد آمد افتاد ہست از کار

یہ حال تو جب ہے کہ عمر ستر برس کی ہو۔ اور حوادث و امراض مہلکہ سے جان بچی رہے۔ ورنہ ہر روز و ہر شب و ہر ساعت و ہر نفس ممکن ہے کہ امراض غارت گر تیغ جان ستاں لے کر سر پر آن کھڑا ہو۔ اور جسم کی سرائے میں سے کل متاع جان کو لوٹ لے جائے۔ عمر تو ایسی بوجی پرانی رسی ہے کہ اس کے استحکام پر ایک لحظہ بھروسہ نہیں ہو سکتا۔ اور حیات ایسی دیوار بے گستہ ہے کہ اس کے سایہ کے نیچے ایک لحظہ بھی بیٹھنے کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ الحاصل زندگانی اس قدر عزیز و گران بہا بہت ہی سبک خیز و کم بقا ہے۔ پس اس سے زیادہ کیا بلاہت و نادانی و بے پروائی و سفاہت ہوگی کہ ایسی عزیز چیز کو رائگاں اور باطل کھو دیں۔ اور اس میں کوئی کام دینی و عقبے کا نہ کریں ایسی شراب غفلت پئیں اس کا خمار مرگ بصورت زندگی ہو۔ اور دونو جہان میں شرمندگی ہو۔ عمر بیکار و ماہ غفلت میں گذارتے ہیں حال اور مآل پر تامل نہیں کرتے۔ نہ مرگ کو یاد کرتے ہیں نہ اس سفر کے لئے تہیہ کا اندیشہ کرتے ہیں اس وقت خبردار ہونگے کہ مرض گلا پکڑے گا۔ بڑے بڑے حاذق حکیم معالجہ سے جواب دیں گے۔ یاران مہربان کوئی تدبیر نہ کر سکیں گے۔ دعا و صدقہ کے توسل سے واقعہ عظمی کو دفع نہ کر سکیں گے

موت ایسی نہیں کہ ایک ساعت کا اس میں توقف ہو سکے۔ اس کے آنے پر ایک دم بھی حیات کو نہیں رکھ سکتے۔ اس واقعہ ناگزیر سے ہم کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ اس کے پالہنگ کو کسی زور سے توڑ نہیں سکتے۔ ہر چند چشم امید کو ادھر ادھر پھیرتے ہیں مگر کوئی حامی نظر نہیں آتا کہ اس سے بچائے۔ گوش ہوش طرف لگاتے ہیں کوئی شفاعت کی آواز نہیں آتی۔ ناچار جان کے دیتے ہیں تن دہی کرتے ہیں۔ اس وقت جانتے ہیں کہ عمر کیا چیز تھی وہ کیا ہمارے ہاتھ سے گئی ہے۔ ہم اس فرصت تنگ اور عمر شتاب میں خیر و صواب کے کاموں سے غافل رہے باطل کاموں میں پھنسے رہے۔ مگر اس وقت جاننے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ جب آنکھیں کھولے تو خدا کی درگاہ میں شکر باری کرے اور جب زبان چلتی ہو تو اپنے خدا کے روبرو عذر کرے۔ جانے کہ نہ بدن میں ہمیشہ جان رہے گی نہ دہن میں زبان ہمیشہ چلے گی۔ حاصل اس کلام کے مضمون کا یہ ہے کہ انسان پہلے اس سے کہ موت کا پیغام آئے اپنے تمام حقوق واجب کو ادا کرے ؎

راست کن کار خود امروز کہ فردا چوں تیر   گرم رفتن چو شدی کار بہ پس نتواں کرد

(۵) آدمی کو چاہیے کہ پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانے۔ جوانی کو پیری سے پہلے۔ تندرستی کو بیماری سے پہلے۔ مالداری کو مفلسی سے پہلے۔ فراغت کو شغل سے پہلے۔ حیات کو موت سے پہلے۔ قوت جوانی صحت جسمانی۔ مکنت مالداری فرصت و فراغت۔ بقاء زندگانی یہ پانچ نعمتیں بے بدل ہیں جب وہ موجود ہوتی ہیں تو ان کی اضداد مفقود ہوتے ہیں کمال بے عاقلی اور نہایت بے باکی و بے حاصلی ہے کہ کوئی شخص ان کی قدر جیسی کہ چاہیے نہ کرے۔ اور ان نعمتوں کا شکر بجا لائے۔ اور وہ جس صرف میں آ سکتی ہے اس کو نہ لائے۔ عمر کی رات اور دن کو ہرزہ گوئی و بیہودگی میں ضائع نہ کرو اور خوب سمجھ لو ؎

کار امروز مینداز بہ فردا زنہار   کہ بفردا چو رسی نوبت کار دگر است

(۶) پیری و جوانی

وقت پیری شباب کی باتیں — ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں
جنت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا — پیری ہے پہلے مرگ سے ہونا عذاب کا

پیری میں بالوں کی سفیدی۔ چہرہ کی جھریاں۔ باصرہ و سامعہ کا ضعف۔ بشرہ کا تغیر۔ دانتوں کا گرنا۔ قد کا کُبڑا ہونا۔ یہ سب موت کے آنے کی خبر دیتے ہیں۔ بالوں کا پنبہ ہونا اور قد کا کمان ہونا بتلاتے ہیں کہ اجل کا دھنیا دھننے کے لئے کھڑا ہے۔ پھر کبرسِن میں بدن پر امراض غالب ہوتے ہیں جیسے تنگی نفس۔ دردِ کمر۔ سستی زانو۔ خارش بدن۔ اور اُس کی مثل بڈھے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ امراض بھی جوانی کے امراض کی طرح عارض ہوتے ہیں وہ علاج پذیر اور قابل تدبیر ہیں اور اس سبب سے وہ ہر روز مرہ نفس کسی حکیم و طبیب کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ معجونوں کے بنانے کا خیالِ خام پکاتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اِن مرضوں میں سے ہر ایک پلنگِ اجل کا پنجہ ہے اُس سے رہائی ممکن نہیں۔ اگر بالفرض استعمال دوا سے کسی مرض میں دو تین روز تخفیف بھی ہوگئی پھر وہ عود کرے گا۔ جب آدمی کی عمر ساٹھ برس کی ہو جائے تو سوا مر جانے کے کوئی اُس کا طبیب نہیں جس شخص کی عمر ستر سے بڑھی وہ بے مرض و علت کے بیمار ہے۔ پیری وہ مصیبت و بیماری ہے جس کی عیادت و تعزیت کوئی نہیں کرتا۔ ایک بڈھے نے طبیب کے سامنے اپنا یہ حال بیان کیا کہ پیری کے سبب سے میرے دانت سست ہو گئے ہیں اس سبب سے کھانا چبایا نہیں جاتا جب لقمہ دہن میں نرم نہیں ہوتا تو وہ معدہ میں ہضم نہیں ہوتا۔ جب معدہ میں ہضم ناتمام ہوتا ہے تو اعضا میں طعام قوت نہیں بخشتا۔ حکیم صاحب آپ کا بڑا احسان میری جان پر ہوگا اگر میرے دندان سے مرض کو دور کر دیں۔ اِس حکیم دانشور نے بڈھے سے کہا کہ اگرچہ مرض سے تیرا دل دو نیم ہو رہا ہے۔ مگر تیرے مرض کا علاج اسّی برس عمر کے بعد سوا اُس کے نہیں ہے کہ جوانی پھر تیری عود کرے۔ اور یہ محال ہے۔ اگر اس سال شاد

سے واپس چلا جائے تو دانت قوی ہو جائیں لیکن واپس جانا ممکن نہیں اس لئے کہ
دانتوں کی سستی کو غنیمت جان۔ پس جو دانشمند ہوتے ہیں وہ آثار پیری جب نمایاں
دیکھتے ہیں تو وہ طبع کودک خصلت کو سمجھا کے دنیا کی طفلانہ بازی چھوڑ دیتے ہیں جو
اُن کے زندگی کے دن باقی رہتے ہیں اُن کو عقبےٰ کے کام میں لگاتے ہیں بالوں کی
سفیدی سے کافور وکفن کی فکر میں بیٹھتے ہیں دانتوں کے گرنے سے دندان طمع زندگی
سے کند کرتے ہیں ضعف چشم سے مرگ کو بچشم خود دیکھتے ہیں گرانی گوش سے ندا الرحیل
اپنے کانوں سے سنتے ہیں قد خمیدہ کے ناخن سے دنیا کی دل بستگی کی گرہ کھولتے ہیں خلاصہ
یہ ہے اور یہ کی بیماریاں پیری کو لازم ہیں وہ بدن کی کہنہ سرا کو شکستہ کرتی ہیں اور
اُس کے ڈھینے کے لیے دلیل نمایاں اُس کی تمثیل یہ خوب کسی نے دی ہے کہ ایک
شخص ہمیشہ اپنے گھر سے کہتا تھا کہ تو دفعۃً نہ گر پڑنا مجھے پہلے سے خبر کر دینا۔ لیکن
ایک رات کو ناگاہ مکان گر پڑا۔ اُس پہ آدمی نے کہا کہ میں تجھے ہمیشہ نہ کہا کرتا تھا کہ
کہ تو اپنے گرنے کی خبر مجھے کرنا تاکہ میں اپنے اہل وعیال کے لے جانے کی تجویز کر لوں کہیں
مگر تو نے حق صحبت ادا نہ کیا اور گر کر مجھے اور زیادہ زار ونزار کیا۔ مگر گھر نے بھی کیا
فصیح جواب دیا ہے کہ میں نے رات دن میں کئی دفعہ تجھ کو خبر کی مگر تو خبردار نہ ہوا جس طرف
کہیں اپنا دہن شگاف کی صورت میں کھولتا تھا تو میں پکار پکار کہتا تھا کہ اب میرے
گرنے کا وقت قریب ہے تو ہشیار ہو۔ مگر تو اپنے حرص سے میرے منہ میں مٹی بھر کے
میرے شگافوں کو دیوار بنا دیتا تھا۔ جہاں میں دہن کھولتا ہوں تو اُس کو بند کر دیتا
اسلئے آخر کو تیری یہ نوبت پہنچی۔ پس یہ سمجھ لو کہ تن تو خانہ ہے اور رنج وبیماریاں اُس کے
شگاف ہیں۔ تو ان بیماریوں کے شگافوں کو دواسے پر کرتا ہے اور اُن میں معجون اور
مقوی غذاؤں کی مٹی بھرتا ہے۔ تن تو اپنا منہ کھول کھول کر کہتا ہے کہ اب میں جاتا
ہوں۔ مگر طبیب اُس کی گفتار کو بند کر دیتا ہے پس عمر پہ اعتماد کرنا کمال نادانی اور بے خردی ہے

(۷) پہلے اس سے کہ موت کے درد بے درماں میں مبتلا ہو اپنے دم واپسیں کی کارسازی کے واسطے چارہ سازی کر۔ پس کہولت میں فسق و فجور کرنا بہت ہی زشت و زبون و ناخوش ہے۔ اس وقت میں جوانی کا خاتمہ ناتوانی کرتی ہے۔ شہوتہائے نفسانی کی آگ بجھ جاتی ہے * پس از پنجہ بناشد تندرستی * ایسے وقت میں تمام لہو و لعب و تن پرستی کا چھوڑ دینا آسان ہے۔ جو ایسی حالت میں بھی گناہوں کا مرتکب ہوگا اس سے سخت مواخذہ ہوگا۔ مگر انسان ایسا کمبخت ہے کہ وہ اپنے تئیں ایسی حالت کو بھی آغاز جوانی سمجھتا ہے۔ اپنے عیش و کامرانی میں دل و جان سے کوشش کرتا ہے پھر شیخوخت کا زمانہ آئے تو اُس میں اور بھی بد افعالی سے احتراز چاہیئے۔ انسان جب کودکی کی حالت سے نکل کر خودشناس و جوان ہوتا ہے تو جہالت سے لہو و لعب و شہوات نفسانی سے اشتغال رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ پیرانہ سالی میں توبہ کر کے خدا سے دل لگاؤنگا جب بڑھاپا آتا ہے تو وہی جوانانہ مستی میں مصروف رہتا ہے۔ طفلی بستی جوانی مستی۔ پیری سستی۔ ہی خداپرستی کسے زمانہ میں نہیں ہے۔ جوان اس بات کو آشنا نہ جانتے ہیں اور کب سمجھتے ہیں کہ کل بڑھاپا آئیگا۔ نہ کان سنیں گے۔ نہ آنکھیں دیکھیں گی۔ نہ پاؤں چلینگے۔ نہ ہاتھ پکڑینگے۔ تن جان سے سیر ہوگا۔ اور جان تن سے دل گیر ہوگی۔ آشیانۂ سر سے طائر ہوش اُڑ جائیگا۔ غنچہ دل کھلنے کی حسرت گور میں لیجائیگا۔ پس اُس روز واپسیں کے لئے کام پہلے سے کر رکھنا چاہیئے * ؎

جوانی بر سر کوچ است دریاب ایں جوانی را ۔۔۔ کہ کس ہرگز نمے بیند دوبارہ زندگانی را

خمیدہ پشت ازاں گردید پیرانِ جہاں دیدہ ۔۔۔ کہ اندر خاک مے جویند گم کردہ جوانی را

مغرور جوانانِ شوخ و شنگ جو در و دیوار سے جنگ کرتے ہیں۔ نقد جان کو بیہودہ خرچ کرتے ہیں۔ فرصت زندگی کی قدر نہیں کرتے۔ ایام جوانی کو ہوسہائے نفسانی میں صرف کرتے ہیں + اسپ و زین کی تقطیع میں دل لگاتے ہیں۔ مندیل و

قباکی رنگ ریزی پر مرتے ہیں۔ تن آرائی اور خود سازی میں فرصت کارسازی کو صرف کرتے ہیں۔ پوشش سے جسپید کی رکھتے ہیں۔ جو جوان عاقل روزگار دیدہ ہیں وہ اپنی جوانی کو جانتے ہیں کہ جلد چلی جائیں گی۔ اس لئے وہ خدا کی بندگی کا اہتمام کرتے ہیں دنیا کے علاقے کی رسّی کو تقوی و دین کی قوت سے توڑتے ہیں۔ خدا کی عبادت میں شکستہ رنگ ہو کر خوش ہوتے ہیں۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہو کر توبہ کرتے ہیں وہ نفس سرکش کو حرام سے منع کرتے ہیں اور دل بے غیرت کو غیرت دلا کے معصیت سے بچاتے ہیں اکثر جاہل جوانوں کی طرح وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ ہمارا عہد جوانی ہے کیوں اس میں بڈھوں کے سے کام کریں۔ چند روز عیش و عشرت کریں جب بڈھے ہونگے توبہ کریں گے۔ تلافی مافات آسان ہے۔ توبہ سے عصیان و طاعت یکساں ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ عہد جوانی بہت شریف و عزیز ہوتا ہے۔ اس کو لہو و لعب و نفس پرستی میں بسر کرنا نہایت عیب فاحش ہے۔ حدیث نبوی ہے کہ۔ الشباب شعبۃ من الجنون (جوانی ایک قسم کی دیوانگی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے تمام جوانوں کو ہوسہائے جوانی کی مستی سے بچائے۔ سعادات دوجہانی سے بہرہ مند کرے

(۸) عہد جوانی میں جو باتیں ہوتی ہیں

باغ میں موسم بہار میں جو باتیں ہوتی ہیں وہی آدمی کے اندر عہد جوانی میں ہوتی ہیں کہ رخسارے مثل گل اور تن مانند سمن قد مثل سرو۔ بناگوش مثل نسرین۔ گیسو کی خوشبو نسیم سحر۔ غنچہ لب خندہ زن۔ نرگس چشم مست۔ دل میں شوخی و چستی۔ جب پیری کی نوبت آتی ہے تو دل میں خوش دلی و عیش کا جوش فرو ہو جاتا ہے۔ رخسارہ کا رنگ زرد۔ آتش معدہ سرد۔ موئے سپید اجل کا پیغام لاتے ہیں اور پشت خم مرگ کا سلام پہنچاتی ہے۔ تمام اعضا میں شکست آجاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں سستی سے لرزتے ہیں۔ دانتوں میں رخنے پڑ جاتے ہیں آنکھیں اندر دھس جاتی ہیں۔ قدم چلنے سے جواب دیتے ہیں

کان سُننے سے۔ تن کا زور گھٹتا ہے۔ دل کی قوت ٹوٹ جاتی ہے۔ کھال ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ڈھیلے کپڑے۔ بتوں کے عشق کا بار کندھے سے گر پڑتا ہے۔ ہوس کی دیگ میں جوش نہیں رہتا۔ آنکھوں کی روشنی کی مشعل بجھ جاتی ہے۔ کعبہ سے دل مصلے کی طرف کھنچ آتا ہے۔ پھر معشوقوں کی ہوس نہیں رہتی۔ میل طبیعت اس طرف کھینچ لیتا ہے۔ رعونت کم ندامت زیادہ ہوتی ہے۔ جب چالیس برس سے عمر آگے بڑھتی ہے جوانی ڈھلتی ہے۔ دس برس کی عمر تک بازی و نادانی ہوتی ہے۔ بیس سے پریشانی کا آغاز ہوتا ہے۔ بیس سے چالیس تک اگر کچھ ورع اور زہد کی عادت ڈال لی تو دل اس کا خو پذیر ہو جاتا ہے۔ جب چالیس سے آگے عمر بڑھتی ہے تو محال ہے کہ آدمی اپنا سکہ بدل سکے۔ پچاس برس کی عمر میں سب چیزوں کی شکست آجاتی ہے۔ پھر ساٹھ پر تو حال اور ہی بدتر ہو جاتا ہے۔ ستر برس کے بعد تو جینا مشکل ہوتا ہے۔ اسی برس کے بعد صد بقا نہیں۔ نوے برس کے آدمی تو بہت تھوڑے جیتے ہیں۔ ان کا جینا مرنا برابر ہے۔ اگر سو برس کی عمر ہو تو اس زندگی سے مردگی اچھی ہے۔ زندگی خواہ سو برس کی ہو یا پچاس برس کی وہ زادِ راہ کی تیاری کے لئے ہوتی ہے۔ اگر زادِ راہ نہیں تیار کیا تو عمر خواہ دس کی ہو یا سو کی سب برابر ہے۔

(۹) دھنیئے کے بال سفید ہو جاتے ہیں تو اس سے پیر نہیں بن جاتا۔ پس بالوں کی سفیدی سے پیر نہیں ہوتا جب تک وہ پیرانہ سری میں مثل کافور سر بسر اندر اور باہر پاک نہ ہو۔ اگر بال سفید ہوئے اور دل سیاہ ہوا تو نورِ خدا تیرا چراغ شب سیاہ میں نہیں بالے گا — پیری میں جوانوں کی طرح لہو و لعب نہایت برا ہوتا ہے۔ پیری میں تو پیشۂ پیری اچھا ہوتا ہے۔ جو پیر جوانوں کی طرح بسر کرتا ہے تو وہ مردہ ہے اگرچہ اس میں سو جانیں ہوں۔ جو جوان تدبیر سے پیر بنتا ہے وہ طفل ہے گو بالوں کے لحاظ سے پیر ہو۔ بوڑھا جوان ہونا بالوں پر موقوف نہیں ہے بلکہ کاموں پر اور

حسن اخلاق پر۔ جو جوان بالوں کو گلاب سے سفید کرتے ہیں وہ اپنے ہی بوڑھے مسخرے ہیں
جو بالوں کو خضاب سے سیاہ کرکے جوان بنتے ہیں۔ کچھ عمر ایسے حیلوں سے نہیں بڑھ جاتی
پھر اِن رنگوں کے بدلنے سے کیا فائدہ ہے۔ بڈھے جو ہنستے ہیں اُن کو کیا دیکھنا ہے
اُن کی موت تو ہنس کر یٰسین پڑھ رہی ہے۔ آسمان کی چکی بڑی تیز چل رہی ہے۔
اُس میں کوئی دانہ کیا بِنا کیا پُرانا بچ کر رہے گا نہیں۔ دنیا میں جو آج الحمد پڑھ رہے
ہیں کل اُن پر یٰسین پڑھنے کی نوبت آجائے گی۔ موت کی راہ بڑی مخوف ہے۔ اے
جوان تو سو نہیں اُٹھ کارواں پل پر سے اُتر گیا۔ اسباب کو پھینک دے اور پاؤں جلد اُٹھا
تاکہ راہ میں نہ رہ جائے۔ ابھی سپیدی نہیں نمودار ہوئی ہے تو رات ہی کو جاگ۔ جوانی
ہی میں تقوے بھلا لگتا ہے۔ بڑھاپے میں تو خوبان نازنین تجھ سے ناز نہیں کرتے خواہ مخواہ
نماز میں دل لگتا ہے مطرب کہنہ چکانہ بیٹھے تو کیا کرے۔ وہ نے میں اپنے نفس کو پھونک
ہی نہیں سکتا۔ پیروں کا آئین کاہلی۔ جوانوں کی عادت رنج کشی ہوتی ہے۔ نقد بقا کے
واسطے عمل کر۔ قیمت فردا آج جمع کر۔ جو جوانی میں چراغ روشن نہیں کرتا اُس کا بڑھاپے
میں گھر تاریک رہتا ہے۔ جوانی میں زکاۃ دے۔ تیری تھیلی بھری ہوئی ہے۔ تیری
قدرسہت کی زکاۃ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ راستی سے پیش آ۔ خدا کی راہ میں اُس کو
ختم کر۔ بہتر ہے کہ جوانی میں کمان قد تواضع کے لئے بن۔ پیری میں تو خود ایسا ہو
ایک تیر قد نے کسی پیر کمان قد سے ہنسی سے پوچھا کہ یہ کمان آپ نے کتنے کو مول
لی اُس نے کہا کہ مجھ مفلس سے کیا پوچھتا ہے تیرے پاس وہ مفت آجائے گی۔

(۱۰) فصول عمر

جیسے سال کی چار فصلیں ہوتی ہیں۔ ایسی زندگانی کی بھی چار فصلیں ہیں۔
فصل اول آغاز تولد سے بیس سال تک یہ فصل بمنزلہ بہار ہے کہ جس میں رطوبت مزاج پر
غالب ہوتی ہے اور بدن کے نونہال بستان وجود میں اپنے جوارح و اعضا کی شاخیں اور

حواس و قویٰ کے پتے نکالتے ہیں اور وہ خوب بڑھتے ہیں - اور قوت پکڑتے ہیں قابلیت و استعداد و تعلیم کے شگوفے دمبدم کھلتے ہیں اور طراوت پاتے ہیں +

فصل دوم بیس سال سے چالیس تک ہے جو ایام جوانی ہیں فصلِ تابستان ہے کہ حرارت مزاج میں کمال ہوتی ہے - ہوا و ہوس کی سموم آرام سوز حد اعتدال سے باہر ہوتی ہے سعادتِ روحانی اور ہنر و کمالات انسانی قوۃ سے فعل میں آن کر شادابی و حلاوت ایسی حاصل کرتے ہیں کہ اُن کا ذائقہ دل پسند ہوتا ہے اور یہی انسان کی زندگانی کا حاصل ہے - فصل سوم چالیس سال سے ساٹھ برس تک ہے کہ اُس کو سن کہولت کہتے ہیں وہ بمنزلہ فصل خریف کے ہے کہ اُس میں میوے خاطر خواہ باغ عمر میں نہیں لگتے - اور اعضا اور جوارح کی شاخوں پر حواس اور قوت کے پتے روز بروز خشک و پژمردہ ہوتے جاتے ہیں اور جو مہینے اور برس اُن پر گذرتے ہیں وہ جھڑتے جاتے ہیں فصل چہارم ساٹھ برس سے آخر عمر تک ہے وہ فصل زمستان ہے کہ مزاج میں نہایت برودت ہوتی ہے جس میں حرکت اعضا و بدن کے کارکنوں سے بہت ہی ضعیف ہوتی ہے - زمانہ کی سردی سے دل ضعیف افسردہ ہوتا ہے اور خشکی زمانہ سے منظر کے شیشے شکستگی کی کیفیت پر پہنچ جاتا ہے +

(۱۱) اختصار مدت عمر

مدت عمر کی بیان ہے - اگر کوئی اپنی عمر کوتاہ سے واقف ہو تو اُس کو اپنی حیات ناگوار ہوتی - زندگی سے تلخ کامی جیسے کسی شخص کو اپنے مال پر زوال آنے وقت معلوم ہو جاتا گذرات دن عمر تنگ سستی اُس کے پیچھے لگ جاتا ہے - آنکھوں پر بال ہی کے خیال میں گذرتے ہیں جب جہاں جانے کا یقین ہوتا تو کیا حال ہوتا - اشعار -

کیسہ خالی اگر ہو زر سے تو ہو ۔ رنج ایسا نہیں ہے لوگوں کو
ہوں مگر نقد جاں سے کیسہ تہی ۔ ہو دشوار ہے جیسے مرد و زن

مال کے فنا ہونے کی حالت میں تو آدمی مقصد پھر اُس کے حاصل ہونے کا ہوتا ہے مگر فنا زیست کا یقین ہو تو عود حیات کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی آدمی کو اپنی عمر دراز کا حال معلوم ہوتا تو وہ دُنیا کی لذتوں میں محو ہوتا اور یہ سمجھتا کہ ابھی تو گناہوں کا اصرار کر و جب وقت آئے گا توبہ کر لیں گے۔ گناہ سب معاف ہو جائیں گے

(۱۲) موت

موت نے کر دیا ناچار و گرنہ انساں ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

سچ یہ ہے کہ جیسا انسان موت کے ہاتھ سے ناچار ہے ایسا کسی اور سے نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ حضرت آدم سے لے کر اس دم تک کوئی آدمی ایسا نہیں پیدا ہوا کہ جس نے ذائقہ موت نہ چکھا ہو دوہا چلتی چکّی دیکھ کے دیا کبیرا رو دو پاٹن کے بیچ آ ثابت بچا نہ کوئے ؎

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

ایک تانتا لگا ہوا ہے ایک کے بعد ایک چلا جاتا ہے۔ اپنے ہم عمروں کو دیکھو کہ وہ ایسے بچھڑے ہیں کہ پھر کبھی ملنے کی امید نہیں وہ ہماری طرح سے چلا پھرا بولا کرتے تھے مگر اب نہ ان پاؤں کا پتا ہے نہ زبان کا نشان ہے۔ اُن کو کیڑے کھا گئے ہیں دانتوں کو مٹی چاٹ رہی ہے۔ سارے جوڑ ٹوٹے پڑے ہیں دہن شکستہ۔ دندان ریختہ زبان بستہ۔ سارے اعضا زخم خوردہ مرغِ روح رمیدہ۔ سبزہ حسرت بر رنگ دمیدہ۔ خاک تیرہ بر خواب خیرہ خانماں خراب منزلِ مکان سرلب۔ بدن کے پرزے پرزے۔ ہڈیاں آڑی۔ نہ کوئی یگانہ و بیگانہ پاس کیڑے مکوڑے آس پاس۔ انسان کے حق میں موت نعمتِ عظمیٰ ہے۔ وہی اس کی تمام غفلتوں پر تازیانہ لگاتی ہے۔ خدا کا خیال دلاتی ہے اگر موت نہ ہوتی تو نہ وہ خدا کو یاد کرتا۔ نہ کسی اور بُرے کام سے ڈرتا۔ باوجودیکہ انسان کے پیچھے روزِ آفرینش سے تا دمِ مرگ ہزاروں خطرے آفتیں مصیبتیں لگی ہوئی ہیں۔ مگر اُن میں بھی اس کو وہ لذت آتی ہے کہ اس دُنیا کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا ؎

نہیں جز بے مرگی کوئی عزا دنیا میں پر مزہ دار بنا دیتے ہیں غفلت کے مزے

جب زندہ تھا تو کہتا کہ ؎ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے   ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
مگر جب موت آتی ہے تو دنیا کے چھوڑنے کے وقت بڑے حسرت و افسوس کرتا ہے
اگر موت پر انسان کو قدرت ہوتی ؎
نفسِ بے مقدور کو قدرت ہو اگر تھوڑی سی ٭ دیکھ پھر سامان اِس فرعون بے سامان کا
موت سب کو برابر کر دیتی ہے ؎
کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے   خاک میں جب مل گئے دونو برابر ہو گئے
اب موت کا آنا ناگزیر ہے۔ اب یہ سوچنا چاہئے کہ بعد مرگ وہ کونسی یادگار اچھی ہے جو چھوڑنی چاہئے۔ اِس کا ذکر آگے دیکھو٭

(۱۲۳) آدمی کو مرنے کے بعد کونسی یادگار چھوڑنی سب سے اچھی ہوتی ہے

جب آدمی کی روح آب و خاک کے لباس سے مجرد ہو اور جسم اُس کا زندانِ عدم میں قید ہو اُس کی خاک خاک میں مل جائے۔ اور تمام کاموں سے اُس کو کوتاہ دست کر دے تو تین چیزیں اُس کی باقی رہ سکتی ہیں اول صدقہ جاری یعنی خوان جو ایسا آراستہ کرے کہ جس سے اخوانِ قوت و قوّت پائیں۔ دوسرا علم جو نفع پہنچائے۔ یعنی اندھیرے میں ایسا نور جو کبھی گھٹے نہیں روشن کرے جو اوروں کا شمع و چراغ جان بنے۔ تیسری اولادِ صالح یہ تینوں باتیں اس تصنیفات میں پائی جاتی ہیں کہ جو فائدہ عام پہنچاتی ہے۔ اس کا نفع متعدی ہونہ لازمی اِس واسطے کہ تصنیفات کے صدق گفتار سے کونسا زیادہ صدقہ جاری ہوگا۔ اور دستر خوانِ تو اجسام کے لئے بچھتے ہیں۔ یہ تصنیفات کا دستر خوان ارواح کے لئے بچھتا ہے۔ اور میزبان تو وہ چیزیں کھلاتے ہیں جو طبیعت میں گرانی کرتی ہیں مگر تصنیفات کا مائدہ تو جانوں کے روبرو بچھتا ہے جو اُس سے محظوظ ہو کر مسرور ہوتی ہیں۔ علم کا نفع تو خاص اِس میں موجود ہوتا ہے۔ فرزند سعادت مند تصنیفات سے زیادہ کون ہوگا۔ کیونکہ وہ جوہر سینہ سے ترتیب پاتے ہیں نہ اجسام مرکب سے ترکیب

پاتے ہیں۔ جو عاقل فرزانہ ہیں وہ فرزند فرزانگی کی نسل کو نہیں قطع کرتے۔ بلکہ اُن جسمانی فرزندوں کی پروا نہیں کرتے جو جسمانی ہوتے ہیں۔ وہ تو روحانی فرزندوں کی پرورش و ترتیب میں اپنی ہمت صرف کرتے ہیں۔ پس جو تصنیفات کہ نفع عام پہنچائے اُس سے بہتر کوئی یادگار نافع انسان کے لئے نہیں ہو سکتی۔ عمارات جو یادگار رکھنے کے لئے بنائی جاتی ہیں اُن کا حال ایسا پائدار نہیں ہوتا جیسا کہ تصنیفات کا

باب یازدہم

حکایات

(۱) اندھوں کی کہانی

ملک غور کے قریب ایک بڑا شہر تھا اُس میں سب آدمی اندھے رہتے تھے۔ ایک بادشاہ کا وہاں گذر ہوا اور اُس کا لشکر وہیں خیمہ زن ہوا۔ اُس میں ایک ہاتھی بھی بڑا ہیبت ناک تھا۔ اندھوں نے سُنا کہ لشکر میں ایک عجیب جانور آیا ہے جس کا نام ہاتھی ہے۔ انھوں نے کبھی پہلے اُس کا نام بھی نہ سُنا تھا۔ اِس لئے انھوں نے آپس میں کہا کہ اُس کو پہچاننا اور ٹٹول کر دیکھ لینا ضرور ہے۔ غرض اُن میں سے چند اندھے تلاش کر کے اُس پاس پہنچے اُس کو ٹٹول ٹٹول کر اور ہاتھوں سے مل مل کر دیکھنے لگے۔ بعض کا ہاتھ اُس کے پاؤں پر پڑا اور بعضوں کا دانت پر اور بعضوں کا کان پر۔ ہر ایک نے اپنے خیال میں ہاتھی کی صورت کا تصور باندھ لیا۔ جب وہ پھر کر اپنے اہل شہر کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھنا شروع کیا کہ ہاتھی کیسا جانور ہے۔ ہر ایک نے مختلف جواب دیا۔ جس نے پاؤں ٹٹولا تھا اُس نے تو یہ کہا کہ ہاتھی ایک کھُردرے سُتون کے موافق ہے مگر اُس سے کچھ نرم ہوتا ہے۔ جس نے دانت کو ہاتھ لگائے تھے اُس نے کہا کہ جیسا یہ شخص کہتا ہے ہاتھی ایسا نہیں بلکہ وہ سخت ہوتا ہے نرمی اُس میں نام کو بھی نہیں ہوتی چکنا ہوتا ہے کھُردرا نہیں ہوتا

موٹائی میں ستون جیسا نہیں موسل جیسا ہوتا ہے جب نے کان ٹٹولا تھا اس نے کہا کہ وہ کھُردرا اور نرم ہوتا ہے مگر موسل اور ستون کی طرح نہیں ہوتا موٹے چمڑے کی طرح پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اب اگر ان سب بیانوں کو دیکھو تو من وجہ وہ سچ ہیں کیونکہ جس قدر جس کو معلوم تھا اُس نے بیان کیا۔ اور سب نے ہاتھی ہی کے اوصاف کہے مگر سب بیان میں قصور ہے۔ پس یہی خدا تعالیٰ کی ذات کا حال ہے۔ کہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے ہر ایک اپنے علم کے موافق اُسے بیان کرتا ہے۔ اُس کی ذات کے بیان میں جو اختلافات ہیں وہ اسی قسم کے ہیں بعض نے اس داستان کو یوں بیان کیا ہے کہ اندھیرے میں ہاتھی تھا اُس کو آنکھوں والوں نے جاکر اس طرح دیکھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے نتیجہ دونوں کا ایک ہے +

(۲) حکایت احول

ایک استاد نے اپنے احول شاگرد سے کہا کہ گھر کے اندر جاکر شیشہ لا۔ یہ حکم سنتے ہی وہ گھر میں گیا اور پھر وہاں سے آن کر استاد سے کہا کہ وہاں دو شیشے ہیں جس کا پتا دیجئے وہ لے آؤں۔ اُستاد نے کہا کہ وہاں دو شیشے نہیں ہیں ایک ہی ہے۔ اپنی احولی کو چھوڑو اور افزوں بین نہ ہو۔ شاگرد نے عرض کی حضرت مجھ پر احول ہونے کا طعنہ نہ کیجئے۔ استاد نے کہا کہ ایک شیشہ کو توڑ ڈال اور دوسرے کو لے آ۔ اُس نے جب ایک شیشہ توڑ ڈالا تو دونوں شیشے اُس کی نظر سے غائب ہو گئے۔ پس یہی حال انسان کا ہے کہ اُس کو خشم و شہوت نے احول کر رکھا ہے اور استقامت سے روح کو مبدل +

(۳) حکایت

اونٹوں کی قطار جاتی تھی۔ اُن میں سے ایک شتر مست ہو کر بیابان میں بھاگا۔ اور ایک ناداں کے پیچھے پڑا۔ نادان آگے آگے اور شتر پیچھے پیچھے بھاگتا تھا۔ رستہ میں چاہ آیا مرد اس میں پناہ کے لئے گھاس کو ہاتھ میں پکڑ کر لٹکا۔ کنوئیں کی تہ

جو دیکھا تو ایک اژدہا منہ کھولے پڑا ہے۔ اُس کے پاؤں کے نیچے چار سانپ سو رہے ہیں اور ایک کالے سفید چوہوں کا جوڑا گھاس کو کتر رہا ہے جس سے آدمی کنوئے میں نیچے گر پڑے۔ مرد ناداں نے جب یہ حال بد دیکھا تو کہا یارب یہ کیا حالت ہے۔ میں کیا کروں میں اژدہے کے منہ میں جاؤں۔ یا سانپوں سے کٹواؤں۔ شتر مست بر سر چاہ کھڑا ہے۔ یہ کہہ رہا تھا کہ گھاس کے ایک کونے میں ترنجبین لطیف دیکھی کہ موجود ہے۔ اُس نے اس میں سے تھوڑی لے کر منہ میں ڈالی جس کی لذت سے وہ بیہوش ہو گیا اور سارا خوف فراموش۔ پس ہر انسان سمجھ لے کہ وہ مرد ناداں میں ہوں اور دُنیا چاہ ہے۔ چار طبیعت چار سانپ ہیں اور وہ سیاہ سفید چوہے رات دن ہیں کہ ہر دم عمر کی جڑ کو کاٹتے ہیں۔ تہ چاہ میں جو اژدہا ہے وہ گور تنگ ہے۔ سر چاہ پر شتر مست موت ہے جو منتظر کھڑی ہے۔ گھاس عمر یعنی زیست ہے۔ ترنجبین شہوت ہے جس نے دونو جہان سے غافل کر دیا ہے۔

(۴) حکایت دنیا کی حقارت

ایک دیندار نے عاجز ہو کر ایک مالدار سے دینار کا سوال کیا۔ اُس ناہنجار نے کچھ جواب نہ دیا جب اُس مردار سے دو تین دفعہ سائل نے سوال کیا تو اس کا جواب یہ دیا کہ اگر تو حق پرست ہے تو چپ لگا اور دین و دُنیا دونو حق سے طلب کر۔ دیندار نے جواب دیا کہ دین خوب ہے اور دنیا زشت ہے۔ خدا سے نیک چیز طلب کرتا ہوں اور تجھ سے زشت۔ کیونکہ حق سے حق اور باطل سے باطل طلب کرنا چاہیے۔ تو باطل ہے اور میں حق پر ہوں۔ اپنا حصہ تجھ سے طلب کرتا ہوں۔ دین کو دل دے رکھا ہے کہ حق اُس کی پرورش کرے۔ اور وہ حق کے سامنے اپنا درد بیان کرے۔ اگر بدن کا غم لگا ہو تو دین نہیں حاصل ہو گا۔ دین کا کابین طلاق تن ہے۔

(۵) حکایت بقال

ایک بقال کی دکان میں مال بہت تھا۔ شکر کے خم کے خم بھرے تھے اور گل بھی کھانے کی تھی۔ ایک بیوقوف شکر مول لینے اُس کی دکان پر آیا۔ بقال کو ایک درم دیا۔ اور کہا کہ اس کی شکر دے دے۔ بقال نے ترازو اُٹھائی۔ تو اُس میں پاسنگ کا پتھر نہ تھا اس لئے اُس نے گل کو پاسنگ میں چڑھا کر دھر لیا۔ اور بیچ چڑھایا۔ مگر اس احمق نے اس گل کو چرایا تو بقال مسکرایا کہ اُس مسکین کو یہ خبر نہیں کہ جتنی گل ایک پلڑے میں سے چراؤں گا اتنی شکر دوسرے پلڑے میں کم چڑھے گی۔ یہ اپنے زیان کو سود جانتا ہے۔ پس اہلِ دنیا بھی اس بھول میں پڑے ہوئے ہیں کہ سود کے واسطے زیان کے سامنے اس جہان کے بدلے میں اُس جہان کو دے کر برباد ہوتے ہیں ❖

(۶) بہرہ کی عیادت ہمسایہ کی

ایک فرزانہ نے بہرے کو اشاروں میں کہا کہ تیرا ہمسایہ بیمار ہے۔ یہ سمجھ کر بہرے نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے اس بیمار کا حال کیا معلوم ہوگا خصوصاً ایسی حالت میں کہ بیماری کے سبب اُس کی آواز اور ضعیف ہوگئی ہوگی۔ مگر وہاں جانے میں کچھ برائی نہیں جب اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھوں گا تو میں اپنی عقل سے قیاس کرلونگا کہ وہ کیا کہتا ہے جب میں اُسے پوچھوں گا کہ آپ کا کیا حال ہے تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں خوش و نیک ہوں تو میں جواب میں کہوں گا کہ شکر ہے۔ پھر اس سے پوچھوں گا کہ آپ نے کیا کھانا کھایا تو وہ کوئی شربت یا کوئی کھانا بتلائے گا تو میں کہوں گا کہ اُس سے خدا تم کو صحت دے۔ پھر پوچھونگا کہ کون طبیب تمھارا علاج کرتا ہے تو وہ کسی طبیب کا نام لے گا تو میں کہوں گا کہ وہ بہت مبارک قدم ہے۔ اُس کے علاج سے آپ کو آرام ہو جائے گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ جس کا علاج کرتا ہے اچھا ہو جاتا ہے۔ یہ قیاسی جواب اُس نے اپنے دل میں ٹھہرا لئے۔ مگر وہاں سب باتیں بالعکس ہوئیں۔ بیمار کی خاطر اس بہرے سے رنجیدہ ہوئی۔ یہ بہرہ جب بیمار کے پاس آیا اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے تو اُس نے کہا کہ مرتا ہوں

اُس نے کہا شکر۔ اُس پر بیمار بے مزہ ہوا کہ یہ شخص میرا دشمن ہے جو ایسی بات پر شکر کرتا ہے۔ پھر پوچھا کہ کیا کھایا بیمار نے جواب دیا کہ زہر اُس نے کہا کہ نوشت باد۔ اُس پر بیمار اور بگڑا۔ پھر پوچھا کہ کون طبیب علاج کرتا ہے اُس نے کہا کہ عزرائیل اس نے کہا کہ اُن کا قدم تو بڑا مبارک ہے تم کو بہت خوش ہونا چاہئے کہ ایسا طبیب حاذق مل گیا میں اُس سے ابھی مل کر تمہارے پاس آیا ہوں اور اُس پر تاکید کر دی کہ تمہارا علاج بڑی غم خواری کے ساتھ کرے۔ اب یہ بہرہ اپنے گھر پر بڑا خوش آیا۔ اپنے بہرے ہونے کے سبب سے سارے قیاس اُس کے معکوس تھے۔ بیمار نے کہا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ بہرا میرا دشمن ہے۔ عیادت دل آرامی کے واسطے ہوتی ہے یہ عیادت نہیں ہے بلکہ عداوت ہے کہ اپنے دشمن کو آدمی زار و نزار دیکھے جس سے اُس کی خاطر قرار پائے۔ بس یہی حال بہرے کا سا لوگوں کا ہے کہ بدی کرتے ہیں اور نکوئی جانتے ہیں خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے خدمت کی ہے ہمسایہ کا حق ادا کیا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے آگ جلائی ہے اور اُس سے ہمسایہ کا دل جلایا ہے۔

(۷) حکایت حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے لئے آشنا کا آنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک دوست ان سے ملاقات کو تشریف لائے۔ اور حضرت کو اُن کے بھائیوں کے جور اور حسد کی باتیں یاد دلائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم کو قضا سے کچھ گلہ نہیں ہے۔ میں شیر تھا وہ زنجیر تھے۔ شیر کو زنجیر سے کچھ ننگ و عار نہیں۔ شیر کے گلے میں گو زنجیر پڑ جائے تو بھی وہ زنجیر سازوں پر غالب ہی ہوتا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا کہ آپ پر زندان اور چاہ میں کیا گذرا۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ پر وہ گذرا جو چاند پر محاق میں گذرتا ہے۔ اگرچہ وہ اُس سے ہلال ہو جاتا ہے مگر پھر تھوڑے دنوں میں بدر ہو جاتا ہے۔ موتیوں کو ہاون میں کوٹتے ہیں تو بھی وہ دل اور آنکھوں کے نور کا باعث ہوتے ہیں۔ خاک کے تلے گیہوں کے دانوں کو دباتے ہیں تو خاک سے اُن کے خوشے اٹھتے ہیں

اور پھر اُن خوشوں کو چکی میں پیستے ہیں تو اُن کی قیمت کو بڑھاتے ہیں اور پھر جب اُن کی روٹی کو دانتوں تلے چباتے ہیں تو عقل وجان وفہم کو وہ سود مند ہوتے ہیں اسی طرح جتنی مصیبتیں مجھ پر پڑیں میں بہتر ہوتا گیا۔ اب میرے لیے عنایت فرمایئے فرمایئے کہ میرے لئے کیا ارمغاں لائے ہیں کیونکہ دوست پاس خالی ہاتھ جانا ایسا ہے جیسے کہ چکی پاس بن گیہوں کے جانا۔ دوست نے کہا کہ میں نے آپ کے واسطے بہت سے ارمغاں تلاش کیئے مگر کوئی آپ کے لائق میری نظر میں نہیں آیا جو لاتا۔ کان کے پاس حبہ اور دریا کے پاس قطرہ کیا ہدیہ لاتا — دل وجان آپ کے لئے ہدیہ میں دینا ایسا ہے جیسے کرمان کو زیرہ۔ میرے نزدیک کوئی دُنیا میں تحفہ آپ کے لئے بہتر نہیں تھا۔ اس لئے میں نے یہی تحفہ لائق دیکھا کہ آئینہ لے جاؤں جس میں آپ اپنا رُوئے خوب دیکھیں اور مجھے یاد کریں یہ کہہ کر بغل سے آئینہ نکال کر رکھ دیا۔ روئے خوب آئینہ سے مشتعل ہوتا ہی +

باب دوازدہم

ضمیمہ متفرقات

(۱) علم تاریخ کے فوائد

انسان اپنی عقل اور حواس سے کو جانتا ہے کہ جتنی چیزیں کہ محسوسات میں داخل ہیں اُن میں بعض مشاہدات ہیں باقی اور مسموعات۔ اب یہ سب عقلمند جانتے ہیں کہ عالم کا احوال ہم فقط عقل سے جیسا کہ چاہیے نہیں دریافت کر سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کوئی اُس کا رہنے والا اہل دنیا کے حالات اور واقعات مشاہدہ کرے اور اُن کی خیر وشر کو اپنی آنکھوں سے معائنہ کرے پس معلوم ہوا کہ عالم اور اہل عالم کا احوال اور اوضاع واطوار کا علم اسی علم سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ عالم

نہیں ہوا اور وہ علم تاریخ کا علم ہے۔

حواس انسانی میں سمع و بصر کا مرتبہ بڑا ہے جیسے کہ آنکھیں حسن صورت کو دیکھ کر محظوظ ہوتی ہیں اور کبھی اُن سے ملول نہیں ہوتیں ایسے ہی کان خبروں کے سُننے سے محظوظ ہوتے ہیں اور اُنکو ہر لحظہ مسرت اور خوشی اُن سے حاصل ہوتی ہے اسلئے کہ انسان کی جبلت میں اخبار و استخبار داخل ہے۔ اور اُس کی طبیعت میں رغبت اور میلان موجود ہے اسلئے وہ انسان کو علم تاریخ سے خوشی اور بشاشت حاصل ہوتی ہے اور دل سے ملالت و کلفت دور ہوتی ہے۔ کان کبھی خبروں کے سُننے سے نہیں تھکتے مثل مشہور ہے کہ لا یشبع العین من نظر و السمع من خبر و الارض من مطر (آنکھیں دیکھنے سے کان سننے سے زمین بارش سے کبھی سیر نہیں ہوتی) جب آدمی کو فن تاریخ میں مہارت حاصل ہوگی حق اور باطل میں تمیز حاصل ہوگی۔ اسلئے کہ اُس کے سامنے اقوال مختلفہ پیش ہوتے ہیں تو وہ اُنمیں سے جس بات کا راوی ثقہ اور معتبر جانے گا اُس کو سچا جانے گا اور اُس کے برخلاف کو جو ہوگا اُسے جھوٹا۔

(۴) فن تاریخ میں باوجودیکہ بہت فائدے ہیں لیکن اُس کی تحصیل میں بہت محنت و مشقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ اس علم کی بنا حفظ کرنے پر ہے۔ جب آدمی واقعات گذشتہ کا محافظ ہو تو اُن کی تتبع کرنے سے وہ اپنے مقصد و مطلب تک جلد پہنچ سکتا ہے۔

فضائل انسانی میں تجربہ بھی داخل ہے اور اُسی کے سبب سے انسان کی عقل اور رائے کو پختگی اور کمال حاصل ہوتا ہے۔ حکما نے عقل کے مرتبے مقرر کئے ہیں اور پھر اُن کے مناسب نام رکھے ہیں چنانچہ ایک عقل کا نام عقل تجاربی رکھا ہے۔ پھر تجربے کے تین درجے مقرر کئے ہیں۔ اول یہ کہ ایک شخص خود کوئی کام کرے جس کا نفع اور ضرر اُسی کی ذات پر عائد ہو دوم دوسرے کو دیکھے کہ وہ ایک کام کر رہا ہے جس کا نیک و بد اُسی کی طرف راجع ہے سوم احوال متقدمین کا سُن کر معلوم کرے کہ اُن کی نحوست و سعادت و عطا و بلا کے کیا کیا اسباب تھے۔ ان تینوں درجوں میں اس سے بڑھ کر تجربہ کا کوئی درجہ نہیں ہے کہ

کوئی شخص خود ہی صاحب واقعہ ہوا ور بذاتہ تجربہ کیا ہو لیکن تاریخ میں اخبار سلف موجود ہوتے ہیں اور اُن پر اعتبار ہو سکتا ہے کہ کیا کیا پہلے تجربے ہوئے۔ اس لئے یہ تجربہ نائب اور قائم مقام درجہ اول کا ہو سکتا ہے۔ جب کسی گروہ کی حزم و کاردانی کی حکایت ایسی پڑھی جائے گی کہ جس سے اُس کو کامرانی اور فوز مطالب اور حسن عاقبت حاصل ہوئی تو جو عقلمند ہوشیار ہیں اُس کا اقتدا کریں گے اور اپنے کاموں میں بھی اس تجربہ کو کام میں لاکر بخیر و خوبی اُن کو انجام دینگے۔ اور جب کسی قوم یا جماعت کی سستی تدبیر اور ضعف رائے و غفلت و نادانی دیکھیں گے کہ جس سے اُن کی شامت آئے کہ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔ پر عمل کریں گے۔ غرض اوروں کے تجربہ کو کام میں لاکر اپنا مطلب نکالیں گے ❊

علم تاریخ میں جو تامل و غور کرتے رہتے ہیں اگر کوئی واقعہ اُن کو پیش آتا ہے تو وہ اُس کے لئے پہلے عقلاء عالم کے ساتھ مشورہ کر سکتے ہیں اور اس قسم کے شورہ کی برتری ابناء عصر کی مشورت پر ظاہر ہے اس لئے کہ اکابر پیشیں کا تجربہ بے غرض خاص مصلحتوں کی رعایت سے مشورہ دیتا ہے۔ اہل زمانہ مشورت دینے میں اس میں اپنے منافع کو غیر کے منافع پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنے احوال کے صواب اندیش زیادہ تر بہ نسبت غیر کے ہوتے ہیں اس سبب سے مشورہ مذکورہ سابق بہ نسبت مشورہ حال کے اولیٰ اور انفع ہوتا ہے۔ پس جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے اور علم تاریخ سے اُس کا استکشاف کیا جاتا ہے تو تمام عقلا کا نتیجہ عقل اُس میں شامل ہوتا ہے۔ غرض جو چراغ پہلے لوگ روشن کر گئے ہیں اُن کی روشنی میں چلنے سے وہ گمراہ و سرگشتہ و پریشان نہیں ہوتا۔ علم تاریخ زیادتی عقل کا سبب اور ازدیاد فضل کا واسطہ اور صحت رائے و تدبیر کا وسیلہ ہوتا ہے۔ بزرجمہر حکیم نے لکھا ہے کہ علم تاریخ رائے صواب کا مؤید و معین ہے۔ اس لئے کہ احوال سلف کا علم خلف کی صحت رائے کے لئے شاہد عدل اور گواہ فضل ہے ❊

جو شخص علم تاریخ سے ماہر ہوگا جب کوئی سخت حادثہ اس کو رونما ہوگا تو وہ اُس سے مضطر و بیقرار نہ ہوگا۔ وہ زمانہ گذشتہ کی تاریخ میں دیکھ چکا ہے کہ انسانوں کو ہزاروں دفعہ مشکل معاملات پیش آئے مگر وہ آسان اور سہل ہوگئے ہیں اسلئے وہ مصیبت و صعوبت میں اپنی توقع فتح کو منقطع نہیں کرے گا۔ زمانہ ہزاروں رنگ دکھاتا ہے جس میں سے ہمارے تصور میں ایک بھی نہیں ہوتا *

اخبار تواریخ پر جو شخص مطلع ہوگا وہ رضا اور صبر پر فائز ہوگا جب وہ انبیاء کرام اور رسل عظام کے حالات کو دیکھے گا کہ کیسے کیسے مصائب سخت ان پر واقع ہوئے اور کس صبر و رضا سے انھوں نے اُن کو جھیلا۔ یہ بھی اسمیں یہ اوصاف پیدا کرے گا *

سلاطین اور بادشاہ اور ارکانِ دولت اور اعیانِ مملکت کو اُن غرائب انقلابات اور عجائب تحویلات پر علم تاریخ سے اطلاع ہوگی۔ تو وہ اُس میں خدا کی یہ قدرت دیکھیں گے کہ نعمت و نقمت و محبت و محنت کو کچھ بقا نہیں ہے۔ تعاقب اقبال پر مغرور اور تواتر ادبار پر ملول نہ ہونا چاہیئے۔ اصحاب قدرت پر یہ امر ظاہر ہوجائے گا کہ امور جہانداری میں نیکوکاری کے کیا ثمرے ہیں اور بدکاری کے کیا پھل ہیں۔ وہ یہ جان کر مذموم کاموں سے بچیں گے اور محمود کاموں کی طرف رغبت کریں گے

(۳) علم تاریخ کی احتیاج سب سے زیادہ ارباب فرمان کو ہے

اہل فرمان سے زیادہ کوئی فرقہ فن تاریخ کا محتاج نہیں ہے اُس کی یہ وجوہ ہیں اول مصالح کلیہ عام کی اہل فرمان کی رائے و رویت پر مفوض ہیں وہ مامور اور مکلف ایسی بات پر ہوتے ہیں کہ خیر کے کام کریں اور شر کے کاموں سے آدمیوں کو بچائیں اس لئے اُن کو وقائع اور حوادث ملکی و مکائد حروب و تدابیر اصحاب رائے سے چارہ نہیں ہے اور یہ تمام حالات فن تاریخ ہی سے معلوم ہوتے ہیں دوم جب وہ اس فن میں تامل کریں اور جب محصول مہمات اور جریان امور ملوک سابقہ و حکام گذشتہ کا اُن کے کان میں

پہنچے گا تو وہ محاسن اخلاق عدل و رافت و رعیت پروری اور جو اسباب بقاء ملک داری ہیں اُن میں کوشش کرینگے اور جو باتیں کہ موجب محنت و آفت و زوال منصب و دولت حکومت کا ہونگی ان سے اجتناب و احتراز کرنا واجب جانینگے۔ اور جو صاحب بلند ہمت ہونگے وہ لوگوں کی خوش اخلاقی میں کوشش کرکے چاہینگے کہ ہم وہ کام کریں کہ جن سے قوم سابق سے زیادہ فائق ہو جاویں۔ سوم جب اہل دل کے معاملات میں طبیعت الجھتی ہے اور پریشان ہوتی ہے تو تاریخ کے سننے سے اُن کی پریشانی دور ہو جاتی ہے۔

(۳) علم تاریخ پر اعتراض

اکثر جاہل علم تاریخ پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مورخ کی برابر کوئی جھوٹا نہیں ہوتا۔ تاریخ و اخبار پر اعتبار کرنا نہیں چاہیئے وہ سارے قصوں اور افسانوں سے بھری ہوئی ہیں اور جب خبر کی شان یہ ہو کہ اُس میں جھوٹ سچ کا اور خطا و صواب کا احتمال ہو تو پھر انہیں سچ کی تمیز کرنی دشوار ہے اور اُس سے کوئی فائدہ بھی نہیں حاصل ہوتا لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس علم کی بنا راستی پر رکھی گئی ہے جو علماء اخبار ہیں وہ افترا اور کذب کو اپنے کلام میں نہیں داخل ہونے دیتے اور نہ اُن کو مفتریات اور مصنوعات کے داخل کرنے کی جرأت ہوتی ہے وہ وہی باتیں لکھتے ہیں جن کی نوبت تواتر کو پہنچ گئی ہے اور وہ سب طرح سے خلل اور زلل سے محفوظ ہیں۔ اگر کوئی مفتری کذاب اپنے دل سے گھڑ کر خبیث معاملات ناموجہ کا بیان اکابر سلف پر لگاتا ہے اور اُن اوراق پر نقش کر دیتا ہے تو اس علم کے جو نقاد ہیں وہ اُس کے افترا اور بہتان کو ظاہر کر دیتے ہیں تاکہ سب پر ظاہر ہو جائے کہ یہ تصنیف بے توصیف سر بسر حشو و لغو ہے *

(۴) تدوین علم تاریخ کے لئے کیا شرائط ضرور ہیں

سب عاقل عالم جانتے ہیں کہ تصنیف کرنا اور تالیف سے شغل کرنا خود ایک امر بزرگ ہے خصوصاً جمع و ترتیب تاریخ اور زیادہ دشوار ہے اس سبب سے کہ وہ پادشاہان ذوی الاقتدار اور امرائے عالی مقدار کی اور علماء و فضلاء کی نظر سے گذرتی ہیں بس جہاں مصنف

زائچہ کا دین اُس پر لعنت ملامت ہونے لگتی ہے۔ اس لئے تاریخ لکھنے کے لئے یہہ چند شرائط ضروری ہیں *

شرط اول تاریخ نویس سالم العقیدہ و پاک مذہب ہو کیونکہ بہت سے بے دین مشہور و مجہول اور مردود و مقبول باتیں اپنی تصنیفات میں داخل کرکے آدمیوں کو فریب دیتے ہیں اور جس شخص کو ان کے اصل کید خداع پر اطلاع نہیں ہوتی وہ اُسکی سب باتوں کو صحیح جانتا ہے

شرط دوم۔ مورخ جو کچھہ لکھے وہ بیان واقعہ ہو اور تمام حالات کو قید کتابت میں لائے جیسے اعیان اور اکابر کے فضائل و خیرات و عدل و احسان کا بیان ہو ایسے ہی اُن کے رذائل اور عیوب کا ذکر ہو۔ اُن میں سے کوئی چھپایا نہ جائے اگر دوسری بات کو بالتصریح نہ بیان کر سکے تو رمز و کنایہ و ایما و اشارے سے بیان کرے

شرط سوم۔ مورخ افراط تفریط سے خالی ہو۔ اپنے جلب منفعت اور دفع مضرت پر نظر نہ ہو بلکہ صدق معاملہ اور صحت واقعہ پر توجہ ہو۔

شرط چہارم۔ تاریخ نویس جو کچھہ لکھے اُس میں تکلف و بناوٹ نہ ہو اور سیاق کلام السیاق اختیار کرے کہ اُس کے کلمات وافی اور تقریرات شافی ہوں اور عبارت پاک سلیس عام فہم ہو اور رکاکت کلمات و دنائت الفاظ اور لغات نازلہ و عبارات سافلہ کے استعمال اور اجتناب لازم جانے تاکہ ہر ایک آدمی عوام میں سے بقدر اپنی عقل و فہم کے اس سے لطف اُٹھائے۔ ایسی تالیف اکثر مقبول ہوتی ہیں اور یہ نہیں ہوتا کہ وہ تھوڑے دنوں کے بعد مردود ہو جائیں +

شرط پنجم۔ تاریخ نویس امانت و دیانت میں معروف اور صدق گفتار اور حسن کردار میں مشہور ہو کیونکہ قضا یا سلاطین کوئی سند نہیں رکھتے سوا اس کے کہ کسی معتبر و متدین شخص سے سُنے جائیں پس مورخ پر یہ اعتبار ضروری ہونا چاہیے کہ وہ اپنی راستی کو دنیا کے لئے نہیں فروخت کریگا اور جھوٹ لکھہ کر اپنے تئیں بدنام نہیں کرے گا +

(۵) قدیم ویران عمارتیں

آدمی کو اُن ویران عمارتوں کو بھی دیکھ کر عبرت پکڑنی چاہئے اور نفس کو جو ہوا و نفسانی میں اُڑ رہا ہے اُس کے کان میں یہ آواز پہنچانی چاہئے کہ یہ وہی عمارتیں ہیں جنھیں کل سلاطین ذی شان بنتے تھے آج وہ بے نشان ہیں جہاں اُن میں گل ریزی ہوتی تھی وہ خارزار ہیں جن میں لاکھوں چراغ روشن ہوتے تھے وہ بے چراغ ہیں۔ وہ لوگ کہاں مٹ گئے جو سو شوق و ذوق سے یہ در و دیوار بناتے تھے۔ اپنی عمر کی سُست بنیادی کا کبھی خیال نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے اِن حصاروں کے بنانے میں سیکڑوں گناہوں کے حصار بنائے۔ اور اُن کے برج بناکے اپنی مباہات کے برج اڑائے۔ اُن درگاہوں کے بنانے میں اُنھوں نے اپنے لئے خدا کی محبت کا دروازہ بند رکھا۔ یہ وہ دہلیزیں ہیں کہ جن پر صبح و شام خلقت کا اژدحام امیروں اور وزیروں کے انتظار میں رہتا تھا۔ اِن حصاروں سے کیا گیر و دار کی آواز نکلتی تھیں وہ سب خاک میں مل گئے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ قوم کہاں مٹ گئی اور کہاں چلی گئی وہ سب گئے اور اُن کے خانمان کوئی متمتع اِن عمارتوں سے نہ لے گئے۔ اے غافل تو بھی انسان ہے اور اُن کے ساتھ خلقت میں یکسان ہے۔ کل مرگ بے امان کی سیل تجھے بھی مٹائے گی اور عالم فنا میں لے جائے گی نہ تیرا نام رہے گا نہ نشان نہ مغز نہ استخوان پس ہوشیار ہو خدا سے دل لگا۔ مرگ کو یاد کر۔

(۶) نجوم و فال و شگون

ایک گروہ آدمیوں کا ایسا ہے کہ وہ نجوم و فال و شگون سے احکام لگاتے ہیں گردش نجوم کا حساب کرتے ہیں مہ و سال سے سعد و نحس کی فال نکالتے ہیں انجم و افلاک کی جاسوسی کرتے ہیں جو معلوم ہوتا ہے اُس کو قلم سے تختہ و خاک پر لکھتے ہیں اپنے اپنے حکم لگانے میں خود رائے و یاوہ سرا ہوتے ہیں۔ فریب و زرق کا دم بھر کے رزق پیدا کر لیتے ہیں نگران کار ہیں۔ حکیم جالینوس کو وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کوس پر فغاں اور

تہی میان تھا اس حکیم بے بضع کی وضع اختراع سے ناواقف ہیں کہ آخر جو اُس نے جنم پترہ بنانے کے قواعد شرف و وبال وصعود و ہبوط پر موقوف رکھے ہیں اُس نے راہ دکھلائی ہے مگر دروازہ بند رکھا ہے۔ اُسنے اپنے عمل تباہ سے ایک خلق کو سرگردان کیا ہے۔ جب انسان عدم سے وجود میں آتا ہے اُس کا خانہ نحس و سعد ماں باپ کا گھر ہوتا ہے۔ آسمان پر کوئی ستارہ نہیں ہوتا۔ اُسے بہن بھائیوں سے کام پڑتا ہے وہی اُس کے رنج و غم کے سبب ہوتے ہیں۔ پھر شادی ہوتی ہے۔ اولاد ہوتی ہے۔ وہی خانۂ دوست و خانۂ دشمن سمجھو۔ غرض یہ ساری شادی و غم و درد و الم۔ دوست دشمن سعد و نحس گھر میں موجود ہیں۔ آسمان پر تلاش کرنے کیوں جاتے ہو۔ اور بیہودہ باتیں بناتے ہو۔ ایک بادشاہ نے ایک منجم کو بلاکے اپنے آگے بٹھایا۔ اُس سے باتیں نجوم کی کیں بادشاہ بڑا زیرک اور نہایت ہی تھا۔ اُس نے منجم سے کہا کہ اپنی تقویم کو خوب دیکھ بھال کر ایک دن ایسا تجویز کر کہ کواکب کمال پر ہوں اور وبال سے بالکل خالی — طالع کو سراسر شرف ہو کوئی نکبت کی نشانی نہ ہو۔ اُس وقت خوشی خوشی میرے پاس آؤ کہ میں تم کو خلعت دولت دوں اور فقر و فاقہ تمہارا دور کروں یہ احمق منجم تقویم میں ایسا وقت دیکھ کر بادشاہ کے روبرو گیا جب بادشاہ نے اُسے دل شاد دیکھا تو اُس کی گردن اُڑانے کا حکم دیا۔ وہ بیچارہ خود نہیں جانتا تھا کہ کونسا دن نیک اور کونسا بد ہوتا ہے۔ فقط تقلید اُس کی امام تھی۔ خرد و پیشوا نہ تھی ہر شخص کے واسطے حیلہ حوالہ رزق چاہیئے۔ پس یہ علم بھی ذریعۂ معاش ہے۔ اسی سے ایک گروہ روٹی کما لیتا ہے۔ مگر وہ دنیا کے کاموں سے غافل ہوتا ہے۔ اور اپنے کام میں بیدار دل نہیں ہوتا۔

(۷) طبیب

بعض طبیب عالم ہوتے ہیں وہ اُستاد کی تعلیم کو قبول کرتے ہیں اور بہت سے اصول کی کتابیں پڑھتے ہیں ریاضی اور طبیعی سے آگاہ ہوتے ہیں اسرار علمی و عملی سے واقف ہوتے ہیں

خلافی جدلی مسائل کو جانتے ہیں۔ صورت کو دیکھ کر مرض پہچان جاتے ہیں۔ باہر سے اندر کا حال جان جاتے ہیں علت وامراض کو دیکھ کر جو سرد اعراض کے اسباب سمجھ لیتے ہیں۔ رنگ ونبض۔ قارورہ کی علامات سے اسباب مرض کو پہچان جاتے ہیں لیکن اکثر طبیب ایسے علم طب سے خالی ہوتے ہیں کہ نوبت غب کو نہیں جانتے۔ قارورون کی نوع کبھی سُنی نہیں نبض ونکھنی نہیں آتی۔ تبریدو محررات میں تمیز نہیں۔ سرد وگرم وتر وخشک سے غافل۔ سرگین ومشک اُن کے نزدیک یکساں۔ امراض میں جو چیزیں نفع وضرر کرتی ہیں اُن سے غافل۔ اگر اُن سے یہ پوچھیئے کہ یہ خلل ومرض کیوں پیدا ہوا ہے تو لڑنے کو موجود ہوتے ہیں بحذا کبھی حق جواب نہیں دیتے۔ گو حکمانے سواد بیاض میں پچاس امراض کی تعریف لکھی مگر جاہل طبیبوں کو ایک بھی معلوم نہیں اپنے جہل کے سبب شور مچاتے ہیں اور اپنے اندھے وبہرے ہونے کو نہیں جانتے۔ ہر سال لاکھوں مریضوں کو اپنی نادانی سے ہلاک کرتے ہیں + حضرت عزرائیل کے بڑے دوست ہیں وہ قاتل ہیں خلق قتیل ہے۔ افسوس اس حاجت مندی پر جو ان اندھوں کے پاس لے جاتی ہے۔ ایسے حکیموں سے خدا اپنے فضل سے خلق کو رہا کرے جو شہروں کو ویران کرکے قبرستان آباد کرتے ہیں۔ بہتر ہو کہ وہ خود ہی ویران ہو جائیں +

(۸) تکلف

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر آرام سے وہ ہے جو تکلف نہیں کرتا

تکلف کی کیفیت بلحاظ آدمیوں کی حالت کے مختلف ہوتی ہے۔ ایک ہی چیز ایک شخص کے نزدیک تکلف میں داخل ہے۔ دوسرے شخص کی ضروریات میں امیروں کے لئے جو چیزیں ضروریات زندگی میں داخل ہیں وہ غریبوں کے لئے تکلفات ہیں۔ مگر تکلفات میں سراسر تکلیف ہے۔ ایک کھانے کو دیکھو کہ جب اُس میں تکلف کیا جاتا ہے

تو وہ معدہ میں ایسا فساد پیدا کرتا ہے کہ مدتوں تک اُس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے جو غذا میں تکلف نہیں کرتے وہ بیمار نہیں پڑتے اگر بیمار ہوتے ہیں تو سہج علاج کرکے اچھے ہو جاتے ہیں برخلاف امرا کے کہ اگر وہ مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو پھر ہفتوں منضج پیتے ہیں مہینوں مار الجبن میں پڑے گھلتے ہیں ہزار دوا کی ایک دوا غذا ہے سادہ غذا کھانیوالوں کو دیکھ لو کہ وہ بیمار کم ہوتے ہیں اور کیسے موٹے تازے ہٹے کٹے ہوتے ہیں اُن کی غذا میں کچھ تکلف نہیں ہوتا۔

(۹) ڈاڑھی

ڈاڑھی بھی بنی آدم کو زینت دیتی ہے۔ وہ مردوں کی ایسی زیبائش ہے کہ عورتوں سے اُس کو ممتاز کرتی ہے۔ کبھی تو ریش دراز آدمی کی تعظیم کا سبب کبھی وہ لڑکوں کی ریش خند کا باعث ہوتی ہے۔ لمبی ڈاڑھی والے کو بر خفش جانتے ہیں اُس سے ہنسی اور مسخرا پن کرتے ہیں بعض آدمی ڈاڑھی کے دراز ہونے کو حماقت کی نشانی اور عقل کے خفت ہونے کی علامت جانتے ہیں۔ طرح طرح سے لوگ اُس کو رکھتے اور منڈواتے ہیں۔ کوئی بڑھاتا ہے کوئی خشخاشی رکھتا ہے۔ کوئی گل مچھے۔ کوئی متوسط۔ یکمشت و دو انگشت۔ کوئی اُس کے کترانے کے بڑے اہتمام کرتا ہے۔ اپنی صنعتیں اُن میں حجام دکھاتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ شوق ہے کہ ہم کم عمر معلوم ہوں وہ جوانی میں ڈاڑھی منڈواتے ہیں کہ امرد معلوم ہوں۔ بڑھاپے میں خضاب کرتے ہیں کہ جوان معلوم ہوں جوانی میں وقار اور شائستگی کے سبب سے بوڑھوں کی صورت بنانی تو اچھی ہے۔ مگر بڑھاپے میں سفید بالوں کو جنسے چہرہ نورانی معلوم ہوتا ہے خضاب سے سیاہ کرکے جوانوں کی صورت بنانی معیوب ہے۔ خضاب لگانے کا برا بھلا ہونا انسان کی نیت پر موقوف ہے اگر وہ بڑھاپے کو اس سبب سے چھپاتا ہے کہ میں جوان سپاہی معلوم ہوں کہ جس سے دشمنوں پر ہیبت ہو تو اچھا ہے۔ لیکن اگر خواہشِ نفس اور شہوت کی

پابندی سے ہے تو خضاب لگانا نہیں ہے منہ کالا کرنا ہے۔ زیادہ تر لوگ خضاب اسی نظر سے لگاتے ہیں کہ عورتوں کو جوان معلوم ہوں اور وہ ہم کو پسند کریں۔ بعض نے دولہا بننے کے لئے خوب ڈاڑھی کو خضاب سے سیاہ کرکے جوان دُلہن بیاہ لاتے ہیں۔ مگر جب کھونٹیاں نکلتی ہیں تو قلعی کھلتی ہے۔ دلہن اپنے نصیبوں کو روتی ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ گندک سے بالوں کو سفید کرتے ہیں اسلئے کہ جلدی سے عمر زیادہ معلوم ہو۔ اس خیال سے کہ عمر میں زیادہ ہونا عزت پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ حماقت کا خیال ہے۔ احمق جاہل کی عمر کا زیادہ ہونا اُس کی جہالت وحماقت کو بڑھاتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ

	کودکے کو بہ عقل پیر بود		نزد اہلِ خرد کبیر بود	

اگر اُن کی سرشت میں حماقت ہے تو کیا یہ بالوں کا سفید کرنا اُن کی سرشت کو بدل دے گا۔ اور حمق کو دور کرکے عقلمند بنا دے گا۔ ہرگز نہیں۔ بعض آدمی جن کی ڈاڑھی نہیں نکلتی یا کہیں اُس میں بال نہیں نکلتے تو وہ سیکڑوں اُس کے علاج کرتے ہیں۔ اور ایسے شائق ڈاڑھی کے ہوتے ہیں کہ اگر دس پانچ ہزار روپے کو ڈاڑھی بکتی ملتی ہو تو وہ مول لینے کو موجود ہوتے ہیں۔ بعض شوقین نوجوان جن کی چھگی ڈاڑھی ہوتی ہے اُس کو اس لئے خوب گھٹواتے ہیں کہ وہ چہرہ پر بدنما معلوم ہوگی۔ ڈاڑھی پر لوگ بڑی بڑی چٹکلیں کرتے ہیں غصہ میں ڈاڑھی پر تھوکتے ہیں ریش بدست دیگرے است۔ ریش خود را بدست دیگرے دادہ۔ ریش در آسیا سفید کردہ۔ ریش آمد یا جی شد۔ سیکڑوں گالیاں اس ڈاڑھی کے اوپر بنائی گئی ہیں ٭

خاتمہ

جب اِس کتاب کی ایک کاپی کاتب نے مجھے دی اور میں اُسے صحیح کرنے بیٹھا تو میری نظر آخر صفحہ کے ہندسہ ۳۴۳ پر جا پڑی تو مجھے حیرت ہوئی کہ اس کتاب کی نوبت اس صفحہ ۳۴۳ تک آن پہنچی جو میرا اندازہ سے باہر تھا اسلئے میں نے ان چند سطروں کا خاتمہ لکھ کر کتاب کو ختم کر دیا ہے

یقین تھا کہ اگر ایسی کتاب کا میں مصنف ہوں گا تو وہ کبھی ارباب علم کو پسند خاطر نہ ہوگی۔ اس لئے
میں اس کا مولف و مہتمم بنا اور یہ اہتمام کیا کہ ایسی اخلاق کی باتیں نہ چھپائی جائیں جو اندر ہی
اندر آدمیوں کے دلوں میں گھاؤ ڈال کر ناسور بنا دیتی ہیں ہر قسم کے آدمیوں کی خصائل
وہ بیان کئے جائیں جو ان میں ہوتے ہیں اور جو ان میں ہونے چاہئیں پیر ہوں حکیم ہوں طبیب ہوں
نجومی ہوں محتسب ہوں۔ واعظ ہوں غرض کوئی ہو ان کے اصلی اخلاق کے باب میں جو ارباب
فضل و کمال نے اپنے مختلف خیال ظاہر کئے ہیں اور ان کی دلائل ظرافت لطافت فصاحت
ذکاوت کے ساتھ مدلل لکھی ہیں ان کو نقل کردوں اور اس مقصد اعظم کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھوں کہ
یہ سب کو معلوم ہو جائے کہ کیونکر حق نیکی عصمت عزت کے زیوروں سے آدمی آراستہ ہوا کرتے ہیں۔ یہ امر
ضرور ہوتا ہے کہ جب ذیل خصائل کا بیان ہوتا ہے تو بدخصالوں پر سخت لعنت ملامت
کی جاتی ہے۔ اس کا بیان اس انداز سے ہوتا ہے جیسے کوئی بڑا مقدس نیک نہاد ستودہ صفات
برائی سے سخت متنفر بُروں کی برائیاں بیان کرتا ہے پس مجبوری میں میں نے بھی اس شیوہ کو اختیار
کرکے اپنے گناہوں پر ریاکاری کا گناہ اور اضافہ کیا ہے۔ جہاں برائی کا بیان کیا ہے
وہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا خوش خصال نیک فعال بدی کی مذمت شد و مد سے کرتا ہے
جن برائیوں کا رواج ہو جاتا ہے ان کے دور کرنے کے لئے جو حملہ آوری میں آزادی کا برتاؤ
ہوتا ہے تو وہ لوگوں کو سخت ناگوار ہوتا ہے۔ اس باب میں خواہ حسن بیان کیسا ہی مدلل ہو
وہ دلوں پر اثر نہیں کرتا مگر ہاں بزرگوں کا کلام ایسے موقع پر تاثیر سے خالی نہیں ہوتا اور
مقبول ہوتا ہے پس اگر اس کتاب کے مقبول ہونے کی امید ہو سکتی ہے تو فقط اس سبب سے کہ اس میں وہ
اصول و دلائل و براہین حسن اخلاق کے نقل ہوئے ہیں جو مقدس متبرک پاک نہاد بزرگوں
نے لکھے ہیں۔ اس لئے اگر یہ کتاب مقبول ہو تو میرا افتخار نہیں ہے بلکہ انہیں بزرگوں کے
کلام کی برکت کا اظہار ہے فقط ۶ جنوری ۱۹۰۸ء

فہرست مضامین مکارم الاخلاق

باب اوّل
خدا تعالےٰ

صحت نامہ مکارم الاخلاق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۶	رہی	ہے	۸۳	۲۱	زیبا	رہنا
۳	۱۸	پایۂ	پائے	۸۹	۱۸	سول	سوال
۷	۱۳	ظاہرہی	ظاہری	۹۲	۱	بات کا دوسرے	بات کا حکم دوسرے
۱۰	۱	چور	اور چور	۱۰۱	۱	بعض آدمیوں	بعض آدمی
۱۵	۸	حیات	حیا۔	۱۰۹	۵	بڑے آدمی کے	بڑے آدمی کے سامنے میری
۱۶	۱۴	ربر	زبر	”	۶	پہلے کی	پہلے سے ہی اسکی
۱۸	۲۱	ے	نے	۱۱۴	۱۶	دورحا	دور ہٹا
۲۸	۱۵	مصلق	مطلق	۱۱۵	۱۸	امرو	امرد
۳۲	۱۰	جبات	جہات	۱۲۱	۱۴	خوخرو	جوحزو
۴۲	۱۳	نقائص	نقائض	۱۲۹	۱۴	داخل	دخل
۴۴	۱۸	برکات	حرکات	۱۳۷	۱۰	اجاتی	آجاتی ہے
۴۵	۱۵	بہ تبعیت	نہ تبعیت	۱۳۹	۱۸	(۱)	۲۲
۴۹	۱۳	پسندیدے دے	پسندیدہ دے	”	۲۰	پاپچ	پانچ
۶۱	۲۱	بھرلی	جھڑکی	۱۵۰	۱۸	رکھے	رکھیں
۷۰	۵	برا	بڑا	۱۵۳	۱۳	ہوتا	ہونا
۷۵	۱۴	کالہ	پیشکار	”	۱۸	چھوڑتے	چھوڑ دیتے
۷۶	۱۴	حیال	حبال	۱۵۴	۸	ثمرہ	ثمر
۸۱	۱۴	زمی	نرمی	۱۶۷	۱۹	جو معشوق	معشوق
۸۲	۱۹	جذت	جذب	”	۱۰	دیکھتا	دیکھنا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۴	۱۲	ابزرگوں	بزرگوں
۱۸۶	۱۸	اررؤں	آرزوؤں
"	۳	از	ار
۱۹۱	۱۱	میں نے	میں
۱۹۵	۱۷	باہم گر	باہم دگر
۲۰۰	۱۷	ہم سرکو	ہم سرکا
۲۱۵	۱۷	والکے	والے
۲۲۳	۱۱	جسن	حُسن
۲۲۴	۱۶	ے گا	رہے گا
۲۲۷	۹	تلخ کہ	تلخ
۲۳۲	۱۰	اسکے	اپنے
۲۳۳	۴	رہنا	رہتا
۲۳۵	۲	کہتے	کھیتی
۲۵۶	۱۲	حاسد کو	حاسد
۲۵۷	۶	پادشاہی کے	بادشاہ کے
۲۵۸	۵	اوریہہ لو	یہہ تو
۲۶۰	۲۰	وانی	وافی
۲۷۱	۱۷	سکتات	سکتان
۲۷۲	۱۹	ہے ذی	اور
۲۸۰	۹	حاجت سے ہو	حاجت سے پرہیز ہو
۲۸۴	۱۸	یہ ہے	یہ ہیں
۲۹۶	۱۵	کھیتو	کہتے
۲۹۷	۱۸	حمت	رحمت
۲۹۹	۴	کرتا	[illegible]
۳۰۳	۹	ولد	[illegible]
۳۰۶	۲	[illegible]	[illegible]
"	۴	"	"
۳۰۶	۸	چاہتے ہیں	جا بیٹھتے
۳۰۶	۱۷	حقیر	فقیر
۳۰۷	۴	آتے	آنے
۳۲۲	۳	جائیں گی	جائیگی
۳۳۴	۵	احبار	اخبار
۳۳۹	۲	غیرت	عبرت
۳۴۲	۱۰	جرہ	جُزء

قیمت ۸ر — **تہذیب الاخلاق** — محصول ۱ر

زمانہ دراز گذرا کہ شہنشاہ چین کو جب معلوم ہوا کہ ملک تبت میں لاماگروں کے مندروں میں ایک کتب خانہ ہے جس میں نہایت مقدس قدیمی کتابیں سنسکرت کی موجود ہیں اُسکو اُن کتابوں کا اشتیاق پیدا ہوا اُس نے لاماگرو کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ ایک حکیم کے فو کو بھیجتا ہوں آپ عنایت فرما کر اُسکو کتب خانہ کی اجازت دیجئے فو کی عمر پچاس سال کی تھی وہ نہایت فہیم اور فصیح اور صاحب علم تھا۔ وہ یہاں نہایت عزت اور احترام سے لیا اور مندر میں بہت کچھ چڑھایا اور کتب خانہ کی کتابوں کو چھ مہینہ تک مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ میں اُس کی بڑی امداد ایک فاضل نے بھی لاماگرو کی طرف سے کی۔ اُس نے بہت سے مضامین انتخاب کر کے نقل کئے۔ اور پھر اُن کو چین لیجا کر اپنی زبان میں ترجمہ کئے۔ اس ترجمہ کو اہل چین بڑے ذوق شوق سے پڑھتے تھے ✦ اُنکا ترجمہ انگریزی زبان میں ہوا جسکے ابتدا میں زیادہ تر مضامین اسی کتاب سے لکھے ہیں۔ پھر منیں رامائن کو پڑھا اور جو حصہ اُس کا اخلاق کے مضمون سے متعلق تھا اُسکو انتخاب کیا۔ جناب سرجان میور صاحب نے کتاب مہابھارت اور اور مستند کتابوں سے اخلاق کے مضامین انتخاب کر کے انگریزی زبان میں نظم و نثر میں ترجمہ کئے ہیں میں نے اُن میں سے بھی بہت سے مضامین انتخاب کئے۔ راجہ بھرتری کے شلوکے مضامین بھی انگریزی سے ترجمہ کئے ہیں غرض اس طرح سے یہ مجموعہ ۱۰ مضامین اخلاق اور ۱۲ اور مضامین متفرق کا میں نے لکھا ہے ✦

قیمت ۸ر — **مبادی الانشا حصہ اول** — محصول ۱ر

(۱) کاغذات امتحان لکھنے کو قواعد جنکے پابند نہ ہونے سے سالانہ امتحانوں میں طالب علموں کے نمبر کم ہوتے ہیں یا فیل ہو جاتے ہیں
(۲) علم ادب کی تعریف و موضوع۔ انشا پردازی کے کونسے مصالح اور اسباب لازمی و ضروری ہیں اور انہیں سے اُن مدارس میں معلموں و متعلموں کے لئے کہانتک موجود ہیں اور کہانتک وہ اُن کے لئے مہیا ہو جانا چاہئیں کن کن باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئیے کہ جس سے اُن کی استعداد اور لیاقت کا اظہار اچھی طرح ہو اور اُن کا وقت ضائع نہ ہو جاوے۔
(۳) جب صرف و نحو کی تعلیم کا آغاز ہو تو اُن کے قواعد کی مشق کی طرز کیا اختیار کیجائے کہ جس سے اُنکو الفاظ کے اشتقاق کے طریقے اور عبارتوں کی ترکیبیں معلوم ہو جائیں اور غیر و نحوی عبارتوں میں عیب و صواب جانچنے کی لیاقت پیدا ہو جاوے علم بیان میں استعارات و تشبیہات وغیرہ کا بیان لکھا گیا ہے کہ جس سے طالب علموں کو معلوم ہو کہ انکو کیونکر استعمال کریں
(۴) پیرا فریز (جسکو ترجمہ کرنا کہتے ہیں) کرنیکے قواعد جن سے کہ طالب علموں کو اور نکی نظم و نثر کا بیان کرنا اپنی عبارت میں اسطرح آ جائے کہ عبارت بدل جاوے اور مضمون میں فرق نہ آئے ✦

(۵) خطوط نویسی کے آئین و قوانین و طرز و روش عبارت +

(۶) مضامین بیانیہ کے قواعد کہ جنسے طالب العلموں کو ایسے مضامین لکھنے آئیں کہ جنمیں کسی شے کے حالات بیان ہوں

(۷) مضامین تاریخیہ کے قواعد کہ جنسے طالب علموں کو تاریخی واقعات اور انکے اسباب و نتائج کا بیان کرنا آجائے +

(۸) مضامین مستدلالیہ کے قواعد جنسے وہ مضامین لکھنے آئیں کہ جنمیں دلائل منطقی اور براہین حکمیہ سے کام لیا جا
اور کسی امر کی نسبت دلائل موافق و مخالف کو ملا کے نتائج نکالے جاتے ہیں +

قیمت ۸ /	مبادی الانشا حصہ دوم	محصول ۱ /

(۱) تمہید میں انشا پردازی کی تعریف و طرز ادائے سخن کا بیان +

(۲) علم معانی کا بیان جسقدر اردو زبان سے متعلق ہے +

(۳) علم بدیع کا بیان ایک نئے طرز سے لکھا ہے کہ صنائع و بدائع کو کیونکر کام میں لانا چاہیئے صنائع جو مشہور ہیں
وہ کیونکر اور کہاں استعمال کرنے چاہئیں اور بعض صنائع جدید لکھے ہیں +

(۴) قوت بیانیہ و قوت فہم سخن کیونکر بڑھتی ہے +

(۵) مذاق سخن و امتیاز سخن کا بیان اور کتابوں کے پڑھنے کے لئے ہدایتیں کہ کیونکر پڑھنا چاہیئے
اور اُن کے بُرے بھلے پرکھنے کے طریقے +

مضامین تاریخیہ و بیانیہ و مستدلالیہ کی مثالیں لکھی ہیں +

(۶) اوضاع و اطوار لکھنے کے مظاہر قدرت و نیچر کے عمل و آثار و پیداوار کے بیان کرنیکے فضائل اخلاق
بیان کرنے کے قواعد لکھے ہیں اور اُن کی توضیح مضامین لکھ کر کی ہے +

(۷) آدمیوں کی یادگار لکھنے کے اپنے حال لکھنے کی دوست - واعظ مقرر اور کسی پیشہ و ہنر کے حال لکھنے کے قواعد +

(۸) ہجو و ظرافت کی مضامین لکھنے کے طریقے ہر ایک قاعدے کے ساتھ کئی کئی مثالیں لکھی ہیں
غرض اُن دونوں حصوں کے پڑھنے سے اصول انشا پردازی سے مڈل اسکولوں کے طالب علموں کو
ایسی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ جواب مضمون آسان آسان جیسے اُن کے امتحانوں
میں آتے ہیں باقاعدہ لکھ سکیں گے +

محمد عطاء اللہ دہلی چیلپوں کا کوچہ

۱۴۳۷

DUE DATE

MAULANA AZAD LIBRARY A.M.U

۲۹۷

5 FEB 1974

URDU STACKS

MAULANA AZAD LIBRARY A.M.U

MAULANA AZAD LIBRARY A.M.U

۲۱۲۰۹۰

URDU STACKS

DATE | NO. | DATE | NO.

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

G 25.06.05

RULES:—
…k must be returned on the date stamped

…f Re. 1-00 per volume per day shall be
…d for text-books and 10 Paise per volume
… for general books kept over - due.